سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر (۵۶)

ترجمۂ

تاریخ ادبیات ایران

مصنفۂ

علامۂ روزگار پروفیسر ایڈورڈ براؤن مرحوم

مترجمہ

سید سجاد حسین صاحب ایم - اے، مددگار پروفیسر اردو

(جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

——o)*(o——

سنہ ۱۹۳۲ع

——§*§——

بہ اہتمام محمد صدیق حسن انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد دکن کے مطبع میں چھپ کر شایع ہوا

پہلی دفعہ　　　　۱۰۰۰ جلد

قیمت مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ: غیر مجلد ۳ روپیہ

قواعد و ضوابط

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(۱) سر پرست وہ ہوں گے جو پانچ ہزار روپے یک مشت یا پانسو روپے سالانہ انجمن کو عطا فرمائیں —
(ان کو تمام مطبوعات انجمن بلاقیمت اعلیٰ قسم کی جلد کے ساتھہ پیش کی جائیں گی)

(۲) معاون وہ ہوں گے جو ایک ہزار روپے یک مشت یا سالانہ سو روپے عطا فرمائیں گے - (انجمن کی تمام مطبوعات ان کو بلا قیمت دی جائیں گی)

(۳) رکن مدامی وہ ہوں گے جو ڈھائی سو روپے تک یک مشت عطا فرمائیں گے -
(ان کو تمام مطبوعات انجمن مجلد نصف قیمت پر دی جائیں گی)

(۴) رکن معمولی انجمن کے مطبوعات کے مستقل خریدار ہوں گے جو اس بات کی اجازت دیں گے کہ مطبوعات انجمن کی طبع ہوتے ہی بغیر دریافت کئے بذریعہ قیمت طلب پارسل ان کی خدمت میں بھیج دی جائیں - (ان صاحبوں کو تمام مطبوعات پچیس فی صدی قیمت کم کرکے دی جائیں گی)
مطبوعات میں انجمن کے رسالے بھی شامل ہیں

(۵) انجمن کی شاخیں یعنی اردو کتب خانے وہ ہیں جو انجمن کو یک مشت سو روپے یا بارہ روپے سالانہ دیں
(انجمن ان کو اپنی مطبوعات نصف قیمت پر دے گی)

November 6. 1918.

FIRWOOD,
TRUMPINGTON ROAD,
CAMBRIDGE.

Dear Sir,

Please accept my most sincere thanks for your kind letter of September 14 last. I need not say how great a pleasure and encouragement it is to me to find that my *Literary History of Persia* is so much appreciated in India. I am now engaged on a third volume of it extending from about A.D. 1260 — 1500, & this is now being printed here at the University Press, which I greatly ~~[illegible]~~ prefer, as I am able to give the original poems etc. in the

proper character.

As regards your request for my permission to translate the 2 published volumes of my Literary History into Urdu, I personally should be delighted that this should be done, but legally I am afraid that my publisher, Mr. Fisher Unwin, should be approached, as he has certain rights in the book, which is not therefore solely under my control. In the case of the new volume or volumes I am taking care to keep all rights in my own hand, so that no permission will be required except

from myself. In the case of the Three published volumes, I am not sure whether I alone have the power to give the permission you seek, though so far as I am concerned I should be delighted to know that my book was being made available for Indian readers.

I enclose lists of my own publications & of the "E. J. W. Gibb Memorial" publications, & if your Society has a reference library it would give me great pleasure to send them such of these publications as they

might think useful to them, as a gift.

I am,

Yours sincerely,

Edward G. Browne.

November 13. 1918.

FIRWOOD,
TRUMPINGTON ROAD,
CAMBRIDGE

Dear Sir,

In continuation of my last letter, written a few days ago, I have the pleasure to inform you that Mr. Fisher Unwin, the Publisher of my Literary History of Persia, has most readily consented to your translating it into Urdu and publishing it. I need not say how glad I am that he has raised no objection

to this, as I appreciate very
highly the honour you do me
in wishing to set my book
in an Eastern dress before
a larger public. In all that
I have written I have thought
most of the East & especially
of Persia, and I feel so
strongly that there is more work
worth doing in Persian &
urgently needing to be done
than in almost any other
Eastern language that I

rejoice in any step calculated to arouse in it wider interest.

You will probably need the Persian & Arabic texts of some at least of the passages translated in these volumes, as some are taken from rare books which may not be accessible in India. In that case I shall be glad to do my best to supply them.

A third volume of the book, covering the period from Hulágú Khán to the rise of the Ṣafawí dynasty is being

printed here, and I have promised advance proofs to my pupil Mawlawí Muḥammad Shafí', Government of India Research Student here and a very fine scholar, who knows all about your Society & is deeply interested in its work.

I remain,

Yours very truly,

Edward G. Browne

تفصیل ابواب

صفحہ

باب اول

تفصیل ابواب	صفحہ

باب دوم

تفصیل ابواب — صفحہ

تفصیل ابواب | صفحہ

تفصیل ابواب صفحه

باب سوم

تفصیل ابواب	صفحہ

صفحہ	تفصیل ابواب

چوتھا باب

تفصیل ابواب | صفحہ

صفحہ

تفصیل ابواب

تفصیل ابواب

صفحہ

تفصیل ابواب — صفحہ

باب پنجم

باب ششم

تفصیل ابواب | صفحہ

تفصیل ابواب	صفحہ

دیباچه

اس کتاب کا ترجمه عرصے سے کیا رکھا تھا لیکن ضرورت اس امر کی تھی که طبع سے پہلے کوئی صاحب نظر اسے بنظر اصلاح دیکھ لے - خصوصاً کتاب کا پہلا حصه جس میں زبان کی تاریخ سے بحث ہے بہت کچھ اس کا محتاج تھا - میں نے پروفیسر محمد شفیع صاحب ایم - اے ' وائس پرنسپل اورینٹل کالج لاهور سے درخواست کی - صاحب موصوف نے پروفیسر براؤن مرحوم کے ساتھ کام کیا ہے اور مسلم قابلیت کے شخص ہیں - انھوں نے از راہ عنایت میری درخواست کو قبول فرمایا اور نہایت احتیاط اور غور سے اس کی نظر ثانی فرمائی اور جابجا بہت معقول اور مناسب اصلاحیں فرمائیں - لیکن چار باب سے زیادہ نہ دیکھ سکے ' اس میں وقت بہت صرف ہوتا تھا اور ان کو اتنی فرصت نه تھی - میں پروفیسر محمد شفیع صاحب کی اس توجه اور

عنایت کا تہ دل سے ممنون ہوں - میں نے اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سے رجوع کی لیکن کم فرصتی کی وجہ سے وہ اس دردسری کو اپنے ذمے نہ لے سکے بلکہ یہ کہہ کے ٹال دیا کہ بجائے اصلاح کے نیا ترجمہ کرانا زیادہ بہتر ہوگا - اصل بات یہ ہے کہ بقول پروفیسر محمد شفیع صاحب اس کتاب کے ترجمے کے لئے ذوق شعر کی ضرورت ہے - ناچار باقی ابواب کے پروف میں نے خود دیکھے اور جہاں تک ممکن ہوا اس کی اصلاح میں کوشش کی —

نفس کتاب کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں فارسی ادب کی تاریخ پر اس سے بہتر کسی زبان میں کوئی کتاب نہیں - ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ بعض رایوں سے بعض صاحبوں کو اختلاف ہو یا اس میں کہیں کہیں غلطیاں بھی پائی جاتی ہوں ، لیکن اس سے کتاب کی وقعت و عظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ادبی تاریخ و تنقید کی اعلیٰ پایہ کی کتابوں میں سے ہے - اردو میں ایسی کتابوں کے ترجمے کی شدید ضرورت ہے - کیونکہ فارسی اردو میں ایسی کتابوں کا وجود نہیں - تذکرے البتہ ہیں سو ان کی حالت عجیب ہے - معلومات ناقص ، حالات بہت کم اور وہ بھی بے سند ، کلام پر رائے عجیب و غریب - مدح پر آئے تو تعریف کے پل باندھ دئے ، قدم پر اترے

تو تسمہ لگا نہ چھوڑا - نہ ان کی مدح مدح ہے اور نہ قدح قدح - باقی رہیں دوسری باتیں مثلاً زبان کی نشو و نما ' خیالات کے انقلاب کے اسباب ' حکومت اور زمانے کا اثر ' اصول تنقید وغیرہ ' ان کی ہوا تک بھی نہیں لگی - " تاریخ ادبیات ایران " ہمارے لئے نمونے اور رہبری کا کام دے گی - اس سے ہمیں معلوم ہوگا کہ زبان کیونکر بنتی اور نشوونما پاتی ہے ' کیا کیا تغیر رونما ہوتے ہیں اور اُن کے کیا اسباب ہوتے ہیں - ادب پر حکومت ' ماحول ' سوسائٹی اور دوسرے تاریخی حالات و انقلابات کا کیا اثر ہوتا ہے - ادیب کے کلام کی خصوصیتوں اور حسن و قبح کو کن اصول سے جانچا جاتا ہے علاوہ اس کے تحقیق زبان و لغت کے سیکڑوں نکات اس میں ایسے آگئے ہیں جو نہایت بصیرت افروز ہیں - غرض ایسی بیسیوں باتیں ہیں جو ہمیں سیکھنی ہیں اور وہ ہم ایسی ہی بلند پایہ تصانیف سے سیکھ سکتے ہیں —

پروفیسر براؤن سچے عالم تھے - ساری عمر ان کی علم کی تلاش اور تحقیق میں بسر ہوی - یوں تو انھیں عام طور پر عالم اسلام سے ایک قسم کی الفت تھی اور عربی اور ترکی کے عالم تھے ' لیکن ایران اور ایرانیوں اور ان کی زبان سے ان کو عشق تھا - فارسی زبان کے وہ بڑے فاضل اور ماہر تھے - انہوں نے ہر موقع

پر اپنی قلم سے ' تقریر سے ' تدبیر سے ' دولت سے
ایران کی حمایت کی اور بعض اوقات اہل ایران کے
حقوق کی تائید میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں -
ان کی تصانیف کا بہت بڑا حصہ ایران اور فارسی زبان
کے متعلق ہے اور تاریخ ادبیات ایران ان کی مہا تصنیف
ہے - اس طرح انھوں نے ایران کی بے بہا خدمت کی ہے
جب جہاں کہیں وہ ایران یا ایرانیوں کا ذکر کرتے ہیں
تو اُن کے ایک ایک لفظ سے محبت ٹپکتی ہے —

جن لوگوں کو پروفیسر مرحوم سے ملنے کا اتفاق ہوا
ہے وہ ان کے اخلاق ' فیاضی ' خوش بیانی اور علمی
انہماک اور شغف کے بیحد مداح ہیں- مولوی غلام یزدانی صاحب
ایم - اے ' ناظم محکمۂ آثار قدیمہ حیدرآباد دکن نے
پروفیسر مرحوم سے اپنی ملاقات کا ذکر بغیر کسی مبالغے
کے بہت ہی خوبی اور سادگی سے بیان کیا ہے - وہ
پڑھنے کے قابل ہے اور یہاں ہم اُسے انھیں کے الفاظ
میں نقل کرتے ہیں —

" ان کی عجیب شخصیت تھی - دیکھنے میں تو ذرا
سے آدمی تھے اور کوز پشتی کا عیب بھی موجود تھا
لیکن جب بات کرتے تھے تو چہرے سے کمال ذہانت
ٹپکتی تھی - اور بذلہ سنجی کا یہ حال تھا کہ منہ
سے پھول جھڑتے تھے - طبیعت میں انتہا کا انکسار اور
حلم تھا - اسی وجہ سے طالب علم اور آنے جانے والے ان

کا بہت وقت ضایع کرتے تھے - ایشیائیوں کے لئے مہمانی
کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا - میرے آنے کا حال
معلوم ہوا تو ڈاکٹر بدل الرحمن سے جو اُس وقت کیمبرج
میں تھے - کہا کہ اُن کو سیدھا اسٹیشن سے میرے پاس
لے آنا - دو دن تک مہمانی رہی ' پر لطف باتیں
کرتے تھے - ان دنوں بیوی کی علالت کی وجہ سے ذرا
طبیعت میں انتشار تھا اور اپنی صحت کی خرابی کو
بھی محسوس کررہے تھے - مسودوں کے بستے دکھاے اور
کہا کہ خدا اس ذمہ داری کو پورا کرے - آنکھ میں
چونکہ بے حد لحاظ تھا ' اس لئے بعض اوقات چھپ چھپ
کر کام کرتے تھے —

ایران اور اہل ایران کے ساتھ حقیقی عشق تھا ۔
اپنے ملک کی نگاہ جب کبھی بدلی ہوی دیکھتے تھے '
فوراً ایران کی بھلائی کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے - اس
پر خلوص محبت اور شیفتگی کی وجہ سے سیاسی عہدہ
دار بھی اُن کا ادب کرتے تھے - سر ولزلے ہیگ ایک
قصہ سناتے تھے - وہ جب مشہد میں قونصل جنرل تھے '
ایک شاعر کو ایرانی سلطنت نے غداری اور بغاوت کے
جرم میں قید کردیا - شاعر نے پروفیسر براؤن کو عرضی
لکھی اور مدد چاہی - ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ
فوراً سر ولزلے کو خط لکھا کہ جس طرح ممکن ہو شاعر
کو چھڑا دو ' یہ سمجھو کہ براؤن کا بیٹا قید ہوگیا ہے

اور دستگیری کا وقت ہے - سرولزلے کہتے تھے کہ شاعر کے جرم میں مطلق شبہ نہ تھا۔ لیکن براؤن کی محبت کو دیکھہ کر مجھے شاعر کو بغیر رہا کراے بن نہ پڑی -

یہ محبت ہی تھی کہ اس فاضل نے ایران کی ادبیات کو اس خوبی سے سمجھا ہے - لیکن باوجود تبحر کے کبھی کسی قسم کی لن ترانی اُن کی زبان سے نہیں سنی گئی - شبلی کی تالیف " شعرالعجم " کے متعلق فرمانے لگے کہ " یہ ایسے وقت لکھی گئی ' جب میں اپنی کتاب بہت کچھہ لکھہ چکا تھا - اور چونکہ یہ اردو میں لکھی گئی اس لئے اس کے مطالعے میں مجھے بیحد دقت پیش آئی " - جب پروفیسر براؤن کے انکسار اور فضیلت کا مقابلہ ہندوستان کے علما کے مبالغ معلومات اور تعلی سے کیا جاتا ہے تو اِن حضرات کے حال پر تاسف ہوتا ہے اور ان کی تنگ مایگی پر غیر قوم والوں کے سامنے شرم آتی ہے "—

غرض پروفیسر مرحوم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے - ان کے اخلاق اُن کا علمی ذوق اور انہماک ' اُن کی سادگی اور ان کا استقلال اور محنت یہ ایسی چیزیں ہیں جو نہایت قابل قدر ہیں —

انجمن نے جب " تاریخ ادبیات ایران " کے ترجمے کا تہیہ کیا تو میں نے ایک خط پروفیسر مرحوم کے نام لکھا اور ترجمے کی اجازت طلب کی - تو انہوں نے

میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ ذاتی طور پر بہت خوش ہوں کہ اس کا ترجمہ اردو میں ہوجاے لیکن اس میں مجھے شبہ ہے کہ قانونی طور پر میں اس کی اجازت دے سکتا ہوں یا نہیں - اس معاملے کا تعلق میرے ناشر (پبلاشر) سے ہے آپ ان سے مراسلت کیجئے -

اب ان کی عنایت اور شرافت کو ملاحظہ کیجئے کہ اس سے قبل کہ میں صاحب مطبع کو لکھ کر اجازت طلب کرتا اسی ہفتے ان کا دوسرا خط پہنچا کہ میں نے اس بارے میں مسٹر فشر ان ون ناشر تاریخ ادبیات ایران سے گفتگو کی ، انھوں نے بخوشی اردو ترجمے کی منظوری دیدی ہے - اس پر پروفیسر مرحوم نے مسرت کا اظہار کیا کہ اس بارے میں ناشر کو کسی قسم کا اعتراض نہیں - یہ مرحوم کي ذاتی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ناشر نے بغیر کسی معاوضے کے ترجمے کی اجازت دیدی - یہ دونوں خط بطور یادگار کے شایع کئے جاتے ہیں - پہلے خط میں انھوں نے اپنی تصانیف نیز وہ کتابیں جو ان کی نگرانی میں طبع ہوئی ہیں ، ہدیتاً انجمن کو دینے کے لئے لکھا ہے - ان کی یہ عادت ہے کہ وہ اہل علم اور علمی انجمنوں کو اپني یہ کتابیں مفت عنایت فرماتے تھے - یورپ کا کوئی دوسرا عالم اس قسم کی فیاضی کا مرتکب نہیں ہو سکتا - دوسرے خط میں انھوں نے پروفیسر محمد شفیع کا ذکر فرمایا ہے جو اس زمانے میں کیمبرج میں تھے -

عبدالحق

بسم اللہ الرّحمن الرحیم

باب اول

تمہید

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ھے' یہ تاریخ تو ھے لیکن اُن شاھی خاندانوں کی تاریخ نہیں ھے جنھوں نے ایران میں حکومت کی اور نہ اُن سلاطین کی جو ان خاندانوں میں پیدا ھوے' بلکہ یہ تاریخ ھے اہل ایران کی اور کمالات علمی اس کا نقطۂ خیال ھے' یا یوں کہئے کہ یہ کتاب ایک کوشش ھے ایرانیوں کی ذھنی خصوصیات کا نقشہ کھینچنے کی- ذھنی خصوصیات سے مراد ھے احساسات مذھبیہ' کیفیات دماغیہ اور جذبات لطیفہ' جو خود اھل ایران کی تصانیف میں اور اگر ان میں نہیں تو ان کی ھمسایہ اقوام کی کتابوں میں جا بجا نظر آتے ھیں- لیکن یاد رکھنا چاھئے کہ یہ کتاب خالص فارسی ادب کی تاریخ نہیں ھے کیوں کہ ایک طرف تو اس کتاب کو اُن ادیبوں سے کوئی سروکار نہیں جنھوں نے اپنی تصنیفات میں گو فارسی زبان کو خیالات کا آلہ بنایا مگر خود ایرانی نژاد نہ تھے اور دوسری طرف اس میں اُن تصانیف سے بحث کی گئی ھے جو اگرچہ غیر زبان میں ھیں مگر ایرانیوں کی طبع زاد ھیں'

موضوع کتاب

مثلاً اهل هندوستان نے فارسی زبان میں کثرت سے کتابیں
لکھیں لیکن اس بناپر کہ وہ ایرانی دل و دماغ کا عکس نہیں
ہم نے ان کو بالائے طاق رکھا ہے۔ اسی طرح مگر اس سے ذرا کم
درجے پر ترکوں کے متعدد فرقوں نے اپنے خیالات کو فارسی کا
لباس پہنایا مگر اُن کا فارسی علم و ادب بھی ہماری بحث
سے خارج ہوگا - برخلاف اس کے اہل ایران اسلامی فتوحات کے
آغاز یعنی کچھ اوپر بارہ سو برس سے اپنی مادری زبان کو
تقریباً بُھلاے بیٹھے ہیں اور اس کی جگہ عربی کو بعض علوم؛
بالخصوص فلسفہ اور دینیات میں استعمال کررہے ہیں - مزید
برآں عربوں کے حملۂ اولیں کے بعد کامل دوصدی تک فاتحین
کی عربی زبان ایرانیوں کی علمی زبان بنی رہی: البتہ وہ فرقہ
جو ہنوز زرتشت کے قدیم اور قومی مذہب کا پابند تھا
عربی سے اپنا دامن بچا تا رہا- ان دو صدیوں میں وقتاً فوقتاً
جو ادب کہ بزبان عربی وجود میں آیا اس کو قلم اندازکرنا
گویا ایرانی دماغ کی نہایت اہم جلوہ گری سے نظر بچا نا اور
ایران کی فہیم و طباع قوم کے ذہنی کارناموں کا غلط اندازہ
کرنا ہے —

لفظ پرشین (ایرانی) جس مفہوم کے ساتھہ ہماری زبان،
یونانی، شامی، اور اہل عرب وغیرہ کی زبان پر رہا وہ
اس کے اصلی مفہوم سے کہیں وسیع ہے، 'پرشینز' (اہل ایران)

اپنے آپ کو ایرانی اور اپنے ملک کو ایران* کہتے ہیں۔ خطۂ پارسہ جو یونانیوں میں (پرسِس) اور اس وقت فارس† کہلاتا ہے ایران کے متعدد صوبوں میں سے صرف ایک صوبے کا نام ہے، لیکن رفتہ رفتہ اس صوبے کا ایرانی نام فارس خود ملک اور اہل ملک

---

* ایران " اے ران " جو اوستا میں بشکل "اے ریانہ" ملتا ہے اے ری انز ("اری یا" "اے ریا" اوستا میں اور سنسکرت میں آریا ") کا ملک ہے اور اس کا مفہوم لفظ "پرشیا" کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے۔ پرشیا معنوں کے لحاظ سے لفظ "ایران" کے صرف موجودہ معنوں کے برابر ہے۔ قدیم معنی کے اعتبار سے ایران میں هن بکٹریا (بلخ) سغدیانہ (سغد) اور خوارزم بھی شامل تھا اور کرد و افغان قومیں ایرانی کہلاتی تھیں۔

† عربی زبان میں پ کی آواز بالکل مفقود ہے اور پ کا کام ف سے لیا جاتا ہے۔ چناں چہ فارس، اصفہان وغیرہ پارس اور اسپہان سے معرب کر لئے گئے ہیں۔ اسم صفت "فارسی" (یا پارسی) سے ایران کی سرکاری زبان مراد ہے (ساتھ میں یہ ایران کے ایک بڑے حصے کی اسی طرح مادری اور قومی زبان ہے جس طرح انگریزی برطانیہ اور آئرلینڈ کے باشندوں کی ہے) اور اس لحاظ سے "فارسی" لفظ "ایرانی" کے مساوی ہے۔ لیکن اگر صفت "فارسی" شخص کے ساتھ استعمال کی جائے تو اس کے معنے صوبہ فارس کا باشندہ ہوں گے۔ هندوستان میں پارسی اس شخص کو کہتے ہیں جو ایران کے قدیم یا زرتشت مذہب کا پیرو ہو اور اس نئے مفہوم کے ساتھ یہ لفظ هندوستان سے ایران واپس پہنچا۔ بعض یوروپین مصنف فارس کو فارستان کہا کرتے ہیں۔ یہ ترکیب غلط ہے کیوں کہ استان (جگہ، مقام) صرف کسی قوم کے نام کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے، جس سے اس قوم کے ملک کا نام نکل آتا ہے، مثلاً افغان سے افغانستان بلوچ سے بلوچستان۔ قوم کی جگہ ملک یا صوبے کے ساتھ استان کا اجتماع بے معنی ہے۔

لفظ پرشین کے اصلی معنی

پر جن کو ہم پرشین کہتے ہیں اطلاق پانے لگا - اس کا سبب یہ ہے کہ اس صوبے کی خاک سے دو مشہور خاندان پیدا ہوے، ایک تو چھٹی صدی قبل مسیح میں جس کا نام ہخا منشی (اِے کی می نی آن) تھا، اور دوسرا (ساسانی) حضرت عیسیٰ کے تین سو برس بعد —

یہ دونوں خاندان بڑے زبردست تھے - ممالک یورپ میں ان کے نام کی دھوم اور ان کے اسلحہ کی دھاک تھی - ایران میں ایک صوبے کا نام پورے ملک اور اہل ملک کا نام اسی طرح ہوگیا جس طرح انگلستان میں فرقۂ اینگل کے نام پر جس کی تعداد سیکسن لوگوں سے کم تھی، ملک کا نام انگلینڈ رکھا گیا اور وہ تمام معانی وجود میں آگئے جن پر لفظ انگلش دلالت کرتا ہے - تمکو معلوم ہے کہ اینگل، سیکسن اور جوٹ، تین فرقوں کی آمیزش سے انگلستان میں ایک قوم بنی یعنی انگریز اور صوبجات نارتھم بریا، مرسیا اور وے سیکس کی تین زبانوں سے مل کر ایک زبان پیدا ہوئی یعنی انگریزی - بس اسی طرح ایران میں بھی اضلاع پارتھیا، میڈیا اور فارس کے باشندے جب رفتہ رفتہ آپس میں شیرو شکر ہوے تو ایرانی پیدا ہوے اور جب ان تینوں کی ملتی جلتی بولیاں باہم پیوست ہوئیں تو فارسی زبان عالم ظہور

* استریبو ۱۵، ۷۲۴ - استریبو ایک مشہور یونانی مورخ سیاح اور جغرافیہ نویس تھا - سنہ ۵۴ ق م میں پیدا ہوا اور سنہ ۲۴ ع میں فوت ہوا —

میں آئی - چنانچہ جس زمانہ میں استرابو * ہوا ہے تو ملک کی زبان تقریباً ایک ہو چکی تھی —

اس حساب سے جدید فارسی یعنی فارس کی زبان اس زبان کی اولاد ہے جسے دارا اور سائی رس بولتے تھے اور جس میں ان بادشاہوں کے حکم سے بے ہی ستون

دور ہخامنشی کی زبان

(موجودہ بے ستون) اور نقش رستم کی چٹانوں استخر کے شاہی ایوانات کی دیواروں اور ستونوں پر اعلانات کندہ کئے گئے تھے -

ہخامنشی مسند آراؤں کے یہ کتبے (جنہوں نے سنہ ٥٥٠ قم سے سنہ ٣٣٠ قم تک حکومت کی اور جن کے تاجدار دارائے آخر کو سکندر اعظم نے شکست دیکر سلطنت ایران کو تہ وبالا کیا) تعداد میں اس قدر کافی اور پڑھنے میں اس قدر صاف ہیں کہ ہم بآسانی پتہ لگا سکتے ہیں کہ ایران کی زبان آج سے چوبیس سو برس پہلے کیا تھی —

فارسی زبان کے کتبوں کا سلسلہ چونکہ نہایت ہی قدیم زمانے سے شروع ہوتا ہے اس لئے بد قسمتی سے وہ مسلسل نہیں

فارسی کتبات کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے

ہے - ہخامنشی عہد سے اسوقت تک کے کتبات کو اٹھا کر دیکھیں تو ان کا تار دو جگہ ٹوٹا ہوا ملیگا - یہ دونوں موقعے وہ ہیں جبکہ بیرونی حملوں نے ایرانی تاج کے جواہر نوچ کر پھینک دئے اور ایرانیوں کو حاکم سے محکوم بنا دیا - پہلا مقام جہاں کتبوں کا سلسلہ شکستہ ہے سکندر اعظم کی یورش سے شروع ہوتا ہے اور پارتھیوں

(ملوک طوائف) کے زوال پر ' جس کا باعث خاندان ساسان تھا
ختم ہوتا ہے - ٹوٹتے ہوے سروں کے درمیان تقریباً پانسو
پچاس برس کا فرق ہے یعنی تین سو تیس قم سے لیکر دو سو
چھبیس عیسوی تک - دوسرا مقام جہاں یہ سلسلہ بالکل
منقطع ہو گیا ہے عربوں کا حملہ اور مسلمانوں کی فتح
ایران ہے جس نے ساسانی خاندان کو نیست و نا بود اور
دین زرتشت کو پا مال کر دیا - گو کہ ایران میں عربوں کا
قیام کم زمانہ تک رہا مگر انہوں نے خود اہل ایران' ان کے
خیالات ' اور ان کی زبان پر جس قدر گہرا اور پائدار اثر
ڈالا وہ یونانی اثر سے کہیں زیادہ ہے - چنانچہ نولدیکی کا
قول ہے کہ

" یونان کا اثر ایرانی معاشرت کی صرف سطح پر
لوتتا رہا ' بر خلاف اس کے اسلام کا کلمۂ توحید اور
عربوں کے طور طریقے ایران کی رگ و پے میں اتر گئے "

دیگر واقعات بالخصوص خسرو پرویز کے عہد میں سنہ
۶۰۲ - سنہ ۶۱۰ ع) جنگ ذوقار اگرچہ ایران میں فتوحات
عرب کا پیش خیمہ تھی مگر دراصل یہ فتوحات (سنہ ۶۳۵ -
۶۳۶ ع میں) بویب اور قادسیہ کے معرکوں سے شروع ہوتی
ہیں اور ساسانی خاندان کے آخری تاجدار یزد گرد سوم
کی وفات کے ساتھ' جو ۶۵۱ یا ۶۵۲ سنہ عیسوی میں واقع
ہوی ' تکمیل کو پہنچتی ہیں - یہ کہ دور عربی ایران پر
کبتک چھایا رہا صحیح صحیح تو نہیں بتایا جا سکتا ' ہاں
ایک طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ سنہ ۱۲۵۸ ع تک سانس

لیتا رہا جب کہ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو کی سر کردگی میں مغلوں نے بغداد کو تاراج اور خلافت عباسیہ کے آخری سریر آرا مستعصم بالله کو قتل کیا - لیکن عربوں کی حقیقی طاقت سنہ ۱۲۵۸ع سے کہیں پہلے ایرانی اور ترک باجگذار اُمراء کے ہاتھوں میں جاچکی تھی - خلیفہ برائے نام رہ گیا تھا؛ اس کی حکومت اور وہ بھی صرف مذہبی لحاظ سے نواح بغداد تک محدود تھی - اُمراء اکثر تو اس کو ایک تیلی یا ہستیء معدوم سمجھتے تھے لیکن ضرورتاً کبھی کبھی منت سماجت سے اس کو منا لیا کرتے تھے - الغرض ادھر تو ایران کے صوبے خلیفہ کے ہاتھہ سے نکلے اور مقامی امراء کے خاندانوں نے علم خود مختاری اٹھایا اور اُدھر فارسی زبان نے عربی زبان کی حکومت کا جوا اُتار کر پھینکدیا - ان خاندانوں میں بعض اوقات سب سے پہلا خاندان طاہریہ ۸۲۰ع کو شمار کیا جاتا ھے - لیکن صحیح طور پر دیکھا جائے تو سب سے پہلے سنہ ۸۶۷ع میں خاندان صفاریہ نے اپنے آپ کو آزاد کیا؛ اس کے بعد سنہ ۹۰۳ع میں سامانیہ نے؛ پھر سنہ ۹۳۲ع میں بویہ اور سب کے بعد فرمانروایان غزنویہ اور سلجوقیہ نے جن کے عہد میں مطلق العنانی اور آزادی کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی - واقعات بالا کے لحاظ سے فارسی زبان کو تین دوروں میں جو ایک دوسرے سے صاف طور پر علحدہ ہیں، تقسیم کر سکتے ہیں، وہ دور یہ ہیں: —

فارسی کی عہد بعہد ترقی	(۱) دور ہخامنشی (سنہ ۵۵۰ - ۳۳۰ ق م) - اس دور کے صرف پیکانی کتبے باقی ہیں جن پر احکامات و اعلانات سلطانی کندہ ہیں - یہ کتبے اگرچہ

(۵

طویل‌العبارت ہیں مگر رسم‌الخط اور طرز بیان میں یکساں اور ۴۰۰ الفاظ پر مشتمل ہیں * - خالص ان کتبوں کی زبان

فارسیٔ قدیم | بالعموم فارسیٔ قدیم کہلاتی ہے †

(۲) دور ساسانی (سنہ ۲۲۶–۶۵۲ ع) اس عہد کی زبان کا پتہ دو طریق پر لگایا گیا ہے، ایک تو کتبوں سے جو آثار قدیمہ اور یادگاروں پر کندہ ہیں، تمغوں سے، مہر کے نگینوں سے، جواہرات اور سکوں سے - دوسرے ان مرقومات سے جو حجم میں کم و بیش عہد عتیق ‡ کے برابر ہوں گے - یہ مرقومات

---

* دیکھو ڈارمشتھٹر کی کتاب " ایرانی علوم " جلد اول صفحہ ۷ -

† ان کتبات کی بہترین ایڈیشن دو ہیں - ایک کو 'کاسوویچ' نے (سینٹ پیٹرزبرگ سنہ ۱۸۷۲ ع) اور دوسرے کو 'اشپیگل' نے (لیپ زگ سنہ ۱۸۶۲ ع میں) شایع کیا ہے - اول الذکر میں متن دو طرح پر دیا گیا ہے، اصلی ایرانی میخی حروف میں بھی اور رومن میں بھی اور ترجمہ لاطینی زبان میں ہے - آخرالذکر میں کتبوں کو صرف جرمن حروف میں نقل کردیا ہے اور ان کا ترجمہ بھی جرمن میں ہے --

‡ دیکھو ویسٹ کی کتاب "پہلوی ادب اور اس کی مقدار، پہلوی زبان اور اس کا زمانہ- صفحہ ۴۰۲" اسی مصنف کی دوسری تصنیف ادبیات پہلوی کا صاف اور مستند حال گائیگر اور کہن کی تصنیف "اساس لسانیات ایران" جلد دوم صفحہ ۷۵ سے ۱۲۹ تک میں ملیگا. ویسٹ نے پہلوی ادب کے تین حصے کئے ہیں- پہلا حصہ اوستا کے بعض اجزاء کے ترجمہ پر مشتمل ہے جس کے (۱۴۱۰۰۰) الفاظ ہیں- دوسرا مباحثات مذہبیہ پر جس کی تعداد الفاظ ۴۴۶۰۰۰ ہے اور تیسرا غیر مذہبی موضوعات پر جس کے الفاظ (۴۱۰۰۰) ہیں- ان الفاظ کی میزان تقریباً (۶۲۸۰۰۰) ہوتی ہے -

فارسیء متوسط یا پہلوی	قریب قریب خالصاً زرتشتی ہیں، مبحث ان کا مذہب اور آداب عبادت ہے، ان کی زبان کو

فارسیء جدید کی فقط ایک انتہا درجہ قدیم صورت سمجھنا چاہئے، بشرطیکہ اِدھر جدید فارسی کو عربی الفاظ و تراکیب سے خالی کردیا جائے، اُدھر ہزواریش یا زوارش نام کے عجیب و غریب رسم الخط سے الگ کرلیا جائے- اس کو پہلوي یا بعض وقت فارسیء متوسط کے نام سے پکار تے ہیں - غور سے دیکھیں تو لفظ پہلوی بہ نسبت زبان کے طرز کتابت پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے، لیکن رواج عام کی تقلید میں ان کتابوں کی زبان کو ہم بھی لفظ پہلوي کو ساسانی دور کی سرکاری زبان کے معنوں میں استعمال کرینگے - یہ پہلوی خط عربوں کی فتح ایران کے بعد ایک صدی سے زیادہ تک ابتدائی خلفا نیز طبرستان کے خود مختار حاکموں (سپاہپت یا اسپہبد) کے سکوں میں رائج رہا، پھر کم از کم اور ایک صدی تک ایران کے زرتشتی اسی زبان میں کتابیں لکھتے رہے، لیکن آخری تصنیف جو اس زبان میں ہوئی اس کا سن نویں* صدی عیسوی سے آگے نہیں

* ویسٹ کا خیال ہے کہ دتن کرت، بندہش اور آردہ وراف نامک نویں صدی عیسوی میں تالیف ہوئی تھیں (کتاب مذکور صفحہ-۴۳۳، ۴۳۶، ۴۳۷)اور اوستا کے تراجم میں جتلے مفسرین کا ذکر آیا ہے اس کی راے میں محال تھا کہ ان میں سے غالباً ایک نے بھی چھٹی صدی مسیحی کے بعد کچھہ لکھا ہو لیکن " ابحاث ایرانیہ " جلد دوم صفحہ ۹۹ میں پروفیسر دارمشتیٹر کہتا ہے کہ بہمن یشت کی تدوین سنہ ۱۰۹۹ع اور سنہ ۱۳۵۰ع

(باقی بر صفحۂ آیندہ)

بڑھتا - بہر کیف عملاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلوی کو متروک ہوے ایک ہزار سال کا زمانہ گزرا ہے —

فارسی جدید

(۳) دور اسلامی (از سنہ ۹۰۰ع تا ایندم) - جس وقت ہم فارسیٔ جدید کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ فارسی ہوتی ہے جو عربوں کی فتح ایران اور اکثر ایرانیوں کے قبول اسلام کے بعد ملک میں دو بارہ رائج ہوئی - آخری زمانے کی پہلوی اور ابتدائی زمانے کی جدید فارسی میں عربی الفاظ کے علاوہ جو آخرالذکر میں پاے جاتے ہیں، اگر کوئی فرق ہے تو صرف خط کا ہے اور ایران میں اس دور انقلاب یعنی نویں صدی عیسوی میں تبدیل خط کا باعث مذہب ہوا - مشرق میں آج تک یہ عجیب دستور چلا آتا ہے کہ مذہب کے ساتھہ زبان کو اتنا وابستہ نہیں سمجھتے جتنا کہ حروف یا طرز تحریر کو - شام کے عیسائیوں کو دیکھو کہ زبان تو اُن کی عربی ہے لیکن اپنی تحریروں کو لکھتے ہیں سریانی حروف میں اور اسی کو اچھا سمجھتے ہیں - یہ خط "کرشونی" کہلاتا ہے اور اس میں جو تصنیفات ہوئی ہیں، اُن کی تعداد کثیر ہے - یہی حال ترکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹)

کے اندر اندر ہوئی - گُجستک آبالش ایک دلچسپ کتاب ہے، اس کو اے بارتھلیمی نے سنہ ۱۸۸۷ع میں بمقام پیرس ترجمہ اور مرتب کیا - اس کتاب میں ایک پارسی دستور اور ابالش ملحد کا مناظرہ درج ہے، جو خلیفہ مامون کے (سنہ ۸۱۳ سے سنہ ۸۳۳ع) روبرو ہوا تھا - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بظاہر یہ کتاب نویں صدی عیسوی سے قبل کی تصنیف نہیں ہو سکتی —

بولنے والے یونانیوں اور آرمینیوں کا ھے کہ اُن کی مادری
زبان تو ترکی ھے لیکن جب وہ ترکی لکھتے ھیں تو یونانی
اور آرمینی حروف میں - اسی طرح ایران کے یہودی جن کی
فارسی تصنیفات کثرت سے ھیں لیکن تحریرات میں عبرانی
حروف سے کام لیتے ھیں - برخلاف اِن کے، اسپین کے وہ مور جو
عربی کو صفحۂ ذھن سے بالکل مٹا چکے تھے ھسپانوی زبان کے
رسالوں کو عربی حروف میں لکھتے تھے* - مگر ایشیائی نگاہ
میں پہلوی خط کو تعلیم زرتشت سے جو تعلق تھا وہ اس سے
کہیں زیادہ تھا جو عربی حروف اور دین اسلام کے درمیان
قایم کر لیا گیا تھا - اور جب کوئی زرتشتی داخل اسلام ھوتا

ترک پہلوی کے اسباب

تو وہ عموماً پہلوی خط کو ھمیشہ کے لئے خیرباد
کہدیتا - نہ صرف اِس سبب سے کہ پہلوی
رسم الخط حد درجہ مشکل و مبہم تھا بلکہ اس سے کفر کی
بو آتی تھی - اس کے سوا جس زمانے میں پہلوی حروف تحریر
میں استعمال ھوتے تھے تو غالباً عام لوگ نوشت و خواند کے
زیور سے محروم تھے - لکھنا پڑھنا صرف مذھبی مگوپت†،
دستوبر‡ (مقتدایان مذھب) اور پیشہ ور دپیرون یعنی کاتبوں
کے قبضے میں تھا - دستبُرد زمانہ سے بچ کر پہلوی کے تین

---

* کہتے ھیں کہ البُخَرّاز پہاڑ کی وادیوں میں جو کسان
آباد ھیں، وہ آج تک اپنے عشقیہ خطوط میں ایک قسم کا بگڑا ھوا
عربی خط استعمال کرتے ھیں —

† مغ ‡ و دستور

افسانے یا تاریخی ناول جو بجنسہٖ ہم تک پہنچے ہیں* - ان میں سے ایک کا نام کارنامک ارتخشیر پاپکان ؛ ہے یعنی اردشیر ابن پاپک کے کارناموں کی کتاب ہے جو ساسانی خاندان کا بانی تھا - اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اردشیر اعلیٰ تعلیم کے قابل ہوا تو اُس نے کتابت؛ شہسواری اور دیگر کمالات میں وہ ملکہ حاصل کیا کہ فارس کے طول و عرض میں اُس کے نام کی شہرت ہوگئی - فاضل طبری‡ کی

---

* دیگر تالیفات میں ایک تو "کتاب زریر" ہے اور دوسری "قصہ خسرو کوادان اور اس کا خواص" - اول الذکر کو گائگر نے "روئداد جلسہ شعبۂ فلسفیہ لسانیہ و تاریخیہ" بابت ۱۸۹۰ع میں ترجمہ کیا ہے اور نویلدکی نے اس پر "جمیعۃ المشرقیہ (جرمنہ)" جلد ۴۶ صفحہ ۱۳۶ - ۱۴۵ (۱۸۹۲) میں تنقید کی ہے؛ نیز دیکھو "وائنناک رائل اکاڈیمی کی روئداد جلسہ شعبہ فلسفہ تاریخیہ" جلد ۱۲۶ صفحہ ۱ - ۱۲ میں نویلدکی کا مضمون —

† پروفیسر نویلدکی استراسبرگی نے جرمنی زبان میں اس کا ترجمہ کر کے پروفیسر بین فے کے خطاب ڈاکٹر کے پچاسویں سال کی تکمیل کے موقع پر اس کو "مضامین علم السنۂ ہندو جرمنی" جلد چہارم کے علاوہ ایک مستقل رسالہ (گائن جین ۱۸۷۹) کی شکل میں بھی شایع کیا ہے؛ ہمارا حوالہ اسی رسالہ (صفحہ ۳۸؛ ۳۹ اور حاشیہ نمبر ۳ صفحہ اول الذکر) سے متعلق ہے - پہلوی کا متن اصل اور رومن حروف میں مع ترجمہ گجراتی مرتبۂ کیقباد آذرباد نوشیرواں ۱۸۹۶ میں بمقام بمبئی طبع ہوا ہے —

‡ دیکھو انسائیکلو پیڈیا کی نہم ایڈیشن اس میں طبری (اصل نام ابو جعفر محمد بن جریر متوطن آمل علاقۂ طبرستان؛ سن ولادت عیسوی ۸۳۹؛ سن وفات عیسوی ۹۲۳) پر ایک نفیس مضمون موجود ہے - طبری کی ایک ضخیم اور افضل تاریخ کو لیڈن کے پروفیسر

(بقیہ بر صفحۂ آیندہ)

تاریخ میں بھی اردشیر کے بیٹے اور جانشین شاپور کا حال پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ "درر پہلوی" میں کتابت کا سیکھنا کس قدر مشکل تھا - طبری لکھتا ہے "جب شاپور اُس مقام پر پہنچا جہاں وہ شہر "جندے ساپور" کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا تو اُس کو "بیل" نامی اک پیر مرد ملا - شاپور نے اُس سے پوچھا: "کیا میں اس مقام پر شہر آباد کرسکتا ہوں؟" پیر مرد نے کہا: "اگر میں اس بڑھاپے میں لکھنا سیکھ سکتا ہوں تو تجھ کو بھی اجازت ہے کہ یہاں شہر آباد کرلے"- اس کا مطلب جیسا کہ نولدکی نے بیان کیا ہے یہ تھا کہ بڑھاپے میں کتابت کا سیکھنا اور اس جگہ نئے شہر کی بنا ڈالنا دونوں باتیں نا ممکن ہیں (گو کہ بالآخر اُس بڈھے کا خیال غلط نکلا) - مختصر یہ کہ پہلوی خط اس قدر مشکل تھا کہ ایک فرانسیسی کی مشہور تعریف نطق "کہ گویائی اخفاے خیالات کا ایک فن ہے" اُس پر خوب منطبق ہوتی ہے - حقیقتاً اُس میں کوئی خاص بات نہ تھی بلکہ وہ زبان کا ایک عجیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲)

ڈے خویہ اور دیگر ممتاز ماہران عربی نے چھپوا کر ایک مہتم بالشان کام کو انجام دیا ہے - علوم مشرقیہ کا یہ ایک تازہ اور زبردست کارنامہ ہے - تاریخ طبری کے اوس حصے کو جسمیں دور ساسانی سے بحث کی گئی ہے، پروفیسر نولدکی نے جرمنی زبان میں ترجمہ کر کے سنہ ۱۸۷۹ع میں بمقام لیڈن شائع کرادیا ہے - ترجمے کے ساتھ مترجم نے نہایت قیمتی مقدمہ بھی لکھا ہے - مشکل مقامات کی تشریح بھی دی ہے اور ضمیمہ بھی - اس ترجمے کا نام "تاریخ اہل ایران و عرب بعہد حکومت سلاطین ساسانیہ" ہے - اس کے صفحہ ۴۱ میں شاپور کا قصہ تفصیل کے ساتھ درج ہے -

گورکھ دھندا تھا۔ اگر اس کو حمایت مذہب، دستور قدیم اور کتّ ملانی استبداد سے محروم کر دیا جاتا تو اُس کے قیام میں اتنا تنت نہ تھا کہ عربی کے سہل القراءت اور آسان حروف کا مقابلہ کر کے اپنا وجود قایم رکھہ سکتا، خصوصاً جب کہ ایک مسلمان کو عربی حروف سے واقف ہونا لازمی تھا۔ بایں ہمہ یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ پہلوی زبان کی خصوصیت، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، صرف رسم الخط کی خصوصیت تھی۔ ورنہ نویں صدی عیسوی میں اگر ایک پارسی دستور کسی پہلوی کتاب کو بآواز بلند اپنے ہم عصر مسلم ایرانی کو پڑھکر سناتا تو وہ اُس کو تمام و کمال سمجھہ لیتا۔ یا اگر دستور کے پڑھتے پڑھتے مسلمان اُس کو عربی حروف میں لکھتا جاتا تو اِس کی قدیم ترین صورت ہوتی، البتہ عربی الفاظ اس میں نہ ہوتے۔ فی الحقیقت جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے، ساسانی دور سے لیکر اب تک فارسی زبان میں اس درجہ معمولی تغیرات ہوے ہیں کہ اگر آج کل کسی تعلیم یافتہ ایرانی کو دفعةً چودہ یا پندرہ صدي پیچھے لےجانا ممکن ہوتا تو غالباً وہ بہت کچھہ سمجھہ لیتا کہ اُس کے اہل وطن کیا باتیں کر رہے ہیں۔ بخلاف اس کے فارسیء قدیم اور پہلوي میں عظیم الشان فرق ہے۔ اردشیر جو ساسانی عہد کا اول بادشاہ تھا، اور اپنے کمالات کے باعث "فارس کے طول و عرض میں بڑی شہرت رکھتا تھا"، اُلٹے پاؤں سفر کرکے چھہ صدي پیچھے ہٹتا اور ہخامنشی درباروں میں جا گھستا تو اس کی سمجھہ میں ایک حرف نہ آتا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔

ادبیات جدید کی تاریخ آغاز پردۂ حجاب میں ھے، اُس کا نہ کوئی دن معین کیا جاسکتا ھے اور نہ کوئی سن۔ غالباً

جدید فارسی ادب کا آغاز

نو مسلم ایرانیوں میں عربی حروف کا رواج تو فتوحات عرب کے بعد ھی، یعنی آٹھویں صدی میں ھوگیا تھا۔ اس کی ابتدا اس طرح سے ھوئی ھوگی کہ نو مسلم ایرانی اپنی یاد داشتیں عربی حروف میں ٹانک لیا کرتے ھوں گے، اُس کے بعد شعائر اسلام پرچھوٹے موٹے رسالے مرتب کئے گئے ھوں گے۔ متقدمین ادبائے عرب کے صفحوں میں جابجا

فارسی نثر

فارسی اقوال اورمختصر بیانات ملتےھیں، جن سے کم از کم یہ ثابت ھوتا ھے کہ ساسانیوں کے آخری اور مسلمانوں کے شروع زمانے کی قطعاً وھی فارسی ھے جوادبیات جدید کے ابتدائی مرقومات میں نظر آتی ھے۔ کتابوں کے سب سے قدیم نمونے جو اب تک معلوم ھوسکے ھیں، یہ ھیں :—

(۱) [فارسی ترجمۂ تاریخ طبری] اس کووزیر بلعمی نے سنہ ۹۶۳ع میں اپنے فرماں روا منصور اول سامانی کے لئے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا —

(۲) [کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ] از ابو منصور موفق بن علی ھروی۔ یہ کتاب بھی مربیِّ علوم منصور اول کے واسطے لکھی گئی تھی۔اس کا ایک نایاب قلمی نسخہ،جوسنہ ۱۰۵۵ عیسوی میں لکھا گیا تھا اور وائنا میں موجود ھے، سنہ ۱۸۵۹ع میں زیلگ مان نے اس کو نہایت خوبصورت طور پر چھپوایا ھے۔

(۳) [تفسیرالقرآن جلد دوم*] یہ کتاب بھی تقریباً اُسی زمانے کی تصنیف ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں اُس کا نسخہ موجود ہے (نمبر ایم ایم ۱۵۴)۔ اہل نظر نے عام طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ عربی کی مانند فارسی میں بھی نظم کا ظہور نثر سے پہلے ہوا - ایک روایت جس کو متعدد عجمی تذکرہ نویسوں، مثالاً دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے

فارسی نظم

یہ کہتی ہے کہ بہرام گور ساسانی (۴۲۰-۴۳۸ع) اور اُس کی معشوقہ دل آرام† دونوں نے مل کر فارسی کا پہلا شعر ایجاد کیا - ایک دوسری روایت سے جو بارھویں صدی کے اہل قلم ابو طاہر خاتونی کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے، پہلا شعر وہ ثابت ہوتا ہے جو خسرو پرویز (۵۹۰-۶۲۸ع) کی محبوبہ شیرین کے محل قصر شیرین کی دیواروں پر کندہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ دسویں صدی میں عضدالدولہ بویہ کے عہد میں بھی وہ صاف صاف پڑھا جاسکتا تھا‡ - ایک اور روایت ہے کہ فارسی نظم کی پہلی تصنیف وامق و عذرا کی دل آویز

---

* دیکھو ہمارا مضمون " فارسی میں ایک پرانی تفسیر " یہ سنہ ۱۸۹۴ع ۵ جولائی کے جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۴۱۷-۵۲۴ میں ملیگا، نیز کیمبرج یونیورسٹی کی فہرست مخطوطات صفحہ ۱۳ سے ۳۷ تک جوراقم نے مرتب کی ہے —

† دیکھو دولت شاہ مرتبہ راقم صفحہ ۲۸-۲۹ نیز بلاک مین کی کتاب موسومہ " ایرانیوں کا علم عروض صفحہ ۲ اور دارمشٹیٹر کی "فارسی نظم کی ابتدا " کا صفحۂ اول -

‡ کازیمیرسکی کا مرتبہ دیوان منوچہری (سنہ ۱۸۸۶ع مطبوعۂ پیرس) کے صفحہ ۷ اور تذکرۂ دولت شاہ صفحہ ۲۹ -

داستان ہے - دانشمندان عجم نے نوشیروان (۵۳۱ - ۵۷۹ ع) کے لئے اُس کو لکھا اور اُس کے نام سے معنون کیا تھا، جب یہ کتاب امیر عبداللہ بن طاہر (المتوفی سنہ ۸۴۴ ع) کے سامنے پیش کی گئی تو امیر نے حکم دیا کہ اُسے تلف کردیا جائے اور کہا ایک سچے مسلمان کے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں، یہ تصنیف کسی آتش پرست کی ہے اور ہمارے نزدیک مردود ہے* یہ بحث یہاں بھی ختم نہیں ہوتی، دولت شاہ ایک اور قصہ بیان کرتا ہے کہ سلسلۂ صفاریہ (سنہ ۸۶۸ - سنہ ۸۷۸) کے بانی یعقوب ابن لیث صفّار کا ایک کمسن بچہ تھا، وہ ایک دن جوز بازی میں مصروف تھا کہ جوش مسرت میں کچھ کلمات اُس کے منھ سے نکلے جو موزوں تھے - بعض اسی کو فارسی شاعری کی بنیاد سمجھتے ہیں - محمد عوفی (۱۲۱۰ - ۱۲۳۵ ع) ان تمام روایتوں کو غلط ٹھیراتا ہے اور اپنی کتاب تذکرۃ الشعراء‡

---

* کازیمیرسکی صفحہ ۶ - ۷ اور دولت شاہ صفحہ ۳۰ - شایع کردہ کازیمیرسکی —

† ملاحظہ ہو شتائن کے "قصاید منوچہری" مطبوعۂ پیرس سنہ ۱۸۸۶ صفحہ ۷ - ۸ اور دولت شاہ مرتبۂ راقم صفحہ ۳۰ - ۳۱ —

‡ یعنی "لباب الالباب" جو ایک بالکل نایاب کتاب ہے؛ جہاں تک معلوم ہوسکا ہے اس کے صرف دو نسخے ملتے ہیں، جن میں ایک (اسپرنگر ۳۱۸، فہرست پرش نمبر ۶۳۷) کتب خانۂ برلن میں موجود ہے اور دوسرا لارڈ کرافورڈ اور بال کیرس کے قبضے میں تھا، اِن دونوں صاحبوں کی فیاضی سے دوسرا نسخہ جو دُرِ بے بہا ہے ہمارے پاس آگیا ہے اور ہم اِس فکر میں ہیں کہ اُسے "تاریخی متون فارسی" کے سلسلے میں شائع کریں -

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

میں جو باعتبار قدامت سب سے پہلا تذکرہ ہے، لکھتا ہے: کہ عباس، مروزی کا قصیدہ فارسی کی سب سے پہلی نظم ہے۔ یہ قصیدہ مامون رشید کی شان میں کہا گیا تھا، جب کہ وہ سنہ ۸۰۹ ع میں مرو میں داخل ہوا تھا۔ بلکہ عوفی اس نظم کی چند ابیات بھی نقل کرتا ہے۔ گو کہ بعض مسلّم الثبوت * اہل فن عوفی کے قول کو ایک تاریخی واقعے پر مبنی سمجھتے ہیں، مگر بعض لوگ† اِس پر شبہ کی نگاہ ڈالتے ہیں اور ہمارے نزدیک اُن کا شبہ بجا ہے۔ بلا خوف اب جو کچھ کہہ سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ خراسان میں فارسی ادب، بالخصوص فارسی نظم کو دسویں صدی کے نصف اوّل، اور خاصکر سامانی شہزادے نصر دوم (۹۱۳ - ۹۴۲ ع) کے عہد حکومت میں بہت کچھ فروغ ہو چکا تھا۔ یہ مدت تقریباً ایک ہزار سال پر پھیلتی ہے۔ اس عرصے میں فارسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷)
یہ نسخہ پہلے جون بارڈ الیٹ کی ملکیت تھا، اس سے نے تھی ٹی ال بلینڈ نے مستعار لیکر کتاب کے عنوانات اور حد موضوع کو جدرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۸۴۶) جلد نہم صفحہ ۱۱۱ - ۱۲۶ میں بیان کیا، نیز دیکھو "فہرست کتبخانہائے شاہ اودھ" مرتبۂ اسپرنگر صفحہ ۱ - ۹ —

* مثلاً دیکھو ڈاکٹر ایتھے کا مضمون "رود کی کے پیشرو اور معاصر" (جو مجلد تحقیقات شرقیہ سنہ ۱۸۷۳ میں شائع ہوا تھا) نیز دیکھو مضمون "ادبیات جدید فارسی" جو کتاب "فارسی زبان کی اصلیت" گائیگرو کہن جلد دوم صفحہ ۲۱۸ میں شامل ہے —

† مثلاً کازمی مرسکی کا دیوان "منو چہری" صفحہ ۸ - ۹ —

زبان پر تبدیلی کا رنگ اس قدر ہلکا چڑھا کہ آج رودکی کا کلام ایک ایرانی کے لئے ایسا ہی آسان ہے، جیسا کہ شکسپیر کا ایک انگریز کے لئے - باقی شعر کی ابتدا پر مدعیان ادب نے جو کچھہ خیال آفرینی کی ہے وہ تنقید پر ایک افسانہ بن کر رہ جاتی ہے اور بے وقعتی میں اُس کا مرتبہ وہی ہے، جو طبری (متوفی سنہ ۹۲۳ ع) اور مسعودی (متوفی سنہ ۹۵۷ ع) جیسے محتاط مورّخین کے اِس خیال کا کہ دنیا کی سب سے پہلی نظم جناب آدمؑ کا مرثیہ ہے، جو انھوں نے ہابیل کے قتل پر بزبان سریانی موزوں کیا تھا - ان حضرات نے اپنی اپنی تصنیفات میں اِس مرثیہ کا منظوم * ترجمہ بھی دے ڈالا ہے : —

تغیرت البلاد و من علیہا
و وجہ الارض مغبّر قبیح
تغیر کُل ذي طعم و لون
و قل بشاشۃ الوجہ الملیح
فوا اسفی علی ہابیل ابنی
قتیل قد تضمنہ الضریح
وجاورنا عدو لیس ینسی
لعین لا یموت فنستریح

---

* دیکھو تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۱۴۶ - مروج الذہب مسعودی (مرتبۂ باربی ایر ڈے می نارڈ) جلد اول صفحۂ ۶۵ - ۶۷ قصص الانبیا ثعلبی (مطبوعۂ قاہرہ سنہ ۱۳۰۶ ھ) صفحہ ۲۹ - ۳۰ اور دولت شاہ (مرتبہ براؤن) صفحہ ۲۰

"دنیا اور دنیا کی سب چیزیں بدل گئیں زمین کی سطح پر خاک اُڑتی ہے اور اُسپر افسردگی چھاگئی چیزوں کا مزہ اور رنگ پھیکا پڑگیا اور اِس خوبصورت چہرے کی خوبیاں مٹ گئیں - پیارے بھتیجے ہابیل کی موت پر افسوس رہ نہ رہا، قتل ہوا اور زمین کا پیوند ہوگیا - وہ ناہنجار درگاہ ایزدی سے مردود اور ہمارا پڑوسی ہے نہ تو ہمیں اسے بھول سکتے ہیں، نہ وہ مرتا ہے نہ ہم کو چین آئے" -

جب ابلیس نے یہ سنا تو تڑپ کر جواب دیا :—

تنح عن البلاد و ساکنیها
ففی الفردوس ضاق بک الفسیح
و کنت زوجک الحواء فیها
و آدم من اذی الدنیا مریح
فما زالت مکائدتی و مکری
الی أن فاتک الثمن الربیح
فلولا رحمة الرحمن اضحی
بکفک من جنان الخلد ریح

(مسعودی، دولت شاہ)

"دنیا اور اہل دنیا سے دور بھاگ، میں نے تجھ کو بہشت سے نکالا، جہاں تو اور تیری بیوی حوا آرام سے مقیم تھے، تیرا دل بہک گیا تھا، تونے دنیا کے آلام کی پروا نہ کی اور میرے دام میں آگیا - میں نے تجھ سے وہ گوہر نایاب چھین لیا، جس پر تجھ کو ناز تھا - خدا کی رحمت نے تم کو بچا لیا

ورنہ باغ خلد کی بجائے تم باد بدست ہوتے"

مقالات بالا سے قطع نظر کر کے ہم ایک اور روایت کی طرف آتے ہیں - عجب نہیں کہ فارسی نظم کی ابتدا پراس سے کچھہ روشنی پڑے ' یہ روایت بار بد ترانہ گوکی بابت اور اِس لائق ہے کہ اُس پر متانت کے ساتھہ غور کیا جاے - اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی عہد میں فارسی نظم وجود میں آچکی تھی - روایت بار/بدی کو ہم دو سبب سے اہم سمجھتے ہیں' ایک تو یہ کہ اُس کا ذکر معتبر قدما* نے پے درپے کیا ہے اور دوسرے یہ کہ بار بد کا نام

باربد مطرب ساسانی سنہ ۵۹۰- ۶۲۷ ع

---

* عربی تصانیف میں بہلبد کا قدیم ترین حوالہ راقم نے خالد بن فیاض (قریب ۷۱۸ ع) کی ایک نظم میں دیکھا ہے' جسے ہمدانی' یا قوت اور قزوینی نے نقل کیا ہے اور جنرل رائل ایشیاتک سوسائٹی بابت جنوری ۱۸۹۹ ع صفحۂ ۵۹ - ۶۰ میں ترجمہ ہوا ہے' اُس کا کم و بیش حال ذیل کے ارباب قلم نے لکھا ہے:-

(۱) ابن قتیبہ (المتوفی ۸۸۹ع) عیون الاخبار (نسخۂ موجودۂ ایشیاتک میوزیم سینٹ پیٹرس برگ نمبر ۶۹۱)—

(۲) جاحظ (متوفی ۸۶۹ع) کتاب الحیوان (نسخۂ موجودۂ کیمبرج ڈبل کیو ۲۲۴)—

(۳) ہمدانی (صاحب کتاب البلدان) (قریب ۹۰۳ ع) مرتبۂ ڈخویہ (صفحہ ۱۵۸ و ۱۵۹) —

(۴) جو غالباً بیہقی ہے مصنف کتاب المحاسن والاضداد (قریب ۹۲۵ع) (مرتبۂ فان فلوٹن صفحہ ۳۶۳-۳۶۴) طبع مصر سنہ ۱۳۲۴ ' صفحہ ۲۳۶) —

(۵) ابن عبد ربہ (متوفی ۹۴۰ع) جلد اول صفحہ ۱۹۲ یا دوسرے اڈیشن کا ص ۱۸۸

باقی بر صفحۂ آئندہ)

عربی اور فارسی میں جس فرق کے ساتھہ لکھا ہوا ملتا ہے ، اُس کی توجیہ اِس کے سوا مشکل سے ہو سکتی ہے کہ اِسی نام کی عربی اور فارسی دونوں صورتیں پہلوی صورت سے منقول ہیں۔ روایت یوں ہے کہ خسرو پرویز ساسانی (سنہ ۵۹۰ - سنہ ۶۲۷ ع) کے ارباب کمال میں اک مطرب تھا ، جس کو ایرانی بار بد اور عرب بہلبد ، بلہبد یا فہلبد لکھتے ہیں - عربی کی پہلی اور تیسری صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی کی اصل صورت پہاپت پیدا ہوگئی - بہلبد اور بار بد کو عربی میں لکھیں تو دونوں لفظ الگ معلوم ہوتے ہیں ، لیکن پہلوی خط میں لکھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱)

(۶) ابو فرج اصفہانی (متوفی ۹۵۷ ع) کتاب الاغانی - طبع ہانی جلد ۵ صفحہ ۵۴) —

(۷) یاقوت (متوفی ۱۲۲۹ع) جلد سوم صفحہ ۲۵۰ وغیرہ —

(۸) قزوینی (متوفی ۱۲۸۳ع) آثار البلاد (صفحات ۱۵۴—۱۵۵— ۲۳۰-۲۳۱—۲۹۵-۲۹۷) —

فارسی لکھنے والے اہل قلم میں اِن صاحبوں نے بہلبد کا ذکر کیا ہے :—

(۹) شریف مجلدی (تاریخ مشتبہ ، مذکور چہار مقالہ نظامی عروضی ، سمرقندی —

(۱۰) فردوسی (المتوفی قریب ۴۱۵ ھ) شاہنامہ —

(۱۱)نظامی گنجوی (المتوفی قریب ۱۲۰۳ ع) خسرو و شیریں —

(۱۲) نظامی عروضی سمر قندی (متوفی قریب ۱۱۶۰ ع) —

(۱۳) محمد عوفی (قریب ۱۲۲۸ ع) —

(۱۴) حمداللہ المستوفی قزوینی (قریب ۱۳۴۰ع) تاریخ گزیدہ —

اس کے بعد والے نوٹ میں ہم نے جس مضمون کا نام درج کیا ہے اُس میں حوالہ جات بالا میں سے اکثر مفقود ہیں - ان کی طرف ہماری توجہ بیرن فان روزن (سینٹ پیٹرز برگ) نے مبذول کی ، جس کے لئے ہم صاحب موصوف کے ممنون ہیں —

تو دونوں کی صورت میں کوئی فرق نہ ہے گا، کیوں کہ پہلوی میں اول تو (الف) اور (ہ) اِن دونوں کی آوازوں کے لئے ایک ھی حرف ہے اور دوسرے (ر) اور ل) کے لئے بھی دو مختلف حروف نہیں ھیں - پہلوی حروف تہجّی نے اِن دو آوازوں میں کوئی اُمتیاز نہیں رکھا، اس لئے (بار بد) کو پہلوی میں بار بد) بھی پڑھ سکتے ھیں اور (بہلبد)بھی - پس فارسی بار بد اور عربی بہلبد کا باھمی فرق (یعنی باربد میں جہاں (ا - ر) ھے وھاں بہلبد میں ہ، ل، ھے) ایک زبردست ثبوت ھے کہ فارسی اور عربی کی دونوں صورتوں کا اصل ماخذ پہلوی لفظ ھے، جو فارسي و عربي میں دو مختلف ھیئتیں اختیار کرلیتا ھے - اب یہ کہدینے میں کوئی دشواری نہ ھوگی کہ عربی اور فارسی میں بار بد کی بابت جتنی روایتیں درج ھیں، وہ ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں ھیں، بلکہ وہ ھم کو پیچھے دھکیل کر کسی ایسی پُرانی کتاب کی طرف لے جاتی ھیں جو یا تو خود پہلوی میں، یا زمانۂ تصنیف کے لحاظ سے دور پہلوی کی تصنیف ھوگی - اس بار بد (سہولت کے لئے ھم نے اس نام کی موجودہ فارسی صورت اختیار کرلی ھے مگر جہاں عربی کا حوالہ آئیگا وھاں عربی صورت درج کرینگے) اور رودکی میں جیسا کہ ھم کسی اور مقام پر دکھا چکے ھیں، اِس قدر مشا بہت * پائی جاتی ھے

---

* ھمارا مضمون جو سنہ ۱۸۹۹ع میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جلوری نمبر میں چھپا تھا اُس کو صفحہ ۳۷ - ۶۹ میں دیکھو- یہ مضمون ذیل کے عنوانات پر تھا - ''دولت شاہ کے ماخذ'' ' ایران کی تاریخ ادبیات کے لئے کیا کیا سواد موجود ھے '' - اور'' باربد و رودکی پر ایک نظر '' -

کہ خیال کو حیرت ہوتی ہے - رودکی دسویں صدی ہجری کے آغاز میں گزرا ہے اور تخت سامانیہ سے وابستہ تھا - طبقۂ قدیم کے ایک شاعر شریف مجلدی گرگانی نے بھی اِن دونوں کا ایک ساتھہ ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے : —

ازاں چندیں نعیم جاودانی
کہ ماند از آل ساسان و آل سامان
ثناے رودکی ماندہ است و مدحش
نوائے باربد ماندہ است ودستان

"خاندان ساسان اور آل سامان نے جس قدر یادگاریں چھوڑیں، اُن میں سے آج کے دن کچھہ بھی باقی نہ رہا، مگر رودکی کے قصیدے اور باربد کے ترانے اور افسانے -"

رودکی کے حالات زندگی، متعدد تذکروں میں ملتے ہیں اور ہر ایک تذکرے میں تسلیم کرلیا گیا ہے کہ رودکی کا ممتاز ترین کارنامہ وہ ترانہ ہے، جس کو اُس نے امیر نصربن احمد سامانی کے سامنے برجستہ موزوں کیا اور رہیں گا کر سنایا - اِس کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ امیر نصر چار سال سے ہرات اور اُس کے گرد و نواح میں پڑا ہوا شادابی ملک کے مزے لوٹ رہا تھا اور اپنے وطن بخارا کو واپس جانے کا نام تک نہ لیتا تھا - رودکی سے سپاہ نے انعام کے وعدے پر فرمائش کی کہ وہ بادشاہ کو چلنے پر اُبھارے - اشعار کی سادگی اور عدم حسن و ترصیع پر ہر ایک نقاد سخن کی نظر پڑی ہے - بعض تو (جیسے نظامی، عروضی، سمرقندی)

اِن کو قابل ستائش کہتے ھیں اور بعض لائق مذمت اور حیرت کرتے ھیں کہ اِس قدر سادے اور پھیکے الفاظ نے امیر پر کس طرح جادو کر دیا - فی الحقیقت یہ ترانہ ایک سادہ گیت ھے؛ اُس کو اُس نظم سے کوئی نسبت نہیں، جس کا انداز بیان تصنع آمیز ھوتا تھا اور اسلامی علوم کے انحطاط کے زمانے میں جس کو دولت شاہ نے دیکھا تھا، سرمایۂ کمال سمجھا جاتا تھا - چنانچہ دولت شاہ ناراض ھوتا ھے کہ "اگر سلاطین اور اُمراء کے دربار میں رودکی کے انداز پر کوئی نظم سنائیے تو چاروں طرف سے نفرین کی بوچھاڑ ھو جائے "- اِس میں شک نہیں کہ سادگیء سخن میں رودکی نے اپنی خوش الحانی اور کمال موسیقی سے برق گرمی پھونکدی ھوگی - نظم یہ ھے :--

بوئے جوئے مولیاں آید ھمی	یاد یار مہربان آید ھمے
ریگ آموی و درشتیہائی او	پائے مارا پرنیان آید ھمے
آب جیحون باشگر فیہائے او	خنگ شہ راتاعناں آید ھمے
اے بخارا شاد باش و شادزی	شاہ نزدت شاد مان آید ھمے
شاہ ماہ ست و بخارا آسمان	ماہ سوے آسمان آید ھمے
شاہ سرو ست و بخارا بوستان	سرو سوئے بوستان آید ھمے

نظامی عروضی جو اس روایت پر سب سے قدیم سند ھے، بیان کرتا ھے کہ "جب رود کی آخری شعر پر پہنچا تو امیر سامان کا تخیل بھڑک اُٹھا، وہ تخت سے فوراً اُتر پڑا، پہرے والے کا گھوڑا لیا اور گھوڑے کو اس زور سے بخارا کی جانب دوڑایا کہ خدام دو فرسنگ (یعنی بروزنہ) تک اُس کے موزے

ہاتھ میں لئے دوڑتے رہے- برونہ پر امیر موزے پہنکر پھر چلا اور بخارا پہنچکر دم لیا - رودگی کو سپاہ نے بجائے پانچ ہزار معہودہ کے دس ہزار دینار انعام میں دیے "—

یہ روایت بتاتی ہے کہ رودگی نہ صرف شاعر تھا بلکہ حاضر گو' بربط نواز اور نواساز بھی تھا - ایران میں اس قماش کے قوال آج تک موجود ہیں جو شاعری بھی کرتے ہیں اور گاتے بجاتے بھی ہیں - کوئی بزم عیش ایسی نہیں ہوتی جہاں ان کی " تصانیف " یعنی واقعات حاضرہ کے مخصوص ترانوں سے کان محظوظ نہ ہوتے ہوں - رودگی' جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے' ایام سامانی کے اُس بار بد یا بہلبد سے بھی مشابہ ہے جس کی شخصیت پردۂ قدامت میں دھندلی سی نظر آتی ہے - بار بد اُن اصحاب عشرہ میں تھا جو خسرو پرویز کے دربار سے متعلق اور بخیال اہل عجم اپنے اپنے فن میں ید طولی رکھتے تھے - اس کا اصل کمال یہ تھا کہ جب پرویز سے کوئی بات کہنی ہوتی' جس کو خشم سلطانی کے خوف سے زبان پر لاتے ہوے درباریوں کی روح کانپتی تھی تو بار بد اُس کو بڑے حسن کے ساتھ گیت کے پردے میں بادشاہ کو سنا جاتا - چناں چہ روایت ہے کہ پرویز کا ایک گھوڑا تھا شبدیز نام' حسین و ذہین' بادشاہ کو اُس سے محبت نہ تھی' عشق تھا اور اُس نے عہد کیا تھا کہ جو شخص مجھے اُس کی موت کی خبر سنائیگا اُس کا سر قلم کردوں گا - اتفاق سے گھوڑا مر گیا میر اسپ بہابد کے پاس آیا اور اُس سے بصد التجا کہا کہ وہ اس خبر کو بادشاہ کے کانوں تک پہنچادے - بادشاہ نے راگ

میں مرگ شبدیز کے اشاروں کو پایا تو وہ تاڑ گیا اور اُس نے بدحواس ہو کر کہا: "تجھ پر غضب ہو، شبدیز مر گیا"۔ مطرب نے جواب دیا " یہ کلمات حضور کے ہیں -" اس ترکیب سے بہلبد نے اپنی آت بیگی کی جان بچائی اور بادشاہ کے عہد کو توڑدیا - اِس قصے کو خالد بن فیاض نے جو عرب تھا اور خسرو پرویز کے سو برس بعد ہوا ہے، ایک نظم میں اس طرح باندھا ہے:—

والملک کسریٰ شہنشاہ تقنصہ
سھم بریش جناح الموت مقطوب
اذ کان لذتہ شبدیز یرکبہ
وغنج شیرین والدیباج والطیب
بالنار آلیٰ یمیناً شد ماغلظت
ان من بدافنعیٰ الشبدیز مصلوب
حتیٰ اذا اصبح الشبدیز منجدلاً
و کان ما مثلہ فی الناس مرکوب
ناحت علیہ من الاوتار اربعۃ
بالفارسیۃ نوحاً فیہ تطریب
ورنم الھربد الاوتار فالتھبت
من سحر راحتہ الیسریٰ شآبیب
فقال مات، فقالوا انت فہت بہ
فاصبح الحنث عنہ و ھو مجذوب
لو لا البلھبد والاوتار تندبہ
لم یستطع نعی شبدیز المرازیب

ن البھلبند الوتر (یاقوت)

اخنی الزمان علیهم فاجرهد* بهم
فما تری منهم الا اهلا عیب

(آثارالبلاد ۲۳۱ ، و معجم البلدان زیر شبداز)

" اور شہنشاہ خسرو بھی موت کی زد سے نہ بچ سکا جب کہ وہ شیریں کی زاہد فریبیوں میں سرشار، خوشبوؤں کی مہک سے مست تھا، اپنی خوابگاہ اطلاس کے بچھو نے پر لیٹتا ہوا شبدیز کا جو اُس کے لئے باعث ناز تھا، موجب شرف تھا، خواب دیکھ رہا تھا تو موت کے ترکش سے ایک تیر جدا ہوا اور اس کے آلگا - یہ وہی گھوڑا تھا کہ پرویز نے اپنے معبود آتش کو سامنے رکھ کر عہد استوار کیا تھا کہ جو اس کی موت کی خبر مجھکو سنائیگا اُس کا مرکب صلیب ہوگی، اور وہ موت کے پہلو میں تڑپ تڑپ کر دم توڑیگا- ایک دن صبح کو اجل نے یکبارگی شبدیز کو آگھیرا اور اس کا کام تمام کردیا - آدم ؑ سے تا ایندم نہ ایسا گھوڑا پیدا ہوا اور نہ ہوگا—

شبدیز کی موت پر چار تاروں نے فارسی میں بے تاب کرنے والا نوحہ بلند کیا مطرب (باربد) نے تاروں کو مترنم کیا، اور اُس کے دائیں ہاتھ کے جادو سے غم کی آگ بھڑک اُٹھی، بادشاہ اس کے اشاروں کو سمجھ گیا اور چیخ کے بولا " کیا میرا شبدیز مرگیا ؟ " - حاضرین نے جواب دیا، " یہ جہاں پناہ کا قول ہے "—

اس عہد کے اور بھی شاعران مطرب† کا پتہ چلتا ہے، مگر اُن کا حال ان کے نام سے آگے نہیں بڑھتا- آفرین، خسروانی، ماذر استانی‡

---

* اجرهد = تیز چلا - † عقدالفرید طبع ج ۱ صفحہ ۱۵۳) پر یوسف المغنی استاد باربد کا ذکر آیا ہے— ‡ بیہقی کتاب المحاسن مرتبۂ (فلوتن) صفحۂ ۳۶۳—

اور مشہور بربط نواز سکیسہ* - یہ لوگ باربد سے بھی زیادہ مفقودالحال ہیں، حتی کہ اُن کے ترانوں کی آواز بازگشت بھی ہم تک نہیں پہنچتی - تاہم یہ کہنا سراسر ستم ہوگا کہ ساسانی درباروں اور کیانی ایوانوں میں راگنیوں نے دلوں کو نہیں لبھایا تھا جب کہ ہم کو معلوم ہے کہ اُن کی ہلکی ہلکی آواز اسلامی دور میں بھی سنائی دی - مزید بریں اگرچہ فارسی حال کی شاعری کا تمامتر قالب عربی اجزا سے تیار ہوا لیکن بعض اصناف شعر خصوصاً رباعی اور مثنوی یک قلم ایرانی ہیں- نظم افسانہ کی بابت دارمشتیٹر† کا خیال ہے کہ وہ ہخا منشی دور میں تھی، مگر ہم اس مسئلے کو بے حد مشتبہ سمجھکر اپنی بحث سے ساقط کئے دیتے ہیں-

زیادہ وسیع نظر فارسی زبان اور حکومت ایران کو اب تک تو ہم محدود نظر سے دیکھہ رہے تھے، اب ہم چاھتے ہیں کہ اِس نظر کو وسیع کریں تاکہ ایران کی پوری قوم اور اُن کےعلمی دفینے ہماری بحث میں آجائیں- مگر نیرنگیٔ روزگار سے یہ میدان پہلے سے بھی زیادہ سنگلاخ اور مسائل بہ نسبت سابق کے زیادہ پیچیدہ ہیں، لہذا اُن کا حال بھی نا قابل اعتبار اور قیاسی ہوگا—

تاجداران ایران کے سب سے قدیم خاندان ہخا منشی نے، جس کے بیان سے ہم نے اپنی تاریخ کا آغاز کیا ہے، اہل میڈیا

---

* خسرو و شیریں " نظامی گنجوی"

† فارسی نظم کی ابتدا، صفحہ ۱۲ از دارمشتیٹر مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۸۷ عیسوی —

دولت میڈیا کے زوال پر عروج پکڑا، جو شوکت و صولت میں ہخامنشیوں سے کسی طرح کم نہ تھے اور یورپ میں نہایت قدیم زمانے سے ایرانیوں کے ساتھ ملائے جاتے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ موجودہ خیال کے لحاظ سے اہل میڈیا اہل ایران ہیں، لیکن جنوب ایران کے نہیں، بلکہ غربی ایران کے، جن کا مرکز اور پایہ تخت اکبتانہ (جو قدیم فارسی کتبات میں "ہگمتانہ" آیا ہے اور آج کل "ہمدان" کہلاتا ہے) تھا نہ کہ پرسی پوس (ساسانی استخر) جو شیراز کے قریب فارس کا مشہور شہر ہے۔ میڈیا کی حدود اربعہ ٹھیک ٹھیک تو نہیں بتائی جاسکتی، ہاں بظاہر دیکھیں تو وہ شمال میں آذر بائیجان (اترو پتینی) کے پہاڑوں سے شروع ہوکر جنوب کی طرف خزستان (سوسیانہ) میں ختم ہوتی اور مشرق میں کوہ زگرس (جبل طاق) سے چل کر موجودہ طہران، اصفہان کی سڑک سے آ ملتی تھی۔ اس کا شمال مشرقی حصہ ایک جانب کو اس طرح نکلا ہوا تھا کہ اس میں مازندران کا پورا ملک یا اس کا ایک حصہ آگیا تھا۔ بالفاظ دیگر اس میں کردستان، لورستان، شمالی خزستان، مغربی عراق عجم اور جنوبی آذر بائیجان داخل تھا۔ اس عظیم‌الشان ملک کے کوہستانی علاقے سے دولت میڈیا کا آفتاب طلوع ہوا تھا۔ لیکن جس سرزمین کو میڈیا کہتے تھے۔ وہاں یہ نام لفظ "پرشیا" کے مثل آج ناپید ہے۔ تاہم دے لے گارد اور اولس ہاوزن کی تحقیق کے مطابق مسلمانوں کے زمانے تک بھی ماہ (قدیم ایرانی مادہ) کی شکل میں زبانوں پر جاری رہا اور شہروں کے ناموں کے ساتھ

بھی استعمال ہوا - مثلاً ماہ کوفہ' ماہ بصرہ' ماہ نہاوند*—

تاریخ میڈیا کے ماخذ | شومی بخت سے ایرانیوں کے برعکس اهل میڈیا نے اپنے کارناموں کا کوئی قلمبند سرمایہ نہ چھوڑا - اس لئے اُن کی بابت جو کچھ بھی لکھا جائیگا اُس کا دار و مدار دوسری قوموں کی تاریخ پر ہوگا ' بالخصوص آسوری' یہودی اور یونانیوں کی تاریخ پر جن کو اس قوم کا علم بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ —

آسوری حوالہ | تلگت پلاسر (قریب سنہ ۱۱۰۰ قم) کے ایک کتبے میں درج ہے کہ میڈیا کا پایہ تخت ہمدان (امدانہ) ایک محکوم شہر† تھا - اس کا ذکر حضرت عیسیٰ سے نوسو سال پیشتر کے ایک اور کتبے میں بھی آیا ہے ' سلمناسر سرجون (سنہ ۷۳۱ - سنہ ۷۱۳ قم) بھی ایک مقام پر فخر کے ساتھہ کہتا ہے کہ میں نے دور و دراز میڈیا میں اپنا سکہ بٹھا دیا تھا - سرجون کا جا نشین سنحرب اور اُس کے علاوہ الیسرهدون (سنہ ۶۸۰ - سنہ ۶۶۹ قم) بھی میڈیا کا ذکر کرتا ہے —

یہودی حوالہ | ۲ سلاطین ۱۷ - ۶ کے مطالعہ سی معلوم ہوتا ہے کہ هوسیع (سنہ ۷۲۲ قم) کے نہم

---

* مگر ۱۷۰۰ عیسوی میں ماہ اور فارسی مادہ کا ایک لفظ ہونا ثابت ہوچکا تھا - اس تحقیقات کا شرف و هیلاک کے شاگرد اور کیمبرج کے مشہور عالم ڈاکٹر هائڈ کو حاصل ہوا ' جو بعد میں اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عبرانی معلم لاڈین پروفیسر عربی اور بوڈلین لائبریری کا مہتمم ہوگیا تھا— (دیکھو "تاریخ مذهب" مرتبہ ۱۷۶۰ صفحہ ۴۲۳)

† ایشی گل ایران قدیم کے حالات ج دوم ص ۲۴۶ —

سن جلوس میں تاجدار آسوری نے شہر سمرون پر قبضہ کیا اور بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے اپنے ملک میں لے گیا - وہاں پہنچکر اُن کو دریائے جوزان کے کنارے خلخ اور خابور میں اور میڈیا کے شہروں میں بسایا - اس واقعے کا اعادہ سلاطین کے باب ۱۸ آیت ۱۱ میں + بھی کیا گیا ہے —

یونانی حوالہ هرودوتس-تی سیاز

یونان کے تین مشہور تاریخ نگاروں میں جو اِس دور کے خاص ماخذ هیں، سب سے پہلے هرودوتس کا ذکر کرنا چاهئیے ، کیونکہ اول تو یونانی کتبوں سے اُس کی صحت نگاری کی شہادت ملتی ہے ، دوسرے اِس وقت صرف اُسی کی تاریخ پوری موجود ہے - هرو دوتس کے بعد تی سیاز کا نمبر ہے، جو پانچویں صدی قبل مسیح میں موجود اور اردےشیرثانی من کا حکیم تھا - اُس کا بیان ہے کہ میری معلومات کا ماخذ ایران کی خاص سرکاری تحریریں هیں - اِس بیان سے کم‌از کم یہ سراغ لگ جاتا ہے کہ ایرانی دربار میں اِس قسم کی تاریخی مرقومات موجود تھیں، جن کا حوالہ کتاب آستر باب ۶ آیت ۱ میں بھی آیا ہے کہ بادشاہ آخسویرس کی نیند اچاٹ ہوگئی تھی اور اُس نے شاهی تاریخ ناموں کو منگواکر (باب ۲ آیت ۲۳) بگتانا اور ترش کی سازش کا حال اپنے روبرو قلمبند کرایا - سازش آخسویرس کے قتل کے لئے کی گئی تھی، لیکن اِسے مردکی نے طشت ازبام کردیا تھا - تی سیاز کی

+ لویلڈ کے "تاریخ ایران" پر مضامین (لیپ زگ ۱۸۸۷ ع صفحہ ۵) —

تاریخ پر یہ الزام لگائے جاتے ھیں کہ وہ ایرانی نوشتوں کو اچھی طرح سمجھتا نہ تھا یا وہ سمجھتا تھا لیکن اُس نے دیدۂ و دانستہ اُن کو بدلدیا یا یہ کہ وہ خود محرف اور غلط تھے۔ (تحریف و غلط بیانی کی نظیریں موجودہ زمانے میں بھی پائی جاتی ھیں اس لئے وہ قرین قیاس ھوسکتی ھے) اِن میں سے خواہ کوئی خیال صحیح ھو اور کوئی غلط لیکن اس کی تاریخ کی نسبت عام بے اعتباری پھیلی ھوئی ھے اور وہ ھے بھی ٹکڑے ٹکڑے' جو مورخین متاخر مثلاً فوتی آس (۸۲۰-۸۹۱ع) کی کتاب میں ملتے ھیں—

بروسس

تیسرا بروسس ھے جو ایک کلدانی کاھن تھا۔ اس نے سکندر اور اُس کے قریبی جانشینوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ شام کے فرمانروا انطیاخس کے ایماء سے اُس نے اپنے ملک کے حالات یونانی زبان میں ترجمہ کیے تھے۔ مگر اُس کا ترجمہ بھی پارہ پارہ ھوگیا۔ جو کچھ بچا اُس کو حضرت عیسیٰؑ کے ایک صدی پہلے کے تاریخ نگاروں "پولی ھستور" اور "اپولودورس" نے اپنے ھاں نقل کیا اور اُن سے "یوسی بی آس" اور "یسن کی لس" تک پہنچا—

دیوکسیز

ھرودوتس کے بیان کے مطابق سب سے پہلی قوم جس نے ۵۲۰ برس محکوم رھنے کے بعد آسوری تاج سے آزادی حاصل کی وہ اھل میڈیا تھے۔ یہ واقعہ سنہ ۷۰۰ق‌م کا ھے۔ اِس کے ایک یا دو سال بعد "دیوکسیز" نے جو "ھرودوتس" کی ترتیب کے مطابق اول کے چار میں پہلا بادشاہ ھے' میڈوی تاج سر پر رکھا۔ سنہ ۷۱۵ ق‌م کے ایک آسوری بیان میں ھے کہ

"ایک شخص دیکو (= ڈیوکسیز) اسیر کرلیا گیا تھا اور سنہ ۷۱۳ قم میں آسور کے بادشاہ سرگون نے ڈیوکسیز کی مملکت پر تسلط کیا"- سنہ ۷۴۶ قم فراورتیز (فراورتیش' قدیم کتبات عجم میں) جانشین تخت ہوا- اُس نے اپنے ملک میڈیا کو قبضے میں کیا اور سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ اہل فارس پر بھی چھا گیا- اس کے بعد سنہ ۶۲۵ قم میں سیاکزیز (ہوخشترہ) تخت کا وارث ہوا- اُس نے شاہ بابل کے ساتھ ملکر سنہ ۶۰۲ قم میں نینوا کو تاراج کیا اور لیڈیا پر بھی حملہ کر دیا' مگر دوران جنگ میں دفعتاً اُس سال ۲۸ مئی کو کامل سورج گرہن واقع ہوا اور محاربین نے یہ سمجھکر کہ گرہن خدا کی علامت ناراضگی ہے سنہ ۵۸۹ قم میں باہم صلح کرلی- غالباً اسی سال سیاکزیز دنیا سے رخصت اور اِس کے بعد اِس کا بیٹا ایستیاجیز تخت آرا ہوا جسے سنہ ۵۵۰ قم میں ہخامنشی سائرس نے بے تاج و تخت کردیا' اور عنان سلطنت اہل میڈیا یعنی مغربی ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل کر جنوبی ایرانیوں یعنی اہل فارس کے قبضے میں آ گئی لیکن یہاں فتوحات میڈوی سے ہمیں چنداں بحث نہیں' ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اُن کی زبان کیا تھی اور اُن کا مذہب کیاتھا؟ کیونکہ ہمارے موجودہ زاویۂ نظر سے یہی

اہل میڈیا کی زبان

مسائل اصل مسائل ہیں- اس بارے میں جس رائے نے آج کل زیادہ زور پکڑر کھا ہے' وہ یہ ہے کہ اس ملک کے باشندے ایرانیوں میں سے تھے اور اُن کی زبان بھی ایک ایرانی زبان تھی جو فارسی قدیم سے بہت ملتی جلتی تھی- راقم الحروف کو بھی اِس سے ایک گونہ اتفاق

ہے۔ نولدکے بھی یہی کہتا ہے اور دارلت میڈیا سے بحث کرتے کرتے جب وہ اپنی تقریر کو ختم کرتا ہے تو یہ کہہ کہہ کر کہ*:-

" جب ہمدان کے گرد و نواح کو اچھی طرح دیکھا جائیگا یا زمین کو کھود کر اُس کے دفینوں کی پڑتال کی جائیگی تو شاید اس قدیم زمانے کے قیمتی آثار ہاتھ لگ جائیں اور اگر کہیں سلاطین میڈیا کے سکّے نکل آے تو کیا بات ہے۔ میرا ذہن گواہی دیتا ہے کہ اُن سکوّں کی زبان اور خط دونوں شاہان فارس کی زبان اور خط کے مانند ہوں گے"۔

ڈارمشٹیٹر جسکی راے پر مفصل تنقید ہم آیندہ کریں گے وہ نولدکے کے بیان پر بھی قناعت نہیں کرتا بلکہ اس سے چند قدم آگے بڑھ کر اعلان کرتا ہے کہ (آوستا) کی زبان جو عام طور سے ژند کہلاتی ہے" میڈیا کی زبان یا میڈری زبان" ہے، اپنے خیال کا ثبوت پیش کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ† :-

---

* تاریخ فارسی پر مضامین (لیپ زگ ۱۸۸۷) صفحہ ۱۲-

† دیکھو " ایرانی علوم" از ڈارمشٹیٹر جلد اول صفحہ ۱۲ و ۱۳، ایم ڈے ہارلسیز (" زبان اوستا ...... ۱۸۸۲ ...... اور مطالعۂ مذہب اوستا مزدین کا مقدمہ ۱۸۸۱ صفحہ ۴۵ وغیرہ") بھی اس راے کا موئد ہے اور لکھتا ہے: " ہمارا خیال ہے، ہم نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ اوستا میڈیا سے منسوب ہونی چاہئے اور اس کی زبان مجوسیوں سے، لیکن چونکہ یہ امر ہنوز مسلمہ نہیں اس لئے پارسیوں کی طرح ہمیں بھی چاہئے کہ (اوستا کی زبان کے لئے) لفظ "اوستائی" جو ہر ایک غلطی سے پاک ہے برابر استعمال کرتے رہیں۔ اسی طرح" قدیم باختری ' کے مقابلے میں " ژند" قابل ترجیح ہے، کیونکہ یہ لفظ عام طور پر مروج ہے اور اس کے استعمال میں تعصب و نفرت کی گنجائش نہیں —

''پارسی روایات اور خود آوستا کے بیانات' جنکی تائید خارجی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے' دین زرتشت کے مرکز اور اُس کے نمو و ترقی کا مقام میڈیا میں یا تو (آذر بائیجان) یا (رے) بتاتے ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے (آذر بائیجان) کو مرکز قرار دینا صحت سے قریب تر ہے - یہی وہ مقام ہے جہاں سے دین زرتشت اُٹھا تھا اور مغرب سے مشرق کی جانب پھیلا - بہر کیف اس مذہب کی اصل میڈوی ہے اور (آوستا) (موبدان) میڈیا کی تصنیف ہے .... نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خارجی شہادت یعنی مرقومات قدیم اور داخلی شہادت یعنی کتب ژندی اور روایات ملکی کی رو سے اوستا مجوسیوں کی تصنیف ہے اور ژند میڈیائے قدیم کی زبان ہے ' لہذا اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ ژندی زبان کا نام ژند رکھنا غلط ہے 'اس کی جگہ " میڈوی زبان " ہونا چاہیے - تو ہمارا یہ دعویٰ صحیح سمجھنا چاہیے '' -

آپرٹ کی رائے کہ اہل میڈیا تو رانی تھے —	ایک اور رائے جس کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا

محقق (آپرٹ) کی ہے - جو اُسکی کتاب موسومہ " اہل میڈیا و زبان میڈیا " میں تفصیل کے ساتھ درج ہے - یہاں تک تو مسلم ہے کہ ہخامنشی دور کے کتبے تین زبانوں میں لکھے ہوے ہیں جن میں پہلی زبان فارسیء قدیم ہے اور تیسری

آسوری' رهی دوسری جو اپنی اصل نسل میں نہایت مشتبہ ھے اُس کی بابت آپرت کا خیال ھے وہ " میڈوي " ھے اور اُس کو کسی آریائی زبان سے مطلق علاقہ نہیں' بلکہ وہ تورانی ھے۔ اس انوکھے اور بالکل متضاد خیال کے ثبوت میں وہ دلائل بھی عمیق و عجیب پیش کرتا ھے - خود نام میڈیا (مادہ) کی تشریح وہ ایک سمیری لفظ (مدہ) سے کرتا ھے' جس کے معنی (ملک) هیں' اور سلاطین میڈیا کے جو نام تی سیاز نے اپنی تاریخ میں لکھے هیں' وہ اس کے نزدیک " آریا شدہ" تورانی اسماء (جنھیں ھرو دوتس نے لکھا ھے اور جو قدیم کتبات میں ملتے ھیں) کے آرین مترادفات هیں -مثلاً وہ کہتا ھے کہ تاریخ ھرو دوتس میں پہلے میڈوی بادشاہ کا نام دو جدا جدا لفظوں (دیہ) (= دوسرا) اکُوّ (=قانون) سے مرکب ھے جس کی آریائی یافارسی صورت غالباً (داہُیکہ) تھی اور معنی "ممالک کو دوبارہ متحد کرنے والا"۔ اس مرکب لفظ کا مرادف فارسی یاآریائی جو تی سیاز نے استعمال کیا ھے' وہ آرتائیوس ھے جس سے فارسی کے (آرتایو) (ارته سے مشتق ھے) بمعنی "قانون" اور (آیو بمعنی دوبارہ متحد کرنا) کی طرف اشارہ نکلتا ھے' میڈیا کی چھہ قوموں کے ناموں کو جنھیں ھرودوتس نے اپنی تاریخ میں (کتاب اول باب ۱۰۱)درج کیا ھے آپرت تسلیم کرتا ھے کہ آریائی هیں' مگر اِس کے بعد وہ کہتاھے کہ اِن میں سےکم از کم دو یعنے بوسائی اورستّروُک سان‌تیس اصل تورانی ناموں کے آریائی ترجمے هیں'

جنمیں سے ایک کے معنی "ملک کے اصلی باشندے" اور دوسرے کے "ساکنان خیمہ" ہوتے ہیں - افسوس ہے کہ ایسی قابلیت کے آدمی بہت کم ہیں، جو ایم آپرت کی تحقیقات کا از سرنو تفحص کرکے تفصیل میں اُس کے استدلالات پر مجتہدانہ رائے قایم کرسکیں، لیکن آپرت کی کتاب مذکورالصدر پر تبصرہ کرتے ہوے اُس کے عام استدلالات و نظریات پر ڈارمشتیٹر نے اپنے خلاصۂ اعتراضات کے آخر میں جو کچھہ لکھا ہے اس سے ہمیں اتفاق ہے *:-

ڈارمشتیٹر کا اعتراض

"لہذا اس مروجہ خیال کے ترک کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں کہ میڈیا کی زبان آریائی زبان تھی - یہ خیال ایسا ہے کہ اِس کی تائید بلا واسطہ اسٹرابو کے بیان سے ہوتی ہے اور بالواسطہ ہیروڈوٹس کے بیان سے - علاوہ ازیں ایک اور نہایت قوی ثبوت یہ ہے کہ ژند اوستا کا مقام تصنیف اور ژند کی پیدائش گاہ اہل میڈیا کا ملک ہے" -

---

* دیکھو "ابحاث ایرانیہ" جلد دوم صفحہ ۱۴ اول اول یہ اعتراضات ریویو کیر ٹیک سنہ ۱۸۸۰ جون ۲۱ میں شایع ہوے تھے —

بہر کیف جبتک کوئی جدید خیال کا منافی پیدا نہو، ہم کو اسی مسلک پر قائم رہنا چاھئے کہ اھل میڈیا ایران کے باشندے تھے اور ان کی زبان ایرانی تھی جو فارسیء قدیم سے انتہا درجہ مشابہت رکھتی تھی -

اُوپر بیان ھوچکا ھے کہ ھخا منشی خاندان کے برعکس شاھان میڈیا نے اپنے کارناموں کا تحریری حال نہیں چھوڑا ھے، اُن کی زبان کی بابت بعض محققین مثلاً نویلدکے کا یقین ھے کہ گو مزید تفحص ایک ندایک دن اُس کے نمونے ڈھونڈ نکالیگا لیکن اِس وقت ایک بھی موجود نہیں۔

اَوستا

بعض محققین مثلاً آپرٹ کو اطمینان ھے کہ اُس کے نمونے موجود ھیں اور وہ درجۂ دوم کے پیکانی کتبوں پر ثبت ھیں - ایک اور جماعت جس کا رکن رکین ڈارمشتیٹر ھے اِن دونوں بیانات سے اختلاف کرکے بتاتا ھے کہ یہ نمونے کثرت کے ساتھ زرتشت کی قدیم آسمانی کتاب ژند اوستا میں پائے جاتے ھیں- اِن سے میڈیا کی نہ صرف زبان بلکہ اُس کےعلم ادب کا صحیح صحیح حال معلوم ھوتا ھے - یہ امر کہ اَوستا کی زبان ایرانی ھے اور فارسی قدیم سے اُس کا رشتہ ماں یا بیٹی کا نہیں بلکہ دونوں آپس میں دو بہنیں ھیں ' یہاں تک ثابت ھوچکا ھے کہ اب شبہ کی گنجائش باقی نہیں - لیکن یہ کہ وہ کس حصۂ ملک کی زبان ھے ایک ایسا مسئلہ ھے جو ھنوز متنازعہ فیہ چلا آتا ھے - کیونکہ ایک طرف تو جیسا کہ اوپر آچکا ھے ڈار مشتیٹر اَوستا کی زبان کو میڈیا کے ساتھ مخصوص کرتا ھے ' اور دوسری طرف محققان جرمنی کہتے ھیں کہ وہ باختر

کی زبان ہے بلکہ جرمنی میں عموماً اُس کا دوسرا نام "قدیم باختری" اور "مشرقی ایرانی" رکھہ لیا گیا ہے - دارمشتیٹر نے اِن محققوں کی تردید کی ہے' لیکن تردید سے قبل وہ اپنے صاف اور مختصر انداز میں ان کے دلائل کا خلاصہ کرتا ہے' جو ذیل میں درج ہے *:—

جرمنی تحقیق

(۱) ژند پرشیا کی زبان نہیں ہے —

۲) باختر ہی وہ مقام ہے' جہاں بموجب روایات زرتشت نے اپنے مذہب کی پہلی مہتم بالشان فتح حاصل کی' یعنی شاہ گشتاسپ کو زرتشتی کیا -

(۳) اوستا میں صرف اُن مقامات کا ذکر آیا ہے' جو مشرقی ایران میں واقع ہیں.

دارمشتیٹر کی تنقید

دلیل اول صحیح تو ہے مگر منفی ہے' مثبت نہیں - مانا کہ اس کے بموجب پرشیا (یعنی صوبہ فارس) الگ ہو جاتا ہے' لیکن باقی ایران تو کہیں نہیں گیا -

دوسری دلیل کہ باختر میں گشتاسپ نے دین زرتشت قبول کیا' ٹھیک ہے' لیکن اس سے بجز اس کے اور کیا ثابت ہوتا ہے' کہ وہاں زرتشتیوں نے بڑے پیمانے پر جد و جہد کی - ایران و توران میں جنگا

---

* "ابحاث ایرانیہ" جلد اول صفحہ ۱۰-۱۲

جغرافی حیثیت سے قدرتی محاذ باختر ہے'
میدان کار زار گرم ہوا - تورانی بت پرست
تھے اور ایرانی امت زرتشت - جبکہ بت
پرستوں اور اہرمزد کے پیروؤں میں خونریزیاں
ہو رہی ہوں تو ضرور تھا کہ حامیان ملت
زرتشت کے ذہنوں میں باختر کی یاد موجود
ہوتی اور اُن کی برکتوں کو لے کر باختر
پہنچتے جہاں اہر مزد کے پوجنے والے
دیو پرستوں کے مقابلے میں جانبازیاں
دکھا رہے تھے - پس یہ قصے کہ سرزمین باختر
میں زرتشت کا کلمہ اس سرے سے اُس سرے
تک پھیل گیا اور وہیں گشتاسپ بھی اُس کا
شکار ہوا' غالباً اُس کامیابی کی تاریخی کڑیاں
ہیں جو زرتشت کو مشرق میں ہوئی - ان
قصوں میں کوئی نشان ایسا نہیں ملتا جو
باختر کو زرتشت کا جنم بھوم اور اُس کے
مذہب کا گہوارہ ثابت کردے - پارسیوں
کی روایتیں متحدہ طور پر پکارتی ہیں کہ
ہمارے پیغمبر اور اُس کے آئین کا مولد
و منشا مشرق اور باختر نہ تھا بلکہ مغرب
اور آذر بائجان تھا اور نہ صرف پارسیوں
کی روایت ہی بلکہ خود اوستا بھی تسلیم
کرتی ہے—

کیونکہ تیسرا خیال کہ اوستا میں جو
مقامات درج ھیں وہ صرف مشرق میں واقع
ھیں غلط ھے، مشرقی کے علاوہ شمالی اور
مغربی بلاد کا بھی اُس میں ذکر ھے۔
"ویندیداد" کا پہلا باب دیکھو اس میں
ایران کے اول حصوں کے نام آئے ھیں جن سے
مصنفین "ویندیداد" واقف تھے۔ پہلا نام
'ایران ویج' ھے جس کے کناروں سے دائیۃ جی
ٹکراتی تھی (باب اول - ۳) اور ایران ویج
آذربائیجان کی سرحد پر ھے، اور دائیۃ وھی
ندی ھے جس کا دوسرا نام 'ارکسیز'*
(قزل ارباق) ھے اسی طرح اوستا شمالی
ایران سے بھی واقف ھے کیونکہ اُس میں
'رھے گے' جو یونانیوں کی زبان پر 'راگائے' بنا
اور آج کل رے کہلاتا ھے خطۂ میڈیا میں
بیان کیا گیا ھے —

---

* یہ راے عام طور پر مسلم نہیں مثلاً گائیگر ایریانہ ویجہ یا ایران ویج کو سلسلہ پامیر میں بتاتا ھے' گائیگر کے مطابق ویندیداد کے پہلے باب میں جو کچھہ معلومات قلمبند ھیں اُس کے لحاظ سے اوستا کا انتہائی مغربی علاقہ دھرکانہ (ھرکھنہ موجودہ گرگان یا جرجان) ٹھہرتا ھے اور رنگہ (راگاے یا رے نزد طھران موجودہ پاے تخت) اور 'ورنہ' (چوگوشہ) کو گائیگر مشرقی حصہ مازندران میں بتاتا ھے —

ڈارمشٹیٹر نے اس ثبوت میں کہ اوستا کی زبان وہی ہے جو میڈیا کی زبان تھی لسانیات کی ایک شہادت بھی پیش کی ہے کہ فارسیء حال کا لفظ "سگ" (کتا) دلالت * کرتا ہے کہ فارسیء قدیم میں اس کی صورت "سکہ" ہوگی (گو قدیم زبان کی مرقومات میں اس لفظ کا کہیں نشان نہیں ملتا) - مگر اُس مواد کی جس پر ہماری معلومات زبان قدیم کا دار و مدار ہے' مقدار ہی کیا ہے - بخلاف اس کے ہروڈوٹس کہتا ہے (اول - ۱۱۰) کہ میڈیا کی زبان میں کتے کا نام "سپاکا" تھا جو زیادہ تر اوستا کے لفظ "سپن" (سنسکرت "سون" یونانی کیوآں) سے ملتا ہے اور تعجب کی بات ہے کہ یہی لفظ بصورت "اِسپہ" بعض ایرانی مثلاً "قوہرود" (نزد کاشان اور نطنز کی بولیوں میں ابتک موجود ہے † - جرنل ایشیاٹک ‡ میں کلیمان ہوار کے متعدد دلچسپ مضامین نکلے - ان کا موضوع ایرانی بولیاں تھا مثلاً یزد و سیوند کی بولی اور اُس عجیب و خاص کتاب کی زبان جس کا نام

---

* مذکورالصدر کتاب ڈارمشٹیٹر صفحہ ۱۳—

† دیکھو ہماری کتاب "ایرانیوں میں ایک سال" صفحہ ۱۸۹ اور پولک کی کتاب "پرشین" جلد اول صفحہ ۲۶۵—

‡ جرنل ایشیاٹک بابت سنہ ۱۸۸۵ جلد ششم صفحہ ۵۰۲ - ۵۴۵ "رباعیات بابا طاہر" ایضاً بابت ۱۸۸۸ع جلد یازدہم صفحہ ۲۹۸ - ۳۰۲ نوٹ "یزد کی دری" ایضاً بابت ۱۸۸۹ جلد چہاردہم صفحہ ۲۳۸ - ۲۷۰ "اسلامی پہلوی" ایضاً بابت ۱۸۹۳ جلد اول ۲۴۱ - ۲۶۵ "سیوند کی بولی"—

هورت اور دار مشتیٹر کی تائید

جاودان کبیر ھے اور جو پندرھویں صدی کے بدعت طراز فرقہ صروفی * کا صحیفہ ھے ' ان مضامین میں هوار نے خاص جدت دکھائی ھے اور دار مشتیٹر کی رائے کو بڑی تقویت بخشی ھے - اس نے تمام تر کوشش اِس امر کے ثابت کرنے پر صرف کردی ھے کہ متعدد زبانیں جو اس وقت ایران کے دور اورکوهستانی اضلاع بالخصوص مغرب یعنی میڈیا میں بولی جاتی ھیں وہ نسلاً اوستا کی اولاد ھیں ' اور وہ ان کا نام ' جدید میڈوي ' یا ' اسلامی پہلوی ' † تجویز کرتا ھے - اُس کی بحث یہ ھے کہ دیگر اختلافات سے قطع نظر اوستا کی زبان میں جس فعل کے معنی ' کرنا ' بتاتا ھیں اُس کے ساتھہ مادہ ' کر ' ہر صیغے میں لگا رهتا ھے ; حالانکہ فارسی قدیم میں (جدید میں بھی) اس فعل کے مضارع اور امر کے صیغوں میں کُن آتا ھے - دوسرے جس مادے کے معنی بولنا ' کہنا ھیں وہ اوستا میں ' اوج ' وچ ' ھے اور فارسیء قدیم میں 'گوب' ھے - اچھا اب فارسیء جدید میں (جسے ھم اوپر بیان کرچکے ھیں کہ وہ براہ راست فارسیء قدیم کی نسل سے ھے) کردن (صیغۂ امر کن) کرنا کے لئے

---

* رائل ایشیاٹک سوسائٹي جرنل بابت ۱۸۹۸ نمبر جنوری صفحہ ۶۱ تا ۹۴ میں همارا مضمون ''ادبیات و اصول فرقہ صروفی''-

† فی الحقیقت یہ زبانیں عموماً آج کل کیا چودھویں صدی کے ایرانیوں میں بھی پہلوی کے لقب سے مشہور تھیں - مثلاً حمداللہ مستوفی قزوینی نے بھی انکو پہلوي لکھا ھے - مقابلہ کرو پولگ کے مقام مذکور سے --

آتا ھے اور گفتن (صیغۂ امر گو' گوے) کہنا کے لئے۔ بر خلاف اس کے اول زبانوں میں جن کا مجموعی نام ھوار نے 'جدید میڈوی' رکھا ھے مادہ ' کر ' ھر ایک صیغہ میں باقی رھتا ھے (چنانچہ اس کا مضارع بجاے ' کنم ' کے ' کرم ' آتا ھے علیٰ ھذا) اور بولی یا بولنا کے لئے جو الفاظ مستعمل ھیں وہ مادہ ' واج یا اِس ھی قسم کے لفظ سے مشتق ھیں جو اوستا کے ' اوج وچ ' کے مطابق ھے۔ یہ معیار جس کے ذریعہ ھوار کسی ایک زیر بحث بولی کو میڈوی یا پرشین (ایرانی) قرار دیتا ھے' اس دقیق خیال کے رو سے گویا اوستا کی زبان ایران میں آج تک موجود ھے اور اس کی قائم مقام وہ متعدد بولیاں ھیں جن میں بابا طاھر کی رباعیات (شروع گیارھویں صدی) اور جاویدان کبیر (پندرھویں صدی) لکھی گئی ھے اور جو فی زماننا قوھرود اور سیوند کے علاقوں اور یزد و کرمان کے زر تشتیوں میں بولی جاتی ھیں - یہ نکتہ بھی بیان کے قابل ھے کہ بریزین * کی تحقیق کے مطابق ' تالش ' بولی میں 'من ' کے لئے ' از' آتا ھے جو بظاھر اوستا کے ' ازم ' (فارسی قدیم میں ' ادم ') کا بقیہ ھے۔ جو زبانیں کہ اس وقت تک ایران کے مختلف اطراف و جوانب میں رائج ھیں ان کا کما حقہ حال (باوجودیکہ ژکووسکی †

---

* " ایرانی بولیوں کی تحقیقات " (قازان ' ۱۸۵۳ صفحہ ۳۱ وغیرہ) —

† " مواد (کاشان ' وانی شون ' قوھرود ' کش اور ظھفر کی بولیاں) سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۸۸ —

نے کمال جانفشانی سے بیش بہا مواد جمع کیا اور جزوی طور پر اس کو شائع بھی کرادیا ہے) ابھی تک پس پردہ ہے ' تاہم امید کرسکتے ہیں کہ اہل فن کی تدقیق و کاوش اس مسئلہ پر ضرور روشنی ڈالیگی - دارمشٹیٹر اپنی ایک دوسری کتاب ("مشہور افغانی گیت" صفحات مقدمہ ۶۲-۶۵) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ زبان اوستا کی باقی ماندہ شاخوں میں سے افغانستان کی زبان پشتو یا پختو خاص شاخ ہے' مگر بظاہر یہ قیاس اس کے پہلے قیاس کی تکذیب کرتا ہے جس کو وہ اپنی تصنیف "ابحاث ایرانیہ" میں قائم کرچکا ہے' گو یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں قیاسات بجائے خلاف ہونے کے ایک دوسرے کے مؤید ہوں ' پھر ہم کو یہ کہنا پڑے گا کہ —

(۱) زر تشت میڈوی قوم کے مجوسی (مگوش) تھے اور وہ اپنی تعلیمات کو شمال مغرب بعید یعنی آذربائجان سے شمال مشرق بعید یعنی باختر لے گئے جہاں انہوں نے سب سے اول شاہ گشتاسپ کو رام کیا —

(۲) آذربائجان اور باختر بلکہ پورے شمالی ایران میں جتنی زبانیں بولی جاتی تھیں وہ ایک دوسرے سے انتہا درجہ مشابہ تھیں اور جیسا کہ دے هارلے نے اشارہ کیا ہے —

(۳) اوستا میں گاتھا کی بولی باختر کی بولی کا نمونہ ہے اور وینديداد میں عام اوستائی زبان آذربائجان کی بول چال کی یادگار ہے ' تاہم یہ باتیں سب خیالی تکے ہیں اور مرتبے میں ایک خوشنما قیاس سے زیادہ نہیں —

قدیم ایران کا مذھب اور زوراسٹر

میڈوی زبان کی کرید میں جن شکوک نے ھم کو الجھنوں میں ڈالا اُسی قسم کے شکوک میڈوی مذھب کی تحقیق میں پاؤں کے چھالے بنے ھوے ھیں اور قطع مسافت میں قدم قدم پر گرائے دیتے ھیں حتی کہ آج تک یہ بھی نہ معلوم ھوسکا کہ دور ھنخا منشی کے لوگ جو میڈیوں کے جانشین ھوے تھے زرتھشت کے بتائے ھوے طریق پر خدا کا نام لیتے تھے یا ان کا قبلہ کوئی اور تھا - خود زرتشت کی نسبت کہ وہ کون تھے ' کہاں سے آئے تھے اور اُن کا زمانہ کیا تھا رائے کے خلاف رائے موجود ھے- بعض کو ان کے تاریخی وجود ھی سے انکار ھے' بعض کو ان کی شخصیت اور وجود گاتھا میں صاف نظر آتا ھے اور وہ یقین کرتے ھیں کہ گاتھا کے احکام میں خود ان کے الفاظ نہیں تو کم از کم ان کے قریبی جانشینوں کے الفاظ ضرور موجود ھیں- ایک گروہ اس کے زمانے کو زمانہ وید بتاتا اور ۱۸ سوسے ۲ ھزار بلکہ ۶ ھزار قبل مسیح پیچھے لے جاتا ھے اور دوسرا گروہ مسیح سے سات سو برس قبل کا زمانہ معین کرتا ھے' بعض ان کی جائے پیدائش جیسا کہ اوپر بیان ھوچکا ھے باختر قرار دیتے ھیں اور بعض آذر بائجان- یہی حال ان کے نام پر مٹنے والوں کی روحانی کتاب اوستا کا ھے جس کے کم از کم ایک حصے کو دار مشتیٹر نے اپنے " ترجمہ جدید" [" سرمایہ تاریخ" گیمیے میوزم جلد ۲۱-۲۴ پیرس ۱۸۹۲-۱۸۹۳] میں بڑی کد وکاوش کے بعد قدیم الایام سے کھینچ کر مسیحی صدیوں میں لا ڈالا ھے - کچھہ خیالات ھی کا یہ حال نہیں کہ ان میں آراء کی گونا گوں موجیں اٹھتی ھوئی دکھائی دیتی ھیں'

تعصب نے اور بھی غضب ڈھا دیا ھے - بلکہ ھالیوی کا (جو اپنے تبحر علم میں فرد اور سیاحت عالم میں مرد ثابت ھوچکے ھیں) قول ھے جو اس نے راقم الحروف سے ایک گفتگو میں بیان کیا کہ نسلیٰ مناقشوں اور قومی عداوتوں نے سائنس کی خاموش مہلکت پرورش کردی ھے ۔میں اور وہ ساتھ تھے اور دونوں ڈارمشٹیٹر کی کتاب بالا پر جو اوس ھی زمانہ میں چھپکر شائع ھوی تھی بحث کر رھے تھے کہ میں نے بصد استعجاب کہا ڈار مشٹیٹر نے ستم کیا ھے کہ وہ اوستا کو اس قدر قریب زمانہ کا بتاتا ھے - کیاوہ ان کاملین فن کے پاس جواس کو نہایت ھی قدیم عہد کی تصنیف سمجھتے ھیں اوستا کی قدامت پرکوئی دلیل نہیں - "دلیلیں تو کافی ھیں" ھالیوی نے جواب دیا "کیا ان کی نفرت جو اُن کو سامی قوموں کے ساتھہ ھے کچھہ کم دلیل ھےاور کیاان کی نخوت جوان کو اپنے آرین نسل ھونےپرھے کچھہ بودی وجہ ھے - یہ ان کی نفرت نہیں تو کیا ھے کہ وہ آرین قوم کے مقابلے میں یہودیوں کی نہ تو قدامت کو گوارا کر تے ھیں اور نہ ان کی برتری و افضلیت کو -- وہ حضرت موسیٰ(۴)کوگھٹاکر زرتشت کو بڑھانا چاھتے ھیں اور جہاں وہ ایک ھاتھہ سے توریت کو زمین پر پھینکنے کی کوشش کررھے ھیں وھاں دوسرے ھاتھہ سے آوستا کو آسمان کی طرف اُٹھارھے ھیں" - نہایت افسوس کا مقام ھے اگر یہ سچ ھے تو گویا وھی مذموم نسلی تعصب جو ھزارھا جرائم کا ذمہ دار رہ چکا ھے علوم کے پاک مطلع کو بھی ناپاک کرنے لگا ھے ' جہاں نفسانیت کا کوئی دخل نہیں ھونا چاھئیے ---

خیر زرتشت اور اُن کے قوانین الہامی پر گونا گوں

خیالات کا طومار بندھا ہوا ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے
کیونکہ ہمارا مقصود نظر دور اسلامی کی علمی اور ذہنی
ترقیاں ہیں اور یہ میدان اس درجہ وسیع اور ہنوز غیر
متحقق ہے کہ ایک نہایت اولوالعزم اور نہایت محنتی شخص
کی تسکین ہوس کے لئے کافی ہے - نیز یہ دور بہ نسبت قدیم کے
اس لحاظ سے قابل ترجیح بھی ہے کہ اس کے حالات معلوم ہیں-
اس کی تاریخیں ایسی نہیں کہ ان میں صدیوں کا اختلاف ہو
اور نہ اس کے مناظر ایسے کہ ابھی باختر میں تھے کہ دفعتاً
آذر بائیجان میں نظر آنے لگے - تاہم بے انتہا واجب التعظیم ہیں
وہ لوگ جو قدیم ویرانوں میں سرگردانی کر رہے ہیں' کہ
اپنی جانکاہ محنتوں اور بے نظیر ذہانتوں سے افسانوں سے
تاریخ اور انتشار و ابتری سے نظام پیدا کر رہے ہیں - ہمیں
چاہئیے کہ ان محققین میں سے ایک آدہ کو انتخاب کر کے اپنا
رہنما بنائیں تا کہ وہ ہم کو قدیم عہد اور اُس داستان پاستان
کا حال سناتا رہے جس کے معلوم کرنے کو ہمارا جی تو بہت
چاہتا ہے لیکن جو ہمارے دائرۂ مقصد سے خارج ہے - رہنماؤں
میں سب سے زیادہ معقول اور سب سے زیادہ ہوشیار
"اے - وی - ویلز جیک سن" پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی ہے -
جیکسن وہ فضل و تجربہ رکھتا ہے جو جرمنوں کا خاصہ ہے'
وہ صفائی استدلال جو فرانسیسی علوم کی ادائے دلربا ہے اور
وہ انصاف پسندی و قوت فیصلہ جو اینگلو سیکسن قوم کا
مایۂ ناز ہے - اس کے بلند پایہ مضامین امریکن اوریِ اینٹل
سوسائٹی کی روئداد اور امریکہ کے رسالۂ لسانیات وغیرہ

میں شائع ہوے ہیں جن میں اس نے متذکرۂ بالا مشکل مسائل اور ملت زرتشت کی تاریخ و عقائد سے بڑی کامیاب بحث کی ہے اور بالآخر اس نے ایک فاضلانہ اور قابل دید کتاب موسوم "قدیم ایران کا پیغمبر زوراسٹر" (مطبوعہ نیویارک سنہ ۱۸۹۹ع) میں اپنے خیالات کا خلاصد لکھہ دیا ہے اور اہم نتائج جو اُس نے استخراج کئے ہیں یہ ہیں:—

پروفیسر جیک سن کے نتائج

(۱) زرتشت واقعی تاریخی انسان اور فرقۂ مجوسی میں سے میڈوي قوم کے ایک فرد تھے—

(۲) اُن کا زمانہ حضرت مسیح سے تقریباً ساڑھے چھہ سو سال پہلے کا تھا یعنے اُس وقت میڈیا کی سلطنت قائم تھی اور ہخامنشی خاندان کا وجود نہ ہوا تھا - ستتر برس کی عمر کو پہونچ کر تقریباً سنہ ۵۸۳ قم میں وفات پائی—

(۳) اُن کا وطن تو مغربی ایران (آذر بائیجان یا میڈیا) تھا لیکن پہلی اور عظیم‌الشان کامیابی ان کو باختر (بلخ) میں ہوئی جہاں انھوں نے شاہ وشتاسپہ (گشتاسپ) کو اپنے حلقہ میں داخل کیا—

(۴) 'گاتھا' جو مسلم طور پر اوستا کا سب سے پرانا حصہ ہے اُن کی بلخی

تعلیم و تلقین کی اهم باتوں پر شامل هے-

(٥) باختر سے اُن کا مذهب به سرعت تمام سارے ایران میں پهیل گیا اور بعد کے هنخا منشی اورنگ نشینوں کے عهد میں خطۂ فارس میں بڑا زور پکڑ گیا تها - لیکن ٹهیک پته نهیں چلتا که اُس کا قدم فارس میں کب آیا اور وهاں کے مالکان تاج و تخت اور رعایا کو اپنا کلمه گو کب بنایا —

هر چند که یه استدلالات هر ایک محقق کے نزدیک مسلم نهیں مگر راقم کی راے میں شهادت زیادہ تر ان هی کی جانب مائل هے، بالخصوص فتوحات اسلامی کے بعد هی جو روایات که ملک میں پهیلی هوئی تهیں اور جن کا ماخذ دور ساسان کی روایات تها ان استدلالات کی حامی اور مصدق هیں—

استدلالات بالا کہانتک معقول هیں

اس مقام پر اِتنا لکهدینے میں کوئی هرج نهیں معلوم هوتا که جس اسکول سے جیکسن کا تعلق هے چونکه وہ اس امر کا عادي نهیں که قطع و برید کے بعد واقعات کو بیان کرے اس لئے به گمان ظاهر یه غالب نهیں که اس اسکول کے حامی زوراستر کے زمانے کو غایت درجه قریب کا زمانه تجویز کریں- رها یه پهلو که اُن کا مذهب میڈیا کنی خاک سے پیدا هوا اس کي بابت گائیگر کو ڈار مشٹیٹر اور جیکسن سے اتفاق راے هے که اگرچه اوستا کی زبان شمال و مشرق ایران یعنے باختر کی زبان هے لیکن جیسا

که هر ایک پارسی روایت سے ثابت ہے باختر میں اُس کے اصول و عقاید میڈیا سے آے اور اُن کے لانے والے آتھروں یا (آذربان) آتش پرست پجاری تھے جو بلا اختلاف شمال و مشرق کے صحرا نورد مبلغان مذہب بیان کئے جاتے ہیں مگر جن کا وطن رے اور میڈیا کہا جاتا ہے - اس مسئلے کے سلسلے میں ڈارمشٹیٹر* ایک پر لطف نکتہ کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ لفظ ' موغو '

اوستا میں لفظ مجوسی کا معنی خیز استعمال

کو دیکھو (جس سے مجوسی سے نکلا ہے) کہ یہ اوستا (ملسنا ۶۴-۲۵) میں صرف ایک مقام پر آیا ہے اور وہ بھی مرکب یعنی ' موغوط بش ' کی صورت میں جس کے معنی " مجوسیوں سے نفرت کرنے والا یا ان کا ستانے والا " ہے - اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایران خاص کے باشندے ان لوگوں کے خون کے پیاسے اس لئے نہ تھے کہ وہ آتھروں یعنی تعلیم زرتشت کے منادی کرنے والے تھے بلکہ اُن سے اس لئے خار کھاے ہوے تھے کہ وہ میڈوی قوم کے مجوسی تھے جن کی حکومت کے کھنڈروں پر اہل فارس کی حکومت قائم ہوئی اور جن کے علم بغاوت نے ابتدائی ہخامنشی دور میں اہل فارس کا ناک میں دم کردیا تھا' خصوصاً مجوسی (مغوش) گوماتہ کے انحراف نے جو اپنے آپ کو سائرس کا بیٹا بردیہ (سمرڈیز) مشہور کرکے تخت ایران کا دعویدار بن بیٹھا تھا اور جس کو خود دارا نے اپنے ہاتھہ سے قتل کیا تھا ؛ یہ واقعہ

---

* دیکھو مشرق کی کتب مقدسہ میں اوستا کا ترجمہ جلد اول صفحات مقدمہ ۵۱ - ۵۲ ' (اوکسفورڈ ۱۸۸۰ع)

فرضی سمردیز

دارا بادشاہ نے بے ستون پر کندہ کرایا جس کے الفاظ یہ ھیں:—

" کہتا ھے بادشاہ دارا کہ اس کے بعد ایک شخص ھوا، مجوسی گوماتہ نامی، وہ "پی سی آوادا سے" اُٹھا جو وھاں کے ایک پہاڑ سے ھے جو آرکدرس کہلاتا ھے۔ ویخنہ کا مہینہ تھا اور چودھویں تاریخ، تب وہ اُٹھا - اُس نے لوگوں کو بہکانا شروع کیا کہ میں، بردیہ ھوں سائرس (کورو) کا بیٹا اور 'کم بی سیز' (کمبوجیہ) کا بھائی۔ اُس پر لوگوں نے 'کم بی سیز' کے خلاف بغاوت کی، فارس اور میڈیا، اور ھر ایک صوبے کے باشندے اُس کے پاس جمع ھوگئے - اُس نے تخت چھین لیا : یہ ماہ گرم پدا کا نواں دن تھا جب کہ اُس نے تخت چھینا، اس پر کم بی سیز نے خود کشی کرکے اپنا کام تمام کر لیا —

کتبۂ دارا کا حوالہ

کہتا ھے بادشاہ دارا کہ یہ تخت جو گوماتہ نے کم بی سیز سے لے لیا تھا یہ تخت قدیم سے ھمارے خاندان میں چلا آتا تھا - پس گوماتہ مجوسی نے کم بی سیز سے فارس، اور میڈیا اور دیگر صوبے لے لئے - ان کو اُس نے غصب کر لیا اور بادشاہ

بن بیٹھا —

کہتا ھے بادشاہ دارا کہ نہ تو فارس میں نہ میڈیا اور نہ ھمارے خاندان میں کوئی ایسا شخص تھا جو گوماتہ مجوسی سے تخت کو بہ زور شمشیر واپس لے سکتا: لوگ اُس سے ڈرتے تھے کیوں کہ اُس نے بہت سے لوگوں کو جو اُس کو پہلے سے جانتے تھے قتل کردیا تھا، قتل کا سبب یہ تھا کہ کہیں وہ اُس کو پہچان نہ لیں کہ وہ سائرس کا بیٹا بردیا نہیں ھے۔ اس گوماتہ مجوسی کی نسبت کوئی شخص ایک حرف منہ سے نہیں نکال سکتا تھا یہاں تک کہ میں کھڑا ھوا۔ پھر میں نے 'اھرمزد' سے استعانت چاھی۔ اھرمزد نے میری مدد کی: باگہ یاوش' مہینہ کی دسویں دن میں نے چند آدمیوں کو لے کر گوماتہ مجوسی اور اُس کی جان نثاروں کو تہ تیغ کردیا۔ میڈیا میں ایک قلعہ ھے سیکھتووش نام، نسایہ کے اضلاع میں: یہیں میں نے اُس کو قتل کیا: میں نے بادشاھت کو اُس سے واپس لے لیا اور اھرمزد کے فضل سے میں بادشاہ بن گیا؛ اھر مزد نے مجھہ کو بادشاھت عطا کی —

کہتا ھے بادشاہ دارا جو سلطنت کہ

ھمارے خاندان سے نکل گئی تھی اُس کو میں
نے واپس لےلیا' اس کو اُس کی جگہ قائم کیا
اورجیسی تھی ویساھی کردیا: عبادت گاھیں
جن کو گوماتہ مجوسی نے تاراج کیا تھا
انھیں میں نے لوگوں کو دوبارہ سپرد کیا '
بازار' مویشیوں کےگلے اور مکانات جو گوماتہ
مجوسی نے چھین لئے تھے وہ قبائل وار
اُن کے مالکوں کو واپس پہنچائے - میں نے
باشندوں کو اُن کے سابق وطنوں میں آباد کیا'
یعنی فارس میڈیا اور دیگر صوبوں میں- اِسی
طرح میں نے ھر شے کو جو غصب کرلی گئی
تھی ' اُس کی جگہ پر پہلی حالت میں
پہنچایا - اھرمزد کے فضل سے میں نے یہ
کام انجام دیا ' میں اس وقت تک جد وجہد
کرتا رھا جب تک کہ میں نے اپنی قوم کو
اس کی گزشتہ عظمت پر نہ پہنچا دیا -
پس اھرمزد کے فضل سے میں نے قوم کو اُس
کی سابق حالت پر پہنچایا جب کہ گوماتہ
مجوسی نے ابھی اس کو ھڑپ نہ کیا تھا -
کہتاھے بادشاہ دارا یہ ھے جو کچھہ کہ میں
نے کیا جب کہ میں بادشاہ ھوا —

اھل میڈیا اور ایرانیوں کی پولیٹکل خصومت کی صرف
یہی مثال نہیں نو (۹) مدعیان تخت میں سے جن کو دارانے ۱۹

لڑائیوں میں شکست دیکر اسیر کیا گوماتہ مجوسی پہلا مدعی

مدعیان دیگر

تھا مگر اکیلا یہی نہ تھا - فراورتیش نے بھی اہل میڈیا کو جنگ و سرکشی پر ابھارا مگر رے میں پکڑا گیا اور قطع اعضا کے بعد ھمدان میں جو میڈیا کا قدیم پایۂ تخت تھا صلیب پر چڑھا دیا گیا ' فراورتیش کا دعوی تھا کہ میں ھووخشترہ [جسکو ھروڈوٹس نے سیاکریس اور میڈیا کا تیسرا فرمانروا لکھا ھے] کی نسل سے ھوں ' اسی طرح چترتخمہ نے سگربتا میں سر کشی کا جھنڈا بلند کیا مگر گرفتار ھوا اور اربیل [اربیرہ] میں صلیب پرجان دي - ھم اس سے انکار نہیں کرتے کہ سپہ سالاران افواج میڈیا نے دارا کے میدان لڑے اور نمک حلالی کا ثبوت دیا' تاھم یہ ماننا پڑتا ھے کہ اس زمانے میں اھالیان میڈیا و ایران کے درمیان کچھہ ایسی ھی پرخاش تھی جو ایڈورڈ بادشاھوں کے عہد حکومت میں انگریزوں اور اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کے مابین تھی - گو قومیت اور زبان کے اعتبار سے یہ دونوں ایک تھے اور غالباً مذھب بھی ایک تھا لیکن دلوں کا سیاسی بیر اوس زمانے میں تاریخی انقلاب کا باعث اعظم ھوا' اور ڈارمشٹیٹر کی رائے کے مطابق جنوب ایران کے ایرانی جہاں اھل میڈیا کو بحیثیت پجاریوں کے ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ مذھبی رسوم کو ٹھیک طور پر ادا کرنے میں اُن کا وجود ناگزیر سمجھتے تھے و ھاں ان کے خلاف نفرت و خصومت بھی اسی قدر شدید رکھتے تھے —

میڈری دور سے قبل کے تاریخی حالات ملتے هیں

بیان کر چکے هیں کہ همارا اصل موضوع ایران میں اسلامی دور کی علمی اور ذهنی ترقیات یا بالفاظ دیگر علم و ادب کی وہ تاریخ هے جو گزشتہ ایک هزار سال پر مشتمل هے اور اس سے قبل کے صرف وہ حوالجات جو تصریح موضوع کے لئے ضروری هوں ۔ لهذا جن ازمنۂ سابقہ پر هم یہاں بحث کر رهے هیں ان کی تفصیل دور از محل هوگی ۔ اِس باب میں هم کو دولت میڈیا کے آغاز [سنہ ۷۰۰ ق م] تک جانا پڑا هے جہاں سے یہ کہہ سکتے هیں کہ ایران کا تاریخی دور شروع هوتا هے لیکن اس کا امکان هے کہ قدامت کی تاریکیوں میں اس سے بھی پہلے زمانے کے حالات معلوم کئے جاسکیں جیسا کہ اسپی گل نے اپنی نایاب کتاب " ایران قدیم کے حالات '' [سہ جلد مطبوعہ لیپزگ سنہ ۱۸۷۱-۱۸۷۸ ع] میں کئے هیں ۔ اس متنازعہ فیہ مسئلہ کو ایک طرف ڈالدیں کہ آرین ایک اصلی قوم تھی اور وہ اپنے عام مرکز سے بکھر کر ادھر اُدھر پھیل گئی، اور پھر دیکھیں تو کم از کم اتنا وثوق کے ساتھ معلوم هوتا هے کہ ایک زمانے میں ایرانی اور هندی دونوں ایک متحدہ قوم تھے اور پنجاب کے کسی حصے میں آباد تھے ۔ اِن کی علیحدگی اور انتشار کے اسباب پر میکس ملر* نے جو قیاس کمال جدت کے ساتھ پیش کیا تھا وہ همارے خیال میں عام طور پر مسترد کردیا گیا هے لیکن یہ قیاس اس درجہ دلکش هے کہ یہاں اس کو قلم انداز کرنا ستم هے۔

---

* دیکھو منتخب مضامین از میکس ملر، جلد دوم صفحہ ۱۳۲-۱۳۴ لندن (۱۸۸۱ ع)

میکس ملر کا قیاس

مختصراً میکس ملر کا قیاس وید اور اوستا کی چند مذہبی اصطلاحات پر دار و مدار رکھتا ہے - یہ اصطلاحیں اگرچہ اشتقاق کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن معانی کے لحاظ سے اِن میں زمین آسمان کا فرق ہے - سنسکرت میں لفظ "دیو" (منور) کے معنی دیتا ہے اور "دیوان ذکور" یا "ہستیاں منور" ہندؤں کے دیوتا ہیں - برخلاف اس کے اوستا میں "دیوا" فارسیء جدید میں 'دیو' کے معنی شیاطین کے آئے ہیں' چنانچہ جب ایک پارسی اقرار ایمان کرتا ہے تو کہتا ہے کہ "میں دیووں کی پرستش ترک کرتا ہوں"؛ وہ ان دیووں یا ہندو دیوتاؤں کو خیرباد کہتا ہے اور ہرمزد کا بندہ بن جاتا ہے - فن اصوات کی تحقیق یہ ہے کہ فارسی کی 'ہ' سنسکرت کا 'س' ہے' (مثلاً ایرانی جس کو ہند کہتے تھے وہ سنسکرت کا سندہ ہے اور یہی حصۂ ملک تھا جس سے قدرتی طور پر ایرانی خوب واقف تھے) پس اوستا کا "اہورہ" سنسکرت کا "اسورہ" ہے جس کے سنسکرتی معنی ارواح خبیثہ ہیں - صرف ان دو چھوٹے چھوٹے لفظوں سے میکس ملر نے زرتشت کی ایک زندہ تصویر کھڑی کردی کہ وہ مصلح تھا' پیغمبر تھا اور جب کہ ہنوز ایرانی اور ہندو دو حصوں میں تقسیم ہو کر منتشر نہ ہوے تھے تو وہ مبعوث ہو چکا تھا' نیز اس نے کثرت و اشیا پرستی کی مبتذل حالت کے خلاف' جس نے رفتہ رفتہ قدیم و پاکیزہ تر خیالات کی جگہ لے لی تھی' صدا بلند کی - غرض مخالفت میں آکر زوراسٹر نے ہندو دیوتاؤں کو جنھیں وہ مٹانا چاہتا تھا'

اپنے نظام مذہب کا شیاطین بنا ڈالا اور بالآخر کسی قدیم سن (ھجرہ) میں "سخت گردن پرستاران دیواں" سے جدا ہوا اور اپنے متبعین جاں نثار کو ھمراہ لے کر مغربی اضلاع میں آ نکلا جن کا نام ہم نے ایران رکھہ لیا ھے اور یہیں بود و باش اختیار کرلی - یاد رکھنا چاھئے کہ اس قیاس کا بہت کچھہ انحصار اس خیال پر ھے کہ زوراستر کا وطن باختر میں ھے اور یہ خیال وہ ھے جو وینديداد کے فروگرد اول پر قائم کیا گیا تھا اور عرصۂ دراز تک خاص کر جرمنی میں مسلط رہا —

اوستا کی تالیف و ترتیب کے متعلق بعض حالات ہم کسی اور مقام پر بیان کریں گے - اس موقع پر یہ بیان کرنا کافی ہوگا کہ "وينديداد" اوستا کا وہ حصہ ھے جس میں احکام شریعت اور مذہبی روایات درج ھیں' یہ حصہ توریت کے پہلے پانچ حصوں کے مثل اور ۲۲ فرو گرد یا بابوں پر مشتمل ھے - پہلا باب اھرمزد کی مخلوقات اور انرامینیو (اھرمن - شیطان) کی مخالف مخلوقات سے بحث کرتا ھے اور مندرجۂ ذیل ۱۶ ممالک کا حال بتلاتا ھے جن کو اھرمزد نے پیدا کیا ھے :-

(۱) "ایرینیہ ویجو' نزد با برکت دریاے دائیتا" (اس کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں ھے تاھم اس حصے کو دور ساسان کا دریاے ارک زیز یعنی موجودہ آذر بائیجان شناخت کیا جاتا ھے)-

(۲) "سغدہ" , سغدیانہ' سغد) -

(۳) "مورو" (مرجیانہ' مرو)-

(۴) "باخدی" (باختر' بلخ)-

(۵) "نسایه" (پارتھیه کا دارالحکومت یعنی موجودہ نسا واقع خراسان جو سرخس سے ۲ اور مرو سے ۵ دن کی مسافت ھے)-

(۶) "هرویو" (هرات)-

(۷) "وے کرتیه" (پہلوی شرح میں اس نام کو کابل شناخت کیا گیا ھے)-

(۸) "اُروا" (کہتے ھیں کہ طوس کا نام تھا)-

(۹) "ویہرکانہ" (موجودہ گرگان یا جرجان)-

(۱۰) "ھرہ وائتی" (اراخوتوس) اور

(۱۱) "ھے تومنت" (دونوں دریاے ھیلمند کے قرب و جوار میں ھیں)-

(۱۲) "رگه" ('رے' موجودہ پایہ تخت طہران کے قریب)

(۱۳) "چخرہ" (غالباً ابن خورداذبه * کا شرغ یا جرغ ھو' بخارا سے چار فرسنگ پر ھے)-

(۱۴) "چوگوشہ ورینہ" (غالباً البرز کے گرد و نواح سے مراد ھے)-

(۱۵) "ھپت ھیندو" یا ھفت دریا (پنجاب)-

(۱۶) "وہ حصہ جو دریاے رنھه کی طغیانیوں کے نزدیک ھے اور جہاں کے باشندے بے سردار کے زندگی بسر کرتے ھیں"—

---

* مرتبہ ڈے خویہ (جلد ششم جغرافیات عرب) صفحہ ۲۵ اور ۲۰۳ —

کائیگر اور دیگر محققین خیال کرتے ہیں کہ یہ فہرست مقامات قدیم ایرانیوں کا سفر نامہ ہے گویا جب وہ ابتداءً ہند - ایرانی گروہ سے ' جن کا وطن پامیر کا علاقہ تھا ' جدا ہوے اور ایران میں داخل ہوے تو انہوں نے اُن اُن مقامات میں نقل مکان کیا - تارکان وطن کی پہلی جماعت مغرب کی جانب سغد ' مرو ' بلخ ' نسا اور ہرات میں پھیل گئی ؛ دوسری جماعت نے جنوب اور جنوب مغرب میں پنجاب ' کابل اور اضلاع ہلمند کا رخ کیا ' جو ذرا دلیر تھے وہ مغرب کی طرف بڑھتے چلے اور 'جرجان ' و ' رے ' میں آباد ہوگئے - لیکن یہ ترتیب مقامات چوں کہ اپنے ساتھ جغرافیائی ثبوت نہیں رکھتی اس لئے ثوق کے لائق نہیں ہے - بظاہر اس کا امکان ہے کہ یہ فہرست مقامات ایرانیوں کے ملکی فتوحات نامہ کی بجاے مذہبی اشاعت نامہ ہو اور اگر ' ایریانہ و یجو ' زیادہ یقینی طور پر ' آذربایجان ' کا قدیم نام ثابت ہوجاے تو ہمارے اس خیال کو نہایت تقویت پہنچ جاے گی اور جس

نظریہ کو ہم قرین قیاس کہہ چکے ہیں اُس کے ص بھی اس سے بھی

اظ کر کے اعلم و فضل

کوئی حجت باقی نہیں رہے گی ' یعنی یہ ک

و توجہ ظاہر

اصلی جنم بھوم شمال مغرب بعید ہے اور اس

و ختم کر ذخاص کر ارسطو

سے پہلا مقام شمال مشرق بعید - تاریخ شا ہے کہ تار اسی کے ذریعے

مذہب کو اپنے وطنوں میں کامیابی ات پھر دہرا دبانوس ہوا - عربی

ثبوت کی ضرورت ہ (انڈوایرین) دور —

زرتشتی مذہب کے لئے دور —

آسوري اثرات

ہند - ایرانی اور قدیم ایرانی دوروں کے بعد ایران پر اثر ڈالنے والا ایک اور زمانہ ہے جسکو محقق اشپیگل * نے کمال دقیقہ سنجی سے دریافت کیا ہے اور اس پر بحث بھی کی ہے ' یہ آسوری دور ہے اور اشپیگل اس کا آغاز ایک ہزار برس قبل مسیح بتاتا ہے - آنکھوں کو اس زمانے کا اثر ہخامنشی دور کے کتبات و کندات میں صاف نظر آتا ہے بلکہ اشپیگل کی تحقیق کے مطابق ایران کے متعدد آئین مذہب ' روایات اور افسانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کو آرین کی بجاے سامی قرار دینا صحت سے زیادہ قریب ہے۔ عجیب بات ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں سامی اثر ایران پر بغایت چھایا ہوا ملتا ہے ' اواخر ساسان اور دور اسلام میں عربوں کا اثر تھا ' اوائل ساسان اور اواخر پارتھیہ میں آرامی اور اس سے قدیم تر ازمنہ میں آسوریوں کا - یہ امر اس درجہ روشن ہے کہ اس کے تسلیم کرانے کے لئے زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں؛ اس کے باوجود لسانی و نسلی تعلقات کو ادبیات و مذہب ۔ات کے مقابلہ میں زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے !

طۂ نظر ہے جو خالص لسانی تحقیقات سے پیدا

۔ فارسی زبان کے مطالعہ میں گونا گوں

، - انگلستان میں عبرانی کی تعلیم کم ہے

کی وسیع تعلیم سے کوئی دسبت نہیں:

۱٫۱۶۷ اسکاٹ لینڈ کے ایک

۱۶۴ تا ۱۶۸۵ " ایرانی

پہلا موقعہ "۔

" کووے نین تر "(پابند عہد)" یا انگلستان کے ایک پیوری تن"
(پابند شرع) کے محرکات و طرز عمل کو سمجھنے کے لئے
انجیل کی معلومات اسی قدر ضروري ہے جس قدر کہ یونانیوں
کے ادبیات قدیم (کلا سکس) کی واقیفت - ایران کی نسبت بھی
جہاں علم و ادب اور آئین و مذہب کے لحاظ سے سامی اثرات
نے بڑے پیمانے پر تسلط جمایا یہ قول زیادہ صیح طور پر صادق
آتا ہے - اگر خیالات و ادبیات عجم کے مطالعہ کی غرض سے ضروری
سامان فراہم کرتے وقت ہمارے سامنے یہ سوال پیش کیا جائے کہ
اس کام کی استعداد کے لئے سامی اور آرین زبانوں میں تم کس
زبان پر کا تبحر زیادہ پسند کروگے تو ہم فوراً صرف اس خیال
کی بنا پر جو ابھی بیان ہوچکا ہے السنۂ سامی کو بلا تامل ترجیح
دیں گے - کیونکہ پہلوی کی تحقیق کے واسطے آرامی زبانوں کا
علم لازمی ہے اور ایران کے ما بعد اسلامی خیال و ادب کا
نتیجہ خیز تفحص عربی کتابوں کو چاٹے بغیر نا ممکن ہے -
بخلاف اس کے ان دونوں اغراض کے لئے سنسکرت کا جاننا عملاً ضا
بے سود ہے بلکہ اوستا کی شرح و وضاحت میں بھی اس سے بھی
کو روک تھام کے اور پہلوی روایات کا پورا لحاظ کر کے ا علم و فضل
کرنا چاہئے— و توجہ ظاہر

۱۷ خلاصۂ کلام

اس تمہیدي باب کو ختم کرنےخاص کر ارسطو
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تارں اسی کے ذریعے
ان مختلف دوروں کو بشکل عنوانات پھر دھرا دیاجاوس ہوا- عربی

(۱) ہند-ایرانی (انڈوایرین) دور—

(۲) قدیم ابتدائی دور—

(۳) آسوری اثرات کا دور (ایک ہزار قبل مسیح یا اس سے بھی پہلے کا، دیکھو صفحہ بالا ۲۰) —

(۴) میڈوي دور (سنہ ۷۰۰ قبل مسیح) —

(۵) قدیم ایرانی (ہنحا منشی) دور (سنہ ۵۵۰ قم) —

(۶) وقفہ یعنی سکندر کے حملے سے ساسانی عروج تک کا زمانہ (سنہ ۳۳۰ قبل مسیح سے ۲۲۶عیسوی تک) —

(۷) ساسانی دور (۲۲۶ - ۶۵۲ع) —

(۸) اسلامی دور یعنے ساسانیوں کے زوال سے آج تک —

ان میں سے آخري دور ہمارا خاص مطمح نظر ہے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اس دور میں سے اور بہت سی اہم شاخیں نکلتی ہیں، مگر اس پر قلم اُٹھانے سے پہلے ادبیات فارسیء قدیم، اس کا انکشاف اور چند دیگر مسائل متعلقہ کی بحث آئندہ باب میں ختم کردینی ضروري ہے —

باب دوم

ایران قدیم کے کتبات اور مرقومات کا انکشاف، اُن کے معانی و مطالب کا تعین اور دیگر مسائل زبان

یورپ اور علوم مشرقیہ

اس باب میں مختصر طور پر ہخامنشی کتبوں کی ''فارسیء قدیم'' ''زبان اوستا'' اور ''دور ساسانیہ کی پہلوی'' سے بحث کی جاے گی لیکن یاد رکھنا چاهئیے کہ یورپ میں ان تینوں زبانوں کے معمات حل کرنے سے بہت پہلے جدید یا ما بعد اسلامی فارسی کو دلچسپی اور مطالعے کا موضوع بنا لیا گیا تھا؛ یہ صورت قدرتی اقتضا اور عملی ضرورت پر مبنی تھی مگر فارسی جدید سے بھی پہلے عربی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا اور ارباب علم و فضل اس زبان کے لئیے فارسی سے کہیں زیادہ اشتیاق و توجہ ظاہر کرتے تھے، سبب یہ تھا کہ اس میں اهل یونان خاص کر ارسطو کا فلسفہ محفوظ تھا اور مغربی یورپ اول اول اسی کے ذریعے سے یونانی علم و حکمت سے پورے طور پر مانوس ہوا۔ عربی

سے یورپ کی زبانوں میں جو تراجم ہوے وہ بارھویں صدی کے شروع میں سب سے پہلے اُن مور اور یہودی لوگوں نے

بارھویں صدی

کئے تھے جنھوں نے دین مسیح اختیار کر لیا تھا*' ان کے بعد ترجمہ کا کام خود اهل یورپ نے سنبھالا' سب سے پہلا مترجم جرارڈ قرمونی (ولادت سنہ ۱۱۱۴ع) تھا۔ دوسرا البرٹس میگنس (ولادت سنہ ۱۱۹۳ع) جو عربی لباس پہن کر پیرس میں فارابی' ابن سینا اور الغزالی کی تصنیفات کی مدد سے ارسطو کی تعلیم پر لیکچر دیا کرتا تھا۔ تیسرا میکائیل اسکاٹ' اس کی عربی تعلیم غالباً سنہ ۱۲۱۷ع میں بمقام طلیطلہ ہوئی تھی۔

---

* قدیم مستشرقین کے متعلق دلچسپ اور مبسوط معلومات جن کتابوں میں ملتی ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) "گے لیا اوریئنٹ تے لس" مصنفہ پال کلوسے (اپیرا' ہیمبرگ سنہ ۱۷۰۹' صفحات ۱-۲۷۲)

(۲) "تاریخی حالات" یہ حالات نہایت عمدہ ہیں' گستاوڈوگا نے اپنی مفید کتاب "مستشرقین یورپ' ۱۲ تا ۱۹ویں صدی" (پیرس ۱۸۶۸ع) میں ان کو شامل کیا ہے' ہم نے کتاب مذکور سے اس حصے میں بہت کچھ استفادہ کیا ہے—

(۳) موسیو یورداں کا رسالہ جس میں مسائل ذیل کی ناقدانہ تحقیق کی گئی ہے۔ کتب ارسطو کے تراجم لاطینی کا زمانہ کیا تھا اور مترجمین کون تھے اور کون کون سی یونانی اور عربی شروح جو نصاریٰ کے علماء متکلمین کے درمیان متداول تھیں—

تیرھویں صدي میں راجر بیکن اور ریمنڈ لل نے اھل یورپ

تیرھویں صدی

کو سمجھایا کہ فلسفے اور سائنس کے لئے مشرقی زبانوں کا سیکھنا نہایت ضروری ھے - سنہ ۱۳۱۱-۱۳۱۲ع میں پوپ کلیمنٹ پنجم نے یہ فرمان نافذ کیا کہ عبرانی، کلدانی* اور عربی کی تعلیم کے لئے روما، پیرس، بولون، آکسفورڈ اور سلمنکا میں انتظام اور

چودھویں صدی

پروفیسروں کا تقرر کیا جائے، لیکن تیرہ برس نہ گزر نے پائے تھے کہ سنہ ۱۳۲۵ع میں کلیسا نے اس پر شدید نگرانی شروع کردی کہ مبادا مسیحی اعتقادات کو صدمہ پہنچے - ان پانچ تعلیم گاھوں میں ھر جگہ دو دو پروفیسروں کی منظوری تھی جن کی تنخواھیں حکومت یا کلیسا کے ذمے تھیں اور جن کا کام یہ تھا کہ وہ ان زبانوں کی مشہور و بہترین تصنیفات کا لاطینی زبان میں صحیح ترجمہ کریں اور اپنے شاگردوں کو اغراض اشاعت عیسویت کے لئے ان کا بولنا سکھائیں—

سولھویں صدی

لیکن معلوم ھوتا ھے کہ یہ مستحسن تجاویز ابتداءً کامیاب نہ ھوئیں اور تعلیم عربی میں کوئی معتد بہ ترقی نہ ھو سکی جب تک کہ فرانسس پنجم نے سنہ ۱۵۳۰ع میں "کالج دے فرانس" کے نام سے ایک درسگاہ قائم نہ کی - ھر چند کہ آرمے کنگ مون پی لیے+

---

* آرامی—

+ مصنف لکھتا ھے : جہاں تک مجھے معلوم ھے فرانسیسوں

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

نے سنہ ۱۲۷۴ ع میں مصنفات بو علی سینا اور ابن رشد کے بعض اجزا کا ترجمہ لاطینی میں کیا تھا مگر ایم تدوگا کی یہ راے ہے کہ ولیم پوستل* پہلا فرانسیسی تھا جو "مستشرق" کے معزز لقب کا مستحق ہے اور بظاہر یہی وہ شخص ہے جس نے پہلے پہل عربی ٹائپ ایجاد کیا - سنہ ۱۵۸۷ ع میں ھنری سوم نے کالج دے فرانس میں عربی پروفیسر کی اسامی قایم کی۔ اس کے چند سال بعد سیویر دے بریو فرانسیسی سفیر ھو کر قسطنطنیہ گیا - سیویری کو علوم مشرقیہ کا خاص ذوق تھا، اس نے مشرق میں عمدہ ٹائپ بنوائے اور انھیں پیرس لے گیا، جب وہ مرا تو ٹائپ کا یہ تمام سامان جس میں عربی، سریانی، فارسی، ارمنی اور حبشی ٹائپ شامل تھا سیویری کے عربی، ترکی، فارسی اور شامی مخطوطات سمیت لوی سیزدھم نے پادریوں کی مالی امداد سے خرید لیا اور شاھی مطبع کے حوالے کر دیا —

سترھویں صدی

لیکن فنون مشرقیہ کی تکمیل سترھویں صدی عیسوی سے شروع ھوتی ہے اور اُس وقت سے اب تک ترقی مسلسل و مستقل چلی جاتی ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷)

میں آرمےگندس پہلا شخص ہے جس نے السنۂ مشرقیہ کی تعلیم حاصل کی - طبیب تھا اور فلپ ابن سینٹ لوئی کے عہد ۱۲۰۰ میں ھوا ہے —

* ۹۵ یا ۹۶ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۵۸۱ع میں فوت ھوا، دیکھو گیلیہ اوریئنٹ تےلس صفحہ ۵۹ تا ۶۶ —

مثلاً اس صدی میں سرطامس ایڈمز اور آرچ بشپ لاڈ کی کوششوں سے تعلیم عربی کی دو اسامیاں ایک تو کیمبرج (۱۶۳۲ع) اور دوسري اکسفورڈ (۱۶۳۶ع) میں قائم هوئی۔ اکسفورڈ میں علامه پاکاک کا تقرر کیا گیا اور کیمبرج میں علامه ابراهیم وهیلاک کا جس کے متعلق عربی اور انگلو سیکسن کی تعلیم کے علاوہ یونیورسٹی لائبریرین کی خدمت بھی تھی۔ وهیلاک کے شاگردوں میں مشہور علامه طامس هائڈ تھا جو

طامس هائڈ

بعد میں بمقام اکسفورڈ عبرانی و عربی کا پروفیسر هوا۔ هائڈ کی تالیف "قدیم اهالیان عجم و پارتھیه و میڈیا کی تاریخ مذهب" کو، جو مؤلف کی وفات سے* کچھه بعد ایک سال پہلے سنه ۱۷۰۰ع میں طبع بھی هو گئی تھی، سترهویں صدی کے اختتام میں اس موضوع پر علماء کے انتہائی مبلغ علم کا ایک نمونه سمجھنا چاهئیے بلکه اس کے بعد تک کا۔ کیونکه آنکتیل دے پیروں کے فوائد علمیه جن سے ایک نیا دور شروع هوتا هے سنه ۷۱-۱۷۶۳ میں شائع هوئی۔ لهذا مناسب معلوم هوتا هے که هم اس موضوع کی ابتدا هائڈ کے خیالات سے کریں کیونکه اس کی محنت و دقیقه سنجی، علم و تبحر اور کمالات لسانی کی بدولت اس کی کتاب اُس زمانے کی معلومات کے لحاظ

---

* هائڈ نے ۱۷۰۱ع میں بوڈلین کے عهدۂ لائبریرین سے سبکدوشی حاصل کی اور ۱۸ فروری سنه ۱۸۰۲ع میں رحلت کی، یہاں جس کتاب کا حواله دیا گیا هے وہ "تاریخ مذاهب..." (مطبوعه ۱۷۶۰) طبع ثانی هے۔

سے جامع و مکمل ھے ؛ ھائڈ کو ایک سہولت یہ بھی تھی کہ وہ بوڈلین کا مہتمم کتب خانہ تھا ' اُس نے قدما کی جن کتابوں سے استفادہ کیا وہ ذیل میں درج کی جاتی ھیں :—

(۱) " سہ کتب " (مطبوعہ پیرس ۱۶۳۰ از بر نابی ڈے بریسون ' اس کتاب کے ماخذ خالص طور پر یونانی اور لاطینی مصنفین کے بیانات ھیں —

(۲) " مذھب پارسیاں * " سنہ ۱۶۳۰ ع از ھنری لارڈ —

(۳) " موجودہ ایران " از سانسون —

(۴) سفر نامہ پیڈرو ٹیکسرا (سنہ ۱۶۰۴ ع)—

(۵) سفرنامہ پییر گبریل ڈے شی نوں (سنہ ۱۶۰۸ - ۱۶۵۰ ع)—

(۶) سفر نامہ ڈے ورنیر (سنہ ۱۶۲۹ - ۱۶۷۵ ع)—

(۷) اولی اے ری اس (سنہ ۱۶۳۷ - ۱۶۳۸ ع)—

(۸) سفرنامہ تھوے نو (سنہ ۱۶۶۴ - ۱۶۶۷ ع)—

(۹) سفر نامہ شارڈاں (سنہ ۱۶۶۵ - ۱۶۷۷ ع) -

(۱۰) سفر نامہ پیڈتی ڈے لاکرا (سنہ ۱۶۷۴ - ۱۶۷۶ ع)—

---

* یہ ایک رسالہ ھے کیوں کہ اس کے کل صفحے ۵۳ ھیں ' پورے نام کے لئے دیکھو ضمیمہ کتاب ھذا - مصنف نے اپنا سرمایہ معلومات ایک پارسی سے جو کمپنی میں ملازم اور اوسط درجہ کی انگریزی جانتا تھا فراھم کیا تھا - اس کتاب میں پارسیوں کے اعتقادات کی نسبت جو کچھ لکھا ھے وہ بہت کم ھے اور ژند و اوستا کی بابت تو اتنا بھی نہیں کہ براہ راست تو درکنار بالواسطہ واقفیت پر ھی مبنی ھو—

(۱۱) سفر نامہ سیموئل فلوور (سنہ ۱۶۶۷) —

ان کے علاوہ متعدد عربی ' فارسی ' ترکی' عبرانی ' اور سریانی زبانوں کے مخطوطات تھے جن کو ھائڈ نے ایسے حسن لیاقت سے استعمال کیا ھے کہ ذھن عش عش کرتا ھے - اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دوستوں کے ذریعہ جو اُس وقت ھندوستان میں موجود تھے وھاں کے پارسیوں سے زبانی طور پر مزید حالات دریافت کرکے اپنے گلزار معلومات کو آراستہ کیا - مختصر یہ کہ اُس کی تالیف علم و فضل کی ایک یادگار ھے اور جب ھم اس زمانے کی مشکلات اور ذرائع تحقیقات کی کمی پر نظر دوڑاتے ھیں تو اس کتاب کی جامعیت پر رشک آتا ھے - مصنف کی براقی طبع کا یہ عالم تھاکہ بعض باتوں کو جن کی تصدیق و توثیق مدتوں بعد ھوئی اس نے اپنی پیش بینی سے پہلے ھی جان لیا تھا - چنانچہ اس نے عربی " ماہ " سے جو بعض مقامات کے ناموں کے ساتھہ لگا دیا جاتا تھا لفظ " سیڈیا " کا تعلق دریافت کرلیا تھا (صفحہ ۴۲۴) ' وہ با خبر تھا کہ ایران کے پارسیوں میں ایک عجیب "گبری" بولی رائج ھے (صفحہ ۳۶۴ - ۴۲۹) ' اُسے معلوم تھا کہ فرقۂ حروفی مانوی مذھب کی جدید صورت ھے (صفحہ ۲۸۳) ' اُس نے البلداری کے نایاب عربی ترجمہ شاھنامہ کو خوب کھنگالا ' پارسیوں کے آخر زمانے کی تصنیفات مثلاً " زر تشت نامہ " " صددر " اور فارسی ترجمہ " اردہ وراف " وغیرہ کا مطالعہ کیا بلکہ " صددر " کا پورا لاطینی ترجمہ بھی اپنی کتاب میں شامل کردیا ھے ' اس کے سوا وہ " ژند " کے

رسم الخط* سے بھی واقف تھا —

ڈاکٹر ھائڈ کی قدیم فارسی زبانوں سے واقفیت

ڈاکٹر ھائڈ کی لیاقت و ذھانت کا تو یہ حال تھا مگر وہ پہلوی یا اوستا کی زبان سے بالکل نا بلد تھا' ژند اوستا یا اوستا و ژند کے معنوں کو بالکل غلط سمجھا اور اس نے ثابت کرنا چاھا ھے کہ قدیم ایرانی کتبے کوئی تحریر نہیں بلکہ محض عمارتی نقش و نگار ھیں - آنکتیل دوپیروں نے بھی اپنی کتاب کی تمہید صفحہ ۴۸۹ ' ۴۹۸ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ھے کہ ھائڈ فارسی کی پرانی زبانوں میں سے ایک بھی نہ جانتا تھا بلکہ اوس کا سوءظن یہاں تک دوڑتا ھے کہ ھائڈ کی تصنیف میں اول سے آخر تک ژندی حروف گویا فارسی جملوں کا لباس ھیں جو پارسیوں کے بعد کے مرقومات سے لیکر نقل کردئیے گئے ھیں - لیکن آنکتیل کا یہ حملہ بےجا ھے اور اس کا ثبوت غیر ضروری ' کیونکہ ھائڈ کے پاس اوستا کا ایک قلمی حصہ واقعی موجود تھا اور اس نے " یاسنا " کے اُس

---

* سر ڈبلیو جونس نے ایک خط میں جس کا حوالہ بعد میں آے گا (صفحہ ...) یہ لکھا ھے کہ ڈاکٹر ھائڈ نے جن " ژندی " حروف کا نمونہ اپنی کتاب میں درج کیا ھے اُس کا سانچہ اپنے ذاتی استعمال کے لئے تیار کرا لیا تھا' یہ سانچہ نہایت عمدہ تھا اور جو سانچہ اوستا کی سب سے آخری طبع میں (باھتمام گیلڈنر) استعمال ھوا ھے اُس سے کہیں خوبصورت ھے —

قلمی نسخے * کو بھی دیکھا تھا جس کو سترھویں صدی کے وسط میں ایک انگریز تاجر موتی نے کمبرج کے عمانویل کالج میں تحفے کے طور پر دیا تھا ' مگر وہ ان کو سمجھتا نہ تھا' کیوں کہ وہ خود اقرار کرتا ھے کہ میں پڑھ سکتا تو ان بیش بہا مرقومات سے کام لیتا - اب یہ صاف ھوگیا کہ بجز حرفوں کے جنہیں ھائڈ نے استعمال بھی کیا ھے وہ قدیم فارسی زبان سے نا اشنا تھا - زرتشتی کتاب الہامی کے نام کی بابت اُس نے فرض کرلیا تھا کہ وہ غیر زبان کا دوغلہ لفظ ھے جس کا ایک جزو " ژند " بمعنی چقماق عربی ھے اور دوسرا 'اِشدا' بمعنی آتش ' عبرانی -

---

* دیکھو ھائڈ کی کتاب موصوف الصدر صفحہ ۳۴۴ وغیرہ - عمانویل کے نسخہ پر آجکل نمبر ۳ - ۲ - ۹ پڑے ھوے ھیں اور انگریزی میں یہ لکھا ھے " اس کتاب کا نام ' اِجاسلے ' (یاسنا) اور اس کی زبان ' جین وستا ' (ژند اوستا) اور اس کا موضوع قدیم مذھب پارسیاں ھے " - اس کے ساتھ ایک ردی کاغذ بھی ھے جس پر بزبان جرمن یہ تحریر ھے کہ یہ کتاب یاسنا کا نسخہ ھے غیر مکمل ' صرف دو باب ۵۰ سطر ' (ویسٹر گارڈ) تک جاتاھے یعنی آخری چوتھا حصہ اس میں سے غایب ھے ؛ اس نسخے پر کوئی تاریخ بھی نہیں ' غالباً سترھویں صدی کے وسط کا ھو - گو کہ یہ نسخہ خود تو قدیم نہیں مگر ھے کسی اچھے نسخہ کی نقل - اس کی عبارت مستند نسخوں سے ملتی ھے مگر کامل طور پر ایک نسخے سے بھی نہیں ملتی- نسخہ ک - ۱۱ سے بہت ھی مطابق پایا جاتا ھے ' املا درست ھے - چونکہ یہ بھی بجاے خود ایک مستقل قلمی نسخہ ھے اس لئے متن قائم کرنے کےلئے خاص اھمیت رکھتا ھے —

کلدانی (کتاب ھائڈ صفحہ ۳۳۵ و بعد)۔رھے قدیم فارسی کتبات ان کو وہ فضول چیزیں تصور کرتا ھے اور کہتا ھے کہ ان کو دیکھکر لوگوں کو استعجاب ضرور پیدا ھوا ھے مگر بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ ان پر توجہ مبذول کی جاے ، صفحہ ۵۴۶) - الغرض وہ نہایت شد و مد کے ساتھہ یہ بیان کرتا ھے کہ کتبے نہ تو کتبے ھیں اور نہ ان کی عبارت فارسی قدیم (۵۴۷) بلکہ وہ اصل معمار کے اختراعی نقش و نگار ھیں (۵۵۶ - ۵۵۷)—

نقش رجب پر دوسری عبارتوں کے قریب جو پہلوی سطریں کندہ ھیں اُن کے خط کو بھی وہ کسی قسم کا فارسی خط تسلیم نہیں کرتا ، نیز ساسانی پہلوی کے کتبے نمبر ایک اور چار کی بابت وہ خامہ فرسائی کرتا ھے کہ "یہ حروف قدیم فارسی کے حروف نہیں ھو سکتے، قدیم فارسی کی قدیم کتابیں ھمارے پاس موجود ھیں اور یہ حروف ان کتابوں کے حروف سے بالکل مختلف ھیں" صفحہ (۵۴۸) —

آنکتیل دوپیرون ۱۷۵۴ - ۱۷۷۱ع

سنہ ۱۷۵۴ ع تک ایران کے متعلق معلومات کی یہ حالت تھی جو مذکور ھوئی ' اوستا کے خیالات سربستہ کو زیادہ سمجھنے کی کوئی مزید کوشش نہیں ھوئی تھی حالانکہ اس وقت تک اُس کے دو ایک نسخے انگلستان پہونچ چکے تھے مثلاً ویندیداد کی ایک جلد جس کو جارج بوت شیر (باؤ شیر) نے ھندوستان کے پارسیوں سے سنہ ۱۷۱۸ ع میں حاصل کیا تھا اور ریچرڈکاب نے سنہ ۱۷۲۳ع میں انگلستان پہونچا کر بوڈلین لائبریری

میں پیش کیا جو اب تک وہاں موجود (ہے بوڈلین نمبرا ۳۲)؛
اور یاسنا کے دو نسخے جن کو فریزر نے سورت میں خریدا تھا، فریزر نے بعض پارسی دستوروں سے خواہش بھی کی تھی کہ وہ اُس کو پہلوی اور اوستا کی زبانیں سکھا دیں مگر وہ اس خواہش میں تشنہ کام رہا۔ آخرش سنہ ۱۷۵۴ع میں وینڈیداد کے بوڈلین والے نسخہ کے چار صفحوں کی نقل ایک نوجوان فرانسیسی آنکتیل دو پیرون کے ہاتھہ لگ گئی جس کا سن اس وقت بیس سے زیادہ نہ ہو گا، ورقوں کو دیکھکر اس نو جوان سے جس کے پہلو میں سچا فرانسیسی دل تھا، نہ رہا گیا، تحقیق و طلب علم کے جوش نے گدگدایا اور وہ اپنے ملک و وطن کے واسطے شرف دوام حاصل کرنے کو کھڑا ہو گیا، اس نے عزم بالجزم کیا کہ اس قدیم مذہب کے دفیلوں کو پارسی دستوروں کے قبضہ سے نکال کر علمی دنیا کے سامنے آئین زرتشت کا ایک ایسا جامع حال پیش کرنا چاہئے جو غیر پارسی یا موجودہ زمانے کی پارسی تحریروں سے ماخوذ نہ ہو بلکہ خود قدیم اور الہامی کتابوں پر مبنی ہو۔ علمی شوق اور جوانی کی اُمنگ نے سفر کے لئے اُس کو اس قدر بے چین کر دیا تھا کہ سلطنت کی جانب سے مالی امداد اور سامان سفر کا وعدہ تھا مگر اُس کو تاب انتظار نہ ہوئی اور وہ فوراً فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی میں بہ حیثیت ایک معمولی سپاہی کے بھرتی ہو گیا تا کہ جلد سے جلد ہندوستان جا پہنچے:
اُس کا ارادہ اس قدر پختہ اور اس کا جوش اس قدر سچا تھا کہ با وجود مشکلات و مایوسی، مخالفت و بے اعتنائی، صعوبت

و بیماری، آفات بحر اور خطرات جنگ کے وہ سات برس چھہ ماہ تک اپنی دھن میں لگا رہا حتیٰ کہ ۱۵ مارچ سنہ ۱۷۶۲ع کو طویل و پر خطر جلا وطنی کے بعد اپنے وطن پیرس پہنچا اور اپنی فوق‌البشر کاوشوں کے جواہرت یعنی قیمتی نسخوں کو شاہی کتب خانہ (بب لیوتھک توراے) کی گود میں لا ڈالا۔ لیکن اُس کی جد و جہد یہیں ختم نہیں ہوتی، ترتیب مضامین اور تنقیہ مسائل میں اُس کو نو برس تک صبر و خاموشی کے ساتھہ اور دماغ سوزی کرنی پڑی۔ باالآخر سنہ ۱۷۷۱ع میں اُس کی مساعی کا آخری مگر مدلل کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں تیار ہو کر اس طولانی نام کے ساتھہ دنیا کے سامنے آیا:—

> ژند اوستا یا کتاب زوراستر جس میں اس مقنن کے مذہبی، مادی اور اخلاقی خیالات اور اُس کی قائم کردہ مذہبی رسوم درج ہیں جن میں ایرانیوں کی قدیم تاریخ کے مضامین فرانسیسی ترجمے و حواشی کے ساتھہ شامل ہیں اور جس میں چند ایسے رسالے بھی داخل کر دئے گئے ہیں جو کتاب کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں—

یہ تالیف یورپ میں کامل طور پر دور آفریں یا بقول جرمنوں کے " راہ تراش" کتاب تھی۔ آنکتیل نے جس کام کا بیڑا اُٹھایا اس کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا۔ رہی تفصیل کی چھان بین یہ اُس کے جانشینوں کا کام تھا۔ آنکتیل کی کتاب اس عنوان کی پہلی کتاب تھی اس لئے قدرتی طور پر اس میں

غلطیوں * کا ہونا ضرور ہے تاہم اس کتاب کا پایہ نہایت بلند ہے، اُس وقت سے آج تک زرتشتی مذہب اور زبان کی بابت جس قدر ادبی، لسانی، قومی اور فلسفیانہ انکشافات ہوے ہیں وہ سب آنکتیل کی کاوش کا طفیل ہے —

آنکتیل کی اُلوالعزمیاں

آنکتیل کی تفصیل سفر کے لئے یہ مقام موزوں نہیں، اس کا جامع حال خود اُس کی کتاب جلد اول (صفحہ ۱ – ۴۷۸) میں ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صفحات صرف اس کے ذاتی حالات سے بھرے ہوے ہیں جن کا حذف کردینا شاید ایسا ہی مفید ہوتا جیسا ان کا اندراج، بہر حال اس میں کچھ کلام نہیں کہ ان حالات کی بدولت اس کتاب کو تحقیر و ملامت کا نشانہ بنانے میں اس کے دشمنوں کو بہت آسانی ہوئی، گو یہ تحقیر جو اس کتاب کو نصیب ہوئی صرف عارضی تھی - بہر کیف اس کے سفر کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ اُس نے تھوڑا سامان لیا جس میں چند کتابوں کے علاوہ دو قمیصیں، دو رومال اور ایک جوڑہ جراب کا تھا، بھائی کے سوا جو اخفاے حال کا پابند کرلیا گیا تھا کسی کو کانوں کان خبر نہ کی اور ۷ نومبر سنہ ۱۷۵۴ ع کو اپنی پلٹن کے ساتھہ جس کے افراد کو وہ ناپسند کرتا تھا اور جن کو وہ " یہ وحشی " کہہ کر یاد کرتا ہے اور پیرس سے لوریاں

---

* مثال کے لئے دیکھو ہوگ کی کتاب " پارسیوں پر مضامین" مرتبہ ویسٹ (دوسری ایڈیشن لندن ۱۸۸۴ ع) صفحہ ۲۴ —

(" مشرق ") کی جانب روانہ ہوا - ۱۶ نومبر کو جب یہاں پہنچا تو اُس کو سرکاری اطلاع موصول ہوئی کہ شاہ فرانس نے بطور مراحم خسروانہ پانسو فرانک کا وظیفہ اور فرانس سے ہندوستان تک فرسٹ کلاس کا کرایہ منظور فرمایا ہے - اس کے بعد ۷ فروری سنہ ۱۷۵۵ ع کو وہ جہاز میں سوار ہوکر ہندوستان روانہ ہوا اور چھہ ماہ کی مسافت کے بعد ۹ اگست کو پانڈیچری پہنچا جہاں گوپل کمانڈر فرانسیسی افواج نے تپاک کے ساتھہ اُس کا خیر مقدم کیا - پہنچتے ہی اُس نے فارسی شروع کردی جو بعد میں پارسی دستوروں اور اُس کے درمیان تبادلۂ خیالات کا ذریعہ بنی ' تین سال سے زیادہ کے بعد یکم مئی سنہ ۱۷۵۸ ع کو وہ سورت آیا جو اُس وقت تو فرانسیسوں کے قبضہ میں تھا مگر مارچ سنہ ۱۷۵۹ ع میں ان کے ہاتھہ سے نکل کر انگریزوں کے مقبوضات میں داخل ہوگیا - اس اثنا میں آنکتیل نے اپنے مقصد کے لئے جو کچھہ کیا وہ کچھہ نہ تھا ' بظاہر اس تعویق کا باعث کچھہ تو یہ ہوا کہ وہ پورے ہندوستان کے مذاہب ' رسوم ' السنہ ' اور نوادر و عجائبات کے معلوم کرنے میں لگ گیا (کیوں کہ اُس کی اصل تجویز میں پورا ہندوستان شامل تھا) اور کچھہ یہ کہ اُس زمانے میں سیاسی پیچیدگیوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا - تاہم گونا گوں دشواریوں کا مقابلہ کرتا ہوا وہ تاریخ مذکور کو سورت آیا اور یہاں دو پارسی موبدوں سےجن میں سےایک کا نام داراب اور دوسرے کا کاؤس تھا ربطضبط پیدا کیا- تین ماہ کی ٹھگ بازیوں اور لیت و لعل کےبعد ان پارسیوں

نے آنکتیل کو وینڈیداد کا ایک نسخہ دیا اور کہا کہ یہ بالکل صحیح اور مکمل نسخہ ھے مگر آنکتیل نے بنظر احتیاط ایک دوسرے نسخے کی فکر کی اور اس کے حاصل کرنے میں کامیاب ھوا۔منوچہر جی ایک اور دستور تھا، فروعی اختلافات مذھبی کے سبب داراب اور کاؤس سے اُس کا دل صاف نہ تھا ' ان کی ضد پر اُس نے فرانسیسی محقق کو ایک دوسرا قدیم اور عمدہ نسخہ وینڈیداد کا لاکر دیا - آنکتیل نے اُس کو پہلے سے ملایا تو اُس کو جلد پتہ چل گیا کہ پہلے حضرات نے دیدہ و دانستہ اُس کو ناقص نسخہ دے دیا تھا - آنکتیل نے اُن سے اس حرکت کی شکایت کی اور قائل معقول کیا''اب یہ دونوں ذرا زیادہ کھل گئے اور دھوکے کی باتوں سے بچنے لگے ' آنکتیل کو نئی نئی کتابیں لاکر دیں ' مثلاً داستان سنجان ' جس کا خلاصہ اس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱۸ - ۳۲۴ میں دیا ھے ' داستان سنجان میں یہ بیان کیا گیا ھے کہ ھندوستان میں وینڈیداد اور اُس کی پہلوی تفسیر کے جس قدر نسخے موجود ھیں وہ سب ایک فارسی کے اصل نسخے کی نقلیں ھیں جس کو ایک موبد مسمی ارد شیر چودھویں صدی عیسوی کےقریب سیستان سے لایا تھا ' اس کے علاوہ ان تعلقات کی تفصیل بھی درج ھے جو وقتاً فوقتاً ھندی اور ایرانی پارسیوں کے درمیان قائم رھے—

آنکتیل کی تصنیف

۲۴ مارچ سنہ ۱۷۵۹ ع کو آنکتیل نے لغت " پہلوی فارسی '' کا ترجمہ پورا کیا اور اس کے چھہ روز بعد وینڈیداد کا ترجمہ شروع کردیا ' دوران ترجمہ میں اس کتاب کے دونوں نسخوں کو مطابق

کرتا جاتا تھا، آخرش ١٦ جون کو اسے بھی ختم کیا - پھر
علالت نے آدبوچا، اسی حالت میں اس کے ایک هم‌وطن
نے اس پر وحشیانه طریق سے حمله کیا اور پانچ ماه
تک اسے کام کا هوش نه رها - صحت پائی تو ٢٠ نومبر
کو پھر اپنی دهن میں مصروف هوا - دستور داراب بھی
برابر مدد دیتا رها - اس اثنا میں بعض انگریزوں نے
بھی اس کی حفاظت و اعانت کی، خاص کر مسٹراسپنسر
نے جس کی تعریف میں وه رطب‌اللسان هے (صفحه ٣٤٦)
اور ارسکن نے - جب آنکتیل یاسنا، وسپیرو، ویند یداد،
پہلوی بندهش، سی روزه، روایات وغیره کے ترجموں سے فارغ
هوا تو اس نے آتش‌کده میں جاکر "آتش پاک"
کو دیکھا اور دخموں کی سیر کی مگر اس کی
بیماری عود کر آئی اور اس مرتبه اس کو اندیشه پیدا
هوا که مبادا اوس کی جانکاهیوں کا قیمتی ثمر تلف نه
هوجائے اس نے اور سفروں کا خیال جس میں سفر
چین بھی شامل تھا دل سے نکال ڈالا اور سورت سے بمبئی
کا عزم کیا - سفر میں انگریزوں نے پھر اس کی مدد کی
حالانکه انگلستان اور فرانس میں جنگ چھڑی هوئی تھی
لیکن آنکتیل ذرا نه جھجکا اور ان سے مدد چاهی جن کو
وه مقدمه کتاب صفحه ٤٣١ میں "عالی‌ظرف" کے لقب سے
یاد کرتا هے، بمبئی پهونچکر ایک ماه سے زیاده قیام کیا-
٢٨ اپریل سنه ١٧٦١ ع کو برسٹل جهاز میں اپنے قیمتی نسخوں
کو جو تعداد میں ایک سو اسی (١٨٠) [دیکھو ان کی فهرست

جلد اول صفحہ ۵۲۹ - ۵۴۱ پر] تھے ۱۸۰۱ ' خود سوار ہوا اور اسی سال ۱۷ نومبر کو پورٹس متھہ پہنچ گیا ' یہاں ایک پریشانی اس کی منتظر تھی ' جونہی بندرگاہ پر اُترا اس کے مسودات اور نسخے تو چنگی کی تحویل میں چلے گئے اور وہ خود معہ دیگر فرانسیسوں کے جنگی قیدی بن کر وکہم میں داخل ہوا - لیکن چونکہ وہ انگریزی حفاظت میں بسر کر رہا تھا اور صحیح معنوں میں اسیر جنگ نہ تھا لہذا اس کو بہت جلد فرانس جانے کی اجازت مل گئی - تاہم اگرچہ طویل بے وطنی کے بعد وطن کا شوق اس کے پہلو میں موجزن تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ اپنے بیش بہا اور مشکل یاب مرقومات کو جن کا خیال اس کے دل میں سمایا ہوا تھا ' سلامتی کے کنارے پر پہنچانے کے لئے بےچین تھا لیکن اوکسفورڈ کی مختصر زیارت اور اوکسفورڈ کے نسخہ جات اوستا کا مطالعہ کئے بغیر وہ انگلستان سے ہلنا نہیں چاہتا تھا - اس نے ایک مقام پر (صفحہ ۴۵۴ خود بیان کیا ہے :—

" میں نے صاف صاف کہدیا کہ چونکہ انگریزوں نے مجھکو خلاف قاعدہ قید کیا اس لئے جب تک کہ میں اوکسفورڈ کی سیر نہ کر لوں گا اس وقت تک انگلستان سے نہ جاؤں گا - یورپ کو واپسی کے وقت مجھے انگلستان کی راہ مجبوراً اختیار کرنی پڑی ' مجبوریوں میں ایک بات یہ

بھی تھی کہ میں اپنے نسخوں کو اس مشہور
یونیورسٹی کے نسخوں سے مقابلہ کرنا
چاہتا تھا " —

الغرض تعارفی خطوط کافی تعداد میں لےکر ۱۷ جنوری سنہ ۱۷۶۲ع کو اکسفورڈ پہونچا ' یہاں دو دن قیام کیا اور وکہم پورٹسمتھہ اور لندن ہوتا ہوا گریوسینڈ گیا جہاں سے ۱۴ فروری کو جہاز میں بیٹھہ کر آسٹنڈ چلا آخرکار ۱۴ مارچ سنہ ۱۷۲۲ ع کو پیرس پہنچ گیا اور دوسرے دن اپنے قیمتی نسخوں کو شاہی کتب خانے میں داخل کردیا —

تصنیف آنکتیل کی نا مقبولیت

آنکتیل نے اپنی کتاب کو سنہ ۱۷۷۱ع میں شایع کیا لیکن اس کے ذریعہ سے اوس نے علم و فن کی جو اہم خدمت انجام دی تھی وہ علمی دنیا کے ذہن نشین نہ ہوسکی۔ زرتشت کے عمیق فلسفی خیالات کی قدر ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی تھی حتی کہ یونان و روم بھی ان کا ثناخواں تھا لہذا اس کتاب سے علما و شایقین کو امید تھی کہ وہ عقل و دانش کا ایک مرقع ہوگی لیکن اس کی بجاے انھوں نے طفلانہ خرافیات ' خشک اعتقادات' تھکا دینے والے مکررات اور مضحک احکام کا ایک لا یعنی انبار دیکھا تو ہر طرف مایوسی کا عالم طاری ہوگیا ' آنکتیل بھی اس حالت سے آگاہ تھا بلکہ اُس نے مقدمے کے صفحہ ۱-۲ میں اس امر کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی

مگر یہ مایوسی سر ولیم جونس کے مشہور خط میں بلاے بے درماں کی طرح نمودار ہوئی - سر ولیم اس زمانے میں آکسفورڈ کے ایک نو جوان* گریجویٹ تھے - یہ خط جو فرانسیسی زبان اور والٹیر کے لہجے میں ھے ان کے کلیات (لنڈن ۱۷۹۹ع) کے آخر میں جلد چہارم صفحہ ۵۸۳ تا ۶۱۳ پر ھے' ۱۷۷۱ کا نوشتہ ھے اور یہ وھی سال ھے جبکہ آنکتیل کی کتاب شایع ھوئی تھی' اس کا طرز بیان جس قدر شستہ اور پر زور ھے اُسی قدر اس کے مطالب غضب آلود اور حقیقت سے دور ھیں - جونس نازک مذاق ادیب تھا اور آنکتیل کی عبارت میں طوالت بہت' اور حسن بیان مفقود تھا' پہلے تو جونس یوں برھم ھوا' اس پر آنکتیل نے کتاب میں جہاں حالات سفر لکھے ھیں وھاں ذرا خود ستائی سے بھی کام لیا ھے پھر انگریزوں کو بالعموم اور آکسفورڈ کے فضلا کو بالخصوص مذمت کا نشانہ بنایا ھے' اس انداز کو دیکھکر جونس کے تن بدن میں آگ لگ گئی' بلکہ ان خیالات نے اُس کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ مبتذل ھجو و دشنام پر اُتر آیا اور اس کے حریف نے جو کچھہ انکشافات کئے تھے اُن کی زبردست اھمیت حتیٰ کہ اُن کی حقیقت سے قطعاً انکار کر دیا حالانکہ یہ انکشافات اس پایہ کے تھے کہ آنکتیل کی سخت تر لغزشوں کی تلافی کرسکتے تھے - ڈارمشتیٹر نے اس موقع پر خوب کہا ھے کہ " ژند اوستا

---

*جونس کو بی - اے پاس کئے تین برس ھوئے تھے - عمر پچیس سال کی تھی - یونیورسٹی کالج کا فیلو تھا - ۴۸ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۷۹۴ع میں مرا —

کو اپنے پیش کرنے والے کے قصور کا خمیازہ بھگتنا پڑا ' آنکتیل کی بدولت زوراسٹر کی پوری قدر نہ ہوئی—

آنکتیل کی حمایت

حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے میں انگلستان و فرانس مصروف پیکار تھے' فرانسیسی ہمارے ہاتھہ سے زک اُٹھا چکے تھے' آنکتیل کو با وجود جنگی قیدی نہ ہونے کے ہمارے حدود میں قید کر لیا گیا تھا ' اگر ہم انگریزوں کے متعلق آنکتیل کی تحریر کو ان حالتوں کی عینک سے دیکھیں تو وہ انتہا درجے معقول اور مناسب نظر آئے گی بلکہ بحیثیت مجموعی وہ ہمارے لئے باعث مسرت و ناز ہو سکتی ہے۔ ثبوت میں اُس کی وہ پر جوش تعریف موجود ہے جو اس نے مسٹر اسپنسر کے لئے قلمبند کی (تمہید صفحہ ۳۴۶)' وہ الفاظ موجود ہیں جو اُس نے انگریزوں کی عالی ظرفی کے متعلق لکھے ہیں کہ یہ لوگ ایک مصیبت زدہ بلکہ دشمن قوم کے مصیبت زدہ شخص کے ساتھہ مہربانی کا سلوک کرتے ہیں (تمہید صفحہ ۱۴۳)' وہ بیان موجود ہے جس میں اُس نے مہماں نوازی اور نزاکت احساس کا اعتراف کیا ہے' اور اسی قسم کی اور تعریفیں۔ رہا یہ کہ وہ آکسفورڈ کے ایک دو عالموں اور ڈاکٹر سونٹن کے ڈیل ڈول اور سہ گوشہ ٹوپی پر منہ آیا یا اُس نے ڈاکٹر ھنٹ کے بے موقع مزاح اور ڈاکٹر بارٹن کے مغرور اور مجسٹریٹ نما تیوروں کی تحقیر کی' یہ باتیں فی نفسہ مضرت و عناد سے پاک ہیں۔ مختصر یہ کہ آنکتیل کی کتاب میں کوئی مقام ایسا نہیں کہ جونس کی شدید تضحیک یا رکیک الفاظ کا سزاوار ہو سکے

اور یہ تو کسی عنوان جائز نہ تھا کہ جونس نے اس کتاب کی اھمیت اور علمی حیثیت سے انکار کر دیا اور اس ماہ نو پر خاک ڈالنے کی کوشش کی جو ایسے غیر متوقع اور یقینی طور پر تاریخ و زبان علم اللسان اور دینیات مقابلی کے اکثر مسائل کو روشنی میں لانے والا تھا - ذیل میں چند نمونے درج کرتے ھیں جن سے اُس کے خط کا عام لب و لہجہ معلوم ھو جاے گا :—

سر ولیم جونس کے خط کے اقتباسات

" اے جناب، ایک اجنبی کا خط موصول ھونے پر تعجب نہ کیجئے گا۔ یہ اجنبی سچی قابلیت کی قدر جانتا ھے اور آپ کی قیمت بھی دریافت کرنے سے قاصر نہیں ، اجازت دیجئے کہ ھم آپ کو آپ کے گراں قدر انکشافات پر مبارکباد دیں ؛ آپ نے اکثر موقعوں پر اپنی جان گرامی کو خطرے میں ڈالا، متلاطم سمندروں کو کاٹا، پہاڑوں کو جن میں شیروں کی کثرت تھی ، طے کیا ، جیسا کہ آپ نہایت صفائی اور انکسار کے ساتھہ خود بیان کرتے ھیں آپ کی رنگت سوسن آزاد اور گل گلاب کی طرح سرخ و سفید تھی، آپ نے اس رنگت کو بگاڑا بلکہ اِن مصیبتوں سے بھی زیادہ آپ نے سخت مصیبتیں برداشت کیں اور یہ محض علم و ادب اور ان لوگوں کی خاطر جو آپ

کے مثل ہونے کی نادرالوجود مسرت
رکھتے ہیں —

آپ نے وہ دو قسم کی قدیم زبانیں
حاصل کیں جن سے یورپ آشنا نہ تھا اور
فرانس میں وہ کتابیں پہنچائیں جو آپ کی
محنتوں کا ثمر اور زوروآستر کی تصانیف
ہیں ' آپ نے اپنے دلچسپ ترجمے سے اہل
علم کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے ' آپ نے اپنی
ہوس کے منتہا ' اپنی پر جوش تمناؤں کے
مقصد کو پالیا اور آپ جمعیت کتبات کے
رکن بن گئے ہیں —

جیسا کہ ہمارا فرض ہے ہم اس ممتاز
اور عالی مرتبہ جمعیت کی عزت کرتے ہیں
لیکن ہمارا خیال ہے کہ آپ اس جمعیت کی
رکنیت سے بھی زیادہ معزز لقب کے مستحق
ہیں.......... کادموس سے بھی بڑے سیاح ہیں
اور کادموس کی مثل آپ نے نئے نئے اشخاص
اور نئے نئے دیوتاؤں سے ہمیں روشناس
کرایا ہے - سچ پوچھئے تو آپ کو کم از کم
مجوس اعظم یعنی گبروں کا لاٹ پادری
بنا دینا چاہئے' زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس
جدید عہدے پر مقرر ہونے کے بعد آپ اپنی
تحریروں میں گرمی بیان کو قدرے بیشتر

کام میں لانے کا موقع پائیں گے —

آپ ایک سیاح ہیں ، فاضل ہیں ، محقق نوادر ہیں ، ہیرو ہیں ، ہجو باز ہیں ، غرض وہ کون سا خطاب ہے جس کے آپ مستحق نہیں —

اب جناب! آپ ہمیں صحیح صحیح کہنے کی اجازت دیں کہ آپ کی الوالعزمی، آپ کے سفر و سیاحت ، آپ کی تین مجلدات اور آپ کے علم و تبحر کی نسبت ، جس کا آپ نے جی کھول کر اظہار کیا ہے ، ارباب فضل کیا خیال کرتے ہیں - ہر شخص کو چاہئے کہ وہ حقیقی علم و فضل کا اعتراف کرے لیکن ہر چیز اس قابل نہیں کہ اُس کا حال معلوم کیا جائے - سقراط نے جب ایک جوہری کی دکان کی کھڑکی دیکھی تو بولا "کس قدر چیزیں ایسی ہیں جن کی مجھے حاجت نہیں" اسی طرح جس وقت ہم مدعیان فضل و کمال کی تصانیف پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ "کس قدر باتیں ایسی ہیں جن کے حاصل کرنے کی ہمیں پروا نہیں ؛ اگر آپ اس آخری بات پر غور فرما لیتے تو آپ ان لاطائل فضول معلومات کو ہم تک پہنچانے کے لئے موت کا مقابلہ

نہ کرتے .... اگر یہ دلائل کامل طور
پر غلط نہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ھے کہ آپ کا
مقصد نہ تو پاکیزہ تھا اور نہ اھم ' مہذب
یورپ کو آپ کی ژندوستا کی مطلق ضرورت
نہ تھی ' آپ نے اس کا ترجمہ فضول کیا اور
آپ نے ۱۸ سال میں خواہ‌مخواہ وہ وقت
ضائع کیا جو آپ کے لئے انتہا درجہ
قیمتی ھوگا —

کس قدر بے وقعت ھے اُس بات کا
جاننا جسے کوئی شخص نہ تو جانتا ھے اور
نہ جاننا چاھتا ھے - عام طور پر خیال کیا
جاتا ھے کہ آپ یورپ کے ھر ایک عالم سے
زیادہ ژند کے الفاظ جانتے ھیں یا بالفاظ
دگر سخت اور ثقیل اور وحشیانہ الفاظ
کا ذخیرہ جو آپ کے ذھن میں محفوظ ھے
اوروں سے زیادہ ھے' کیا آپ کو خبر نہیں
کہ زبانوں کی ذاتی قیمت کچھہ نہیں .....
علاوہ ازیں' کیا آپ کو واقعی یقین ھے کہ
آپ نے ایران کی قدیم زبانیں سیکھی ھیں؟
آپ کی اجازت سے ھم یہ عرض کرنا چاھتے
ھیں کہ اگر ایران کی بولیاں زوروآسٹر کی
صرف ان مفروضہ کتابوں ھی میں محفوظ
ھیں اور جو علاوہ اور عیوب کے مکررات

لاطائل سے پر ھیں تو ھمارے لئے ممکن نہیں
کہ اُن زبانوں کو کبھی حاصل کر سکیں —
لیکن شاید آپ کہیں گے "تو پھر کیا
تمہارا یہ شبہ ھے کہ میں نے لوگوں کو دھوکا
دینا چاہا ھے" - نہیں جناب ھمارا خیال یہ
نہیں ھے، بلکہ تم خود دھوکے میں ھو - اس
وقت تک ھم کو آپ سے اس کے سوا اور کوئی
شکایت نہیں کہ آپ نے ھم کو سلا دیا اگرچہ
سلانا بجاے خود کوئی جرم نہیں، کیونکہ
جو لوگ ان خواب آور بخارات سے ڈرتے
ھیں اُن کے لئے آسان صورت یہ ھے کہ وہ
اس کتاب کا مطالعہ نہ کریں جس میں سے
یہ بخارات اُٹھتے ھیں یا مطالعہ کریں تو اسے
بھلا دیں؛ پرھیز بھی ایسا ھی اچھا ھے جیسی
کہ دوا قدرتی ھے -آپ کے طرز بیان کے متعلق جو
ٹھوس، پست ، ناشستہ، ثقیل ، موضوع سے
عموماً نا مربوط، انمیل اور بھر حال ناگوار
ھے، ھم کچھہ کہنا نہیں چاھتے........البتہ
آپ کی تحریر کے آخری حصے کی نسبت
کچھہ کہنا باقی ھے........آپ کے زوروآسٹر
صاحب نے نا شکر گزاروں کی کیا سزا رکھی
ھے؟- انہیں بیل کا پیشاب کسقدر پینے پر
مجبور کیا جاتا ھے ؟ - جناب کو مشورہ

دیا جاتا ہے کہ جناب بھی اس پوتر اور
پوترساز عرق کی ایک خوراک استعمال
فرمائیں—

بندہ نواز! ڈاکٹر ہلت کی ملاقات کا
ہمیں بھی شرف حاصل ہے اور ان کی تعظیم
پر ہم کو ناز ہے' وہ کسی شخص کو دھوکا
دینے کے ناقابل ہیں؛ ڈاکٹر موصوف نے نہ
تو ہم سے اور نہ آپ سے کبھی یہ دعویٰ کیا
کہ وہ ایران قدیم کی زبانیں جانتے ہیں'
ہماری طرح اُن کا بھی خیال ہے کہ ایران
کی زبانیں کوئی شخص نہیں جانتا اور
جب تک وہ تمام تاریخیں' نظمیں اور
مذہبی کتابیں جن کو خلیفہ عمر اور ان کے
سپہ سالاروں نے سخت عناد کے جوش سے
ڈھونڈ ڈھونڈ کر برباد کیا دوبارہ دستیاب
نہ ہو جائیں اُس وقت تک کوئی شخص
اُن کو جان بھی نہیں سکتا' اس بنا پر دنیا
کی خاک چھان کر اپنی پھول سی رنگت کو
تباہ کرنا فضول حرکت ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر
موصوف کو ان زبانوں کی لاعلمی کا ذرا
افسوس نہیں؛ وہ اس نعمت کو غنیمت
سمجھتے ہیں کہ اُنھیں موجودہ فارسی میں
کمال حاصل ہے' وہ فارسی جو سعدی' کاشفی

اور نظامی کی زبان ھے اور جن کی کتابوں
میں نہ تو 'برسوم' اور نہ 'لغگم' آیا ھے نہ
مضحک رسوم اور نہ وھمیات کا ذکر ھے
بلکہ ناسپاسی اور دروغ بافی کی سخت
مذمت کی گئی ھے—

جناب کو اس بات پر فخر ھے کہ ڈاکٹر
ھائڈ ایران کی قدیم زبانوں سے واقف نہیں؛
لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں........ آپ نے
ڈاکٹر ھائڈ پر اعتراض کیا ھے کہ وہ
'پانچ گاھوں' کے معنی "دن کے پانچ حصے"
سے نا آشنا ھیں؛ 'توں' کی بجاے 'تو'
کہتے ھیں اور وہ اس بات سے بے خبر ھیں
کہ اھرمن' جو آپ کے ایرانی شیطان کا
نام ھے' انگری مینیوش جیسے خوش آواز
لفظ کا مخفف ھے اور یہ محض اس وجہ
سے کہ آپ کے نزدیک انگري اھر سے اور
مینیوش من سے بدل کر اھرمن بن گیا ھے -
اسی طرح ھم یہ بھی تو کہہ سکتے ھیں کہ
انگری کو ڈي اور مینیوش کو آبل سے
بدل کر لفظ ڈي آبل (شیطان) بنا لیا
گیا ھے"—

اس کے بعد سر ولیم آنکتیل کے ترجمے کا خاکہ اُڑاتا ھے'
لیکن یہ مشکل ھی کیا ھے' ایک ایسی کتاب کا ترجمہ جو

ہمارے نزدیک اُن مزخرافات سے لبریز ہو جیسی کہ ہر ایک قوم کی ابتدائی تصنیفات میں کسی نہ کسی حد تک ضرور ہونی چاہئیں، آنکتیل کے ترجمے سے بہتر بھی ہو، تو بھی اُس پر اعتراض وارد ہو سکتے ہیں، سر ولیم نے اپنے دلائل کی تلخیص اس طرح کی ہے:—

"یا تو زوروآستر میں معمولی عقل بھی نہ تھی یا اُس نے وہ کتاب ہی تصنیف نہیں کی جو تم اُس سے منسوب کرتے ہو؛ اگر وہ معمولی عقل سے بھی محروم تھا تو عامۃ الناس کی صف اور تاریکی میں اُس کو چھوڑ دینا چاہئے تھا؛ اگر یہ تصنیف ہی اُس کی نہیں تو اُس کے نام سے اس کو شائع کرنا بے شرمی ہے۔ لہذا تم نے یا تو مزخرافات پیش کر کے اپنے ناظرین کے ذوق کی توہین کی یا کذب فروشی سے انہیں دھوکا دیا: دونو حالتوں میں تم اُن کی تذلیل و نفرت کے مستحق ہو"—

آنکتیل کو بدلہ مل گیا

جونز کے خط نے اگرچہ آنکتیل کی فیروزمندی اور جائز فخر میں مشکلات پیدا کیں اور اس سے زیادہ یہ کہ بعض ماہران فن اور اہل علم کو اُس کی تحقیقات کی اصل قیمت سمجھنے سے قاصر بھی رکھا مگر اب خود اُس خط کی کیا قدر رہ گئی؟۔ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اس موضوع کی تاریخ میں ایک

دلچسپ کری ھے - زمانے نے جہاں آنکتیل کو اُس کی جانکاھی کی یہ داد دی کہ ھر لائق مصنف اس کی کتاب کو اعلیٰ پایے کی کتاب تسلیم کئے بغیر نہیں رھتا وھاں اُس نے جونز کو اُس کی تیزیوں کا مزہ بھی چکھا دیا - یا تو جونز کا یہ عالم تھا کہ وہ آنکتیل کی پیش کردہ ژند اوستا سے ناک بھوں چڑھاتا تھا یا ایسی ٹھوکر کھائی کہ ایک سرتا پا غلط جعلی کتاب کو صحیح دساتیر سمجھہ بیٹھا - اس انوکھی کتاب کی اصل جلد اُس نے دیکھی نہ تھی کیونکہ لے دے کے اُس کے صرف ایک نسخے کا پتہ چل سکا ھے اور اگرچہ اُس کو مُلّا کاؤس ۱۷۷۳ع میں ایران سے ھندوستان لے آیا تھا مگر کتاب کو شائع اس کے بیٹے مُلّا فیروز نے سنہ ۱۸۱۸ع میں کیا تھا* - جونز نے دساتیر کے حالات ایک

---

* اس کتاب کا پورا نام یہ تھا : "دساتیر یعنی ایران کے قدیم پیغمبروں کے ملفوظات مقدسہ ؛ بہ زبان اصلی معہ قدیم فارسی ترجمہ و تفسیر از ساسان پنجم ؛ باھتمام و نگرانی تمام ملا فیروز بن کاؤس جس نے فارسی مصطلحات اور متروکات کے معنی درج کئے ھیں ؛ کتاب میں اصل متن و تفسیر کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ھے - دو جلدوں میں"- (بمبئی سنہ ۱۸۱۸ع) اس نادر نسخے کی تفصیل مقدمہ جلد دوم صفحہ ۷ میں موجود ھے - محقق دے ساسی نے کتاب کا معائنہ کیا ھے اور یورنال دے سوانت ھائڈ برگ کی سالیانہ فہرست مطبوعات (صفحہ ۱۶ - ۳۱ اور ۶۷-۷۹) بابت جنوری و فروری سنہ ۱۸۲۱ع میں اس کے دعووں کی قلعی کھول دی ھے- نوزد یکھو Heidelberger Fahrbucher
(باقی بر صفحۂ آئندہ)

عجیب مگر بالکل جدید فارسی کتاب ' دبستان مذاهب ' میں پڑھے تھے جو وسط سترھویں صدی * میں ھندوستان میں لکھی گئی تھی ' تاھم جونز ھی وہ پہلا شخص ھے جس نے یورپ میں علما کی توجہ اس (" دبستان ") کی جانب سب سے پہلے مبذول کی اور اس لحاظ سے وہ ھماری تحسین کا مستحق ھے - مگر سنہ ۱۷۸۹ ع † میں اُس نے دبستان کی تعریف جن الفاظ میں کی ھے وہ مبالغہ سے چھلکتے ھیں اور یہ ھیں :—

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳)

H. E. G. Paulus از جلد اول ۱۸۲۳ بابت der Litteratur نمبر ۹، ۱۲، ۱۳، ۱۸ اور ۲۰ اور ارس کن کی کتاب جلد دوم میں " روئداد انجمن علوم بمبئی "- اس کتاب کی اصلیت کے متعلق ایس گویار نے اپنے قابل قدر مضمون " امام اعظم اسماعیلیوں " (مطبوعہ جرنل ایشیاٹک بابت ۱۸۷۷) طبع علیحدہ صفحہ ۹۱-۹۲ میں جو کچھ رقم کیا ھے وہ بدرجہ غایت قرین قیاس معلوم ھوتا ھے یعنی یہ کتاب اسماعیلیوں کی تالیف ھے اور اس میں اسماعیلی فرقے کے عقائد و اصول درج ھیں —

* " فہرست نسخہ جات قلمی فارسی موجودہ برٹش میوزیم " صفحہ ۱۴۱ - ۱۴۴ مرتبہ ریو - اس کتاب کی ایشیائی ایڈیشن کئی ایک ھیں اور ایک انگریزی ترجمہ بھی از شی وترائر (مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۴۳ ع " برائے فنڈ مشرقی تراجم ") موجود ھے —

† اس نے ایشیاٹک سوسائٹی ' کلکتہ ' ۱۹ فروری سنہ ۱۷۸۹ ع کے ایک جلسے میں " ایرانیوں پر چھٹے سالانہ لکچر " میں اس کا ذکر کیا ھے (کلیات جلد اول صفحات ۷۳ - ۹۴)

سر ولیم جونز کی خوش اعتقادی اُن کی تشکیک کے برابر برابر اور بے محل ہے

ایک عجیب انکشاف ہوا ہے، اس کے متعلق میر محمد حسین ہندی کی مہربانی سے، جو ہندوستان کے ایک نہایت ذہین مسلمان ہیں، ہم کو سب سے پہلے علم ہوا۔ اس انکشاف نے تاریک مطلع کو دفعتاً منور کردیا اور قدیم ایران بلکہ بنی نوعِ انسان کی تاریخ کا ایک ایک ورق ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے، ہم اس تاریخ کی طرف سے بالکل مایوس ہوچکے تھے اور معلومات کے آفتاب کی بھی کسی دوسری سمت سے طلوع ہونے کی توقع نہیں رہی تھی"—

سر ولیم جونز کا دساتیر اور دبستان کی بابت مبالغہ آمیز خیال

یہ نایاب مگر دلچسپ رسالہ بارہ مذہبوں کے حالات پر مشتمل اور ایک کشمیری مسلمان سیاح محسن فانی کی تالیف ہے۔ اس کا پہلا باب عجیب وغریب ہے۔ شروع کا بیان یہ ہے کہ زرتشتی مذہب سے ایک مدت پہلے ہوشنگ کا مذہب رائج تھا جو ابتدا سے مؤلف کتاب کے زمانے تک تعلیم یافتہ ایرانیوں کا خفیہ مذہب رہا؛ ملت گبری اور اس میں بڑا اختلاف تھا، شاہانِ ایران نے اس کے بعض ممتاز پیروؤں

پر بڑے ستم توڑے اور وہ لوگ ہندوستان کی طرف چلے آے؛ یہاں آکر انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جو اب ناپید ہیں مگر جن کو محسن نے دیکھا ہے بلکہ وہ ان کے مصنفین میں اکثر سے بخوبی شناسا بھی ہے؛ ان سے محسن کو معلوم ہوا ہے کہ کیومرث کی تخت نشینی سے ہزاروں سال پہلے ایران میں سلاطین کا ایک سلسلہ گزرا ہے جنہیں ماہ آبادیاں کہتے تھے، اس کی وجہ تسمیہ آگے بیان کی جائے گی، ان میں سے اکثر تاجداروں نے دولت ایران کو انتہائی معراج پر پہنچا دیا تھا، سات آٹھ کے نام و بستان میں بھی مذکور ہیں، انھی میں ایک کا نام ماہ بُل یا ماہ بلی ہے - اگر ہم محسن کے بیان کو جو راقم کے نزدیک مستند ہے، یقین کے لائق سمجھ لیں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایران کی سلطنت دنیا میں سب سے زیادہ پرانی سلطنت ہے - البتہ یہ پہلو مشتبہ رہ جائے گا کہ اس سلسلے کے پہلے بادشاہ نسلاً عرب تھے یا ہندو یا تاتاری یا ان سب سے جدا؛ ہمارا خیال ہے کہ یہ شبہ اُس وقت رفع ہو سکتا ہے جب کہ ہم قدیم ایران

کے علم و ادب ، السنہ و مذہب ، فلسفہ و
حکمت اور ضمنی طور پر علوم و فنون
پر عبور حاصل کرلیں '' —

قدیم تاریخ عجم پر
جونز کے خیالات

" اب میں عجمی السنہ و
حروف پر چند اچھوتے اور
اهم خیالات پیش کرنا چاھتا
ھوں ، ان میں بعض بیانات ایسے ھوں گے
جن کو میں سر دست ثابت نہیں کرسکتا
لیکن ناظرین سے توقع رکھتا ھوں کہ وہ
ان پر اعتبار کریں گے کیونکہ یہ مناسب
نہیں معلوم ھوتا کہ اس بحث میں ناظرین
کے سامنے جستہ جستہ الفاظ کا اعادہ اور
مضمون کی بجاے فہرست الفاظ پیش کر کے
ان کی توجہ پر بار ڈالا جاے؛ لیکن چونکہ
میں کوئی علیحدہ نظام قائم نہیں کرنا
چاھتا اور نہ میں نے اپنی قوت فیصلہ کو
اپنے تخیل کے ھاتھہ سے دھوکے میں پڑنے دیا
ھے (کیونکہ میری عادت ھے کہ میں شہادت
کے بل پر اشخاص و اشیا کے متعلق
راے قائم کیا کرتا ھوں - اجتماعیات کی
بنیاد اسناد پر قائم ھوتی ھے جیسے
طبیعیات کی بنیاد تجربے پر)؛ اور چونکہ
میں نے مسائل زیر بحث پر عمیق نظر

قال ای ھے اس لئے مجھے یقین ھے کہ آپ
میری شہادت پر شبہ نہ کریں گے اور
نہ یہ سمجھیں گے کہ میں صحیح جادہ سے
متجاوز ھو رھا ھوں، خصوصاً ایسی حالت میں
جب کہ میں آپ کو یقین دلاتا ھوں کہ
میں کسی ایسی چیز کا دعوی نہ کروں گا
جسے میں پورے طور پر ثابت نہیں
کرسکتا " —

ولیم جونز کی غلطیاں

ان بیانات سے صاف ظاهر ھوتا ھے کہ سر ولیم جونز اثبات و انکار میں مکابرہ سے کام لیتا تھا اور بد بختی سے بارھا دونوں صورتوں میں بر سر غلط ھوتا تھا - وہ بہ تیقن اور " بلا خوف تردید " ساٹی رس، اور شاھنامے کے غیر تاریخی کیخسرو (کاوہ ھسروہ یا ھسروند مذکور اوستا) کو ایک ھی شخص اور غیر تاریخی سلاطین پیشدادی کو شاھان آسور سمجھتا ھے- کم بی سیز (قدیم عجمی کتبوں پر کمبوجیا) کو فارسئی حال کے " کام بخش" سے مشتق اور بجاے نام کے خطاب شاھی ٹھیراتا ھے، اسی طرح زرکسیز کو (جسے کتبوں میں خشیارشا لکھا ھے) شیر وئی سے مشتق بیان کرتا ھے (اور لطف یہ ھے آنکتیل نے اھرز کو انرہ مینیوش سے مشتق کیا تو اس صحیح اشتقاق کو نفرت کے ساتھ رد کردیا اور اس کے بعد یہ خیال پیش کرتا ھے)؛ وہ اس غلط گمان پر برابر جما رھا کہ ژند اور پہلوی میں کوئی اصلی کتاب باقی نہیں، دلیل یہ کہ دبستان

کے وسیع‌النظر مصنف کا بیان ھے کہ زراتشت کی تصنیف ناپید ھوچکی ھے اور اس کی جگہ ایک نئی تالیف گھڑلی گئی ھے؛ وہ اس راے کا حامی تھا کہ ایران کی سب سے پرانی زبانیں جو آج تک دریافت ھوسکی ھیں وہ کلدانی اور سنسکرت ھیں، نیز جب یہ دونوں ساقط الرواج ھوئیں تو کلدانی سے پہلوی اور سنسکرت سے ژند نکال لی گئی اور پارسی زبان یا تو ژند سے پیدا ھوئی یا براہ راست برھمنوں کی زبان سے - ایرانیوں کی طرح اس کا بھی خیال تھا کہ جمشید (جو اوستا میں یِمہ اور ھندؤں کی کتھاوں میں یمہ کے نام سے مذکور ھوا ھے اور جو ایک ظلی سی ھستی ھےجو ھند۔ آریائی روایات میں مشرقی طور پر مذکور ھے) وھی شخص ھےجس نے پرسی پولس(استخر) کو بسایا؛ ھندا منشی کتبے جو اس‌وقت پرسی پولس میں پائے جاتے ھیں ان کی نسبت اس کی راے تھی کہ ان‌کے نقش‌ونگار اگرحقیقت میں زبان کے حروف ھیں‌تو وہ مقدس نشانات اور اسراری‌علامات یامحض‌رموز ھیں جن‌کی کلید مطالب شاید مذھبی پیشواوں کے قبضہ میں تھی- آخر میں سر جونز جعلی دساتیر کو اصلی تسلیم کرتاھے' اس‌کی زبان کو آسمانی زبان کہتا ھے (حالانکہ در حقیقت بعد تحقیق *ثابت ھوتا ھے کہ وہ کوئی زبان ھی نہیں بلکہ لایعنی کلمات کا مجموعہ اور مروجہ فارسی کا ایک ناقص چربہ ھے جس میں "تفسیر" قلمبند ھے) اور اُس کے معانی و مطالب کو دور قدیم کے ایسے بیش بہا تاریخی واقعات بتا تا ھے جن سے آرین قوم کی اصلیت پر بالکل نئی روشنی پڑتی ھے اور یہ ثبوت بہم

پہونچتا ھے کہ " کیومرث کی تخت نشینی سے قبل ایران کا مذھب برھمنوں کا مذھب تھا ...... اور اھل ایران کیومرث کو تعظیماً سب سے پہلا انسان مانتے تھے اگرچہ وہ اس کے بھی قائل تھے کہ کیومرث کے عہد سے پیشتر ایک " طوفان عالمگیر" بپا ھوچکا تھا " - درحقیقت آنکتیل کو پورا بدلہ مل گیا اور یہ مزخرفات اس قانون کی ایک روشن مثال ھے کہ " نا واجب شک اور ناواجب زود اعتقادی " ان دونوں کا ساتھہ چولی دامن کا ھے —

سر ولیم جونز کی راے کا اثر

سر ولیم جونز نے اگرچہ قدیم ایران کی تاریخ و زبان کے متعلق فاش غلطیاں کیں لیکن پبلک زندگی میں وہ ایسا ممتاز ھوچکا تھا ' معاملات میں وہ ایسا وسیع القلب اور غیر متعصب مانا جاتا تھا' علم و ادب میں ایسا فاضل اور تحقیق و تفحص میں ایسا پاکیزہ طبع سمجھا جاتا تھا کہ اس کی راے بالخصوص اس کے وطن میں انتہا درجہ وزن رکھتی تھی —

چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ اصلی اوستا کے بارے میں اس کا شک آواز بازگشت بن کر انگلستان میں سر جان چارڈین اور رچرڈسن' (فارسی کا مشہور لغت نویس)' جرمنی میں مائنر اور تائخ زین کے منہ سے نکلا ' لیکن آخرالذکر بعد میں آنکتیل کا نہایت سر گرم حامی بن گیا تھا اور جس شخص نے ابتداھی سے آنکتیل کی حمایت میں جوش دکھایا وہ جرمنی کا فاضل کلیوکر تھا - اس نے آنکتیل کی کتاب کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا اور اس کے ساتھہ کئی ضمیمے لگائے' تاھم انگلستان میں

اُس وقت سر ولیم جونز کی راے کے سامنے کوئی چیز نہیں تھہر سکی اور آنکتیل کا ترجمہ " ایک جعلی اور ناقابل توجہ شے کی طرح الگ پھینک دیا گیا * " بر خلاف اس کے فرانس میں ابتدا سے اسکو قدر و منزلت کا وہ رتبہ بخشا گیا جو آج عالمگیر طور پر اُس کا حق تسلیم کیا جاتا ھے۔ اس قدر شناسی کے تدریجی مدارج کی تفصیل معلوم کرنا اس کتاب کے مقصد سے خارج ھے ' اس لئے ہم صرف چند موتی موتی باتوں کا تذکرہ کریں گے - جن صاحبوں کو پوری تفصیل کی تلاش هو وہ هوگ اور ڈارمشتیٹر کے بیانات ملاحظہ کریں جن کا حوالہ اس صفحہ کے حاشیہ میں درج ھے ' نیز گیلڈنر کا مضمون " کتب متعلقہ اوستا " جلد دوم صفحہ ۱ - ۵۳ ' خصوصاً صفحہ ۴۰ تاریخ تحقیق اوستا) جو گیگر و کوھن کی " اساس لسانیات عجم " (ستراس برگ ۱۸۹۶) میں طبع ھوا ھے —

ڈےساسی اورآنکتیل

آنکتیل کی حمایت میں جس شخص نے سب سے پہلے قلم اُتھائی وہ اُس کا ممتاز همعصر ایس ڈے ساسی تھا ' اُس نے سنہ ۱۷۹۳ ع میں " رسالہ علما " میں قدیمیات اھل ایران پر پانچ مشہور مضامین شایع کئے جن میں خصوصیت کے ساتھہ آل ساسان کے پہلوی کتبوں پر بحث

---

* " اهل ایران " از ھوگ صفحہ ۱۶ - ۵۳ ' مرتبہ ویسٹ ' طبع سوم ' اور مقدمہ ترجمۂ اوستا از ڈارمشتیٹر جو میکس ملر کے صحائف مقدسہ " مطبوعہ اوکسفورڈ (۱۸۸۰) جلد چہارم صفحہ مقدمہ ۱۳ - ۲۵ ' میں طبع ھوا ھے ' کتاب کے اس حصے میں هم نے ان دونوں کتابوں سے بہت استفادہ کیا ھے —

کی گئی ھے - تے ساسی نے کتبوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں یونانی تراجم کے علاوہ ' جو بعض کتبوں کے ساتھ شامل ھیں ' آنکتیل کی فہرست الفاظ (مشمولۂ جلد سوم ۴۳۲-۵۲۶) سے خاص طور پر استفادہ کیا ھے - دارمشتیٹر کا قول ھے کہ " اس طرح تحقیقات کی ترقی کا باعث ھوکر آنکتیل کی تصنیف نے اپنا انتقام خوب لیا کیوں کہ یہ صورت تردید ہزاروں دلائل سے بہتر ھے "- اوستا کے کہنہ ترین نسخے جو اب تک معلوم ھوسکے ھیں ' چودھویں صدی عیسوی تک کے ھیں اور دور ساسانی کے کتبے ' تیسری صدی تک کے ' اس لئے اُن کا فرضی ھونا ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا' اگر آنکتیل کی فہرست الفاظ ان کتبوں کی کنجی ثابت ھوئی تو اس کے صاف معنی یہ ھیں کہ آنکتیل نے جو پہلوی اپنے دستوروں سے سیکھی تھی وہ ساسانی عہد کی اصلی زبان تھی اور نیز یہ کہ اس میں سامی الفاظ مثلاً ملکا (بادشاہ) شنت (سال) اب (باپ) شمسا (سورج) لا (نہیں) کا اختلاط ایک امر واقعہ ھے ' اس کی صحیح توجیہہ خواہ کچھہ ھو تاھم سرولیم جونز نے ان الفاظ کو عربی* سمجھہ کر (گو بعد میں اُس نے اُن کو کلدانی† تسلیم

---

* خط بنام جناب الف.......... باشندہ پ کے .... صفحہ ۱۰۹ :— جب ھم یہ دیکھتے ھیں کہ عربی کے یہ بگڑے ھوے الفاظ ژند و پہلوی کے الفاظ بیان کئے گئے ھیں تو ' ھم ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتے ھیں کہ اس مکار (یعنی مقدس داراب) نے آپ کو دھوکا دیا اور ' آپ اپنے ناظرین کو دھوکا دینا چاھتے ھیں—

† سر جونز کی تصنیفات کی جلد اول صفحہ ۸۱ —

کرلیا) دعوی کیا تھا کہ یہ الفاظ اپنی عبارت کی نسبت عدم قدامت کی شہادت دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ آنکتیل کا ان کی عبارت کو قدیم سمجھنا ایک زود اعتقادی حماقت تھی اور اس کے معلم دستوروں نے اُس کو دھوکا دیا تھا مگر آنکتیل کو تو کیا دھوکا دیا گیا تھا جونز نے خود ہی دھوکا کھایا - چنانچہ تائخ زین بھی نہایت شد و مد کے ساتھہ اس کی تائید کرتا ہے :—

یہ امر اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلوی آل ساسان کے عہد میں رائج تھی کیونکہ یہی وہ سلاطین ہیں جنھوں نے یہ کتبے کندہ کرائے اور یہی وہ لوگ ہیں بلکہ ان کا پہلا بادشاہ اردشیر بابگاں وہ شخص ہے جس نے تعلیم زرتشت کو دوبارہ فروغ دیا - اب یہ بات بخوبی سمجھہ میں آجاتی ہے کہ ژندی کتابیں پہلوی زبان میں کیوں ترجمہ کرائی گئی تھیں' یہاں پر ہر چیز گواہی دیتی ہے اور بآواز بلند پکارتی ہے کہ وہ اصلی ہیں اور قدیم ہیں*—

الغرض دے ساسی نے جن کتبوں کو مذکورۂ بالا طریق سے پڑھا تھا یورپ اُن سے اُس وقت واقف ہو چکا تھا جبکہ

---

* اس حوالہ کو دارمشٹیٹر نے ترجمہ ویلدیداد کے (صفحہ ۱۹ - ۲۰) دیباچہ میں نقل کیا ہے دیکھو گذشتہ دو نوٹوں سے قبل کا نوٹ (اهل ایران از هوگ.........) —

سیموئل فلوور نے سنہ ۱۷۶۷ع میں اُن کے چربے اُتار کر "رسالہ اعمال فلسفیانہ" بابت جون سنہ ۱۶۹۳ع (صفحہ ۷۷۵ تا ۷۷۷) میں اُنھیں شائع کیا تھا - ان کتبوں کی مزید نقلیں شاردن (سنہ ۱۷۱۱ع) نی بور (سنہ ۱۷۷۸ع) اور کچھہ عرصے بعد دوسرے سیاحوں* کی تصنیفات کے ساتھہ طبع ہوئیں اور

پہلوی کتبے

گو کہ ڈاکٹر ہائڈ نے بھی اپنی کتاب میں اُن کو چھاپ دیا تھا لیکن ڈے ساسی وہ پہلا محقق ہے جس نے کم و بیش صحت کے ساتھہ اُن کا ترجمہ پیش کیا - ڈے ساسی کے مضامین (طبع ۱۷۹۸) کی اشاعت کے پانچ برس بعد پال ڈے سین پارتھے لے می نے (جو آباء

سین پارتھے لے می

کرملیہ میں سے تھا) بمقام روم اپنا مضمون "السنۂ سنسکریتیہ و جرمنیہ کی قدامت اور باہمی قرابت" شائع کیا جس میں اُس نے قدامت اوستا پر دلائل قایم کی ہیں بلکہ یہ ظن بھی ظاہر کیا کہ اوستا کی زبان اور سنسکرت† دونوں میں کوئی

---

* دیکھو ویسٹ کے مضمون ادبیات پہلوی میں ساسانی کتاب کا حال جو "سیاست لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۷۶-۷۹ میں طبع ہوا ہے؛ نیز دیکھو "مضمون بر پہلوی" از ہوگ (طبع بمبئی اور لندن سنہ ۱۸۷۰ع)' اس مضمون کے شروع میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے کہ پہلویات میں یورپ نے عہد بعہد کتنی اور کیونکر ترقی کی—

† ڈارمشٹیٹر کی کتاب مذکور صفحہ مقدمہ ۲۱' یہی خیال

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

نہ کوئی تعلق ضرور ہے—

قدیم فارسی کتبوں کی تحقیق۔ گروٹ فنت

عجمیات کے متعلق دوسرا کارنامہ اور جو شاید اس فن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، پیکانی کتبوں کا حل کر لینا ہے (یہ وہ کتابے تھے جن کا خط اور زبان دونوں نا معلوم تھے)۔ ان کتبوں کے حل کے متعلق پہلی اہم منزل گروٹ فنت نے ۱۹ ویں صدی کے آغاز میں طے کی۔ اس محقق کی تحریریں صفائی استدلال اور وسعت نظر کے نمونے ہیں، جن کو گاتن‌جین کی جمعیۃ العلوم شاہی کے کاغذات میں سے حال ہی میں نکالا گیا ہے اور ڈبلیو میئر نے سوسائٹی مذکور کی روداد بابت ۱۳ - ستمبر سنہ ۱۸۹۳ع صفحہ ۵۷۱ - ۶۱۶ میں شائع کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلی تحریر ابتداءً ۴- ستمبر سنہ ۱۸۰۲ع کو پڑھ کر سنائی گئی تھی، دوسری ۲ اکتوبر، تیسری ۱۳ نومبر سنہ مذکور کو اور چوتھی ۲۰ مئی سنہ ۱۸۰۳ع کو۔ اس وقت یعنی ۱۹ ویں صدی سے پہلے اگرچہ ٹائخ زین اور میئر ان کتبوں کے پڑھنے میں کچھ کوششیں ضائع کر چکے تھے لیکن جیسا کہ ڈاکٹر ہائڈ کی تصنیف کی تنقید میں ہم دیکھ چکے ہیں عوام بلکہ علماء کا یہ بھی خیال تھا کہ کتبوں کے حروف کسی زبان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴)

جو اب مسلم الثبوت ہو گیا ہے (کہ اوستا کی زبان اور سنسکرت آپس میں دو بہنیں ہیں) ڈے ساسی نے "رسالہ علماء" بابت مارچ سنہ ۱۸۲۱ع صفحہ ۱۳۶ میں نہایت صحت و صفائی کے ساتھ قائم کیا تھا—

حروف نہیں ہیں ' وہ یا تو عمارات کے نقش و نگار ہیں یا کیڑوں مکوڑوں کا کام ' اور یہ نہیں تو معماروں کے بنائے ہوے نشانات یا اعدادی علامات ہیں- حسن اتفاق کہ اس مسئلہ پر گروٹ فنڈ اور اس کے ایک دوست فائی اوری لو کے درمیان جھگڑا ہوگیا ؛ گروٹ فنڈ اس نکتے پر زور دیتا تھا کہ جن کتبوں کی زبان اور حروف نا معلوم یا گمنامی میں مدفون ہوں ان کا انکشاف حال بالکل ممکن ہے ' چنانچہ اس ضد پر اس نے تحقیقات کی طرف قدم بڑھایا اور پہلے نوشتے میں ذیل کے اہم مگر عام نتائج مرتب کئے :—

گروٹ فنڈ کے عام نتائج

(۱) کتبوں کی علامتیں علامات خط ہیں —

(۲) کتبے تین مختلف زبانوں میں قلمبند ہیں ' ہر ایک زبان کا رسم الخط جدا ہے اور ایک کتبہ دوسرے کا ترجمہ ہے —

(۳) بالخصوص پہلی قسم (قدیم فارسی) کے کتبے اور دوسری کے بھی " حروف " سے مرتب ہیں نہ کہ تصاویر مقاطع یا تصاویر کلمات ہیں ' جیسے کہ آسوری اور چینوں کے ہاں رائج ہیں —

(۴) معلوم پیکانی کتبوں کی سمت
تحریر یکساں ھے یعنے ان میں
سے ھر ایک متوازی الافق سطور میں
بائیں سے دائیں طرف لکھا ھوا ھے -

گروٹ فنت کا طریق تفحص

یہ نتائج آج مسلم الثبوت مانے جاتے ھیں۔ گروٹ فنت نے ان کی روشنی میں پہلی قسم کے دو کتبوں کو تفصیل کے ساتھ جانچا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ان کی زبان ژند (یعنی اوستائی) ھے (یہ قیاس اگرچہ بعد میں صحیح ثابت نہ ھوا لیکن صحت کے قریب نکلا) اور ان کا تعلق "کسی قدیم تاجدار ایران سے ھے جو سائی رس اور سکندر کے درمیانی زمانے میں گزرا ھے" یا بالفاظ دیگر سلاطین ھخا منشی * سے- آل ساسان کے پہلوی کتبوں کو دے ساسی پہلے پڑھ چکا تھا لیکن جب گروٹ فنت نے ان کو دیکھا تو ان کی مدد سے اس کو خیال آیا کہ پہلے کتبے کا پہلا لفظ ضرور اس خاندان کے بادشاہ کا نام ھے اور دوسرا بادشاہ کا لقب، پھر اس نے دیکھا کہ جو نام دوسرے کتبے کے شروع میں آیا ھے وہ پہلے کتبے میں لقب کے بعد لکھا ھوا ھے - ساسانی کتبات کے نمونے پر گروٹ فنت نے اس سے یہ صحیح نتیجہ اخذ

---

* کتبات قسم اول کی نسبت اس کا یہ خیال کہ وہ خسروان ھخامنشی کے عہد سے متعلق اور فارسی قدیم میں ھیں اس وجہ سے پیدا ھوا کہ ان بادشاھوں کے نام کتبات میں ھمیشہ صدر میں مذکور ھیں —

کیا کہ اس لفظ سے شہنشاہ مراد ہے اور آخر میں جو
خفیف سا فرق ہے وہ علامت مضاف الیہ کے لاحق ہونے کی
وجہ سے ہے، پھر اس سے یہ پتہ لگایا کہ پہلے کتبے کے دو
ناموں میں سے ایک باپ کا نام ہے اور دوسرا بیٹے کا،
ان میں سے ایک کو، تائخ زن نے ملکیوش تجویز کیا تھا،
گروٹ فنٹ نے اس کو دارا سے زیادہ مطابق پایا جو
دانیال عزرا اور نحمیاہ کی کتابوں میں داری یا ووش
(دریاویش) کی شکل میں ملتا ہے اور دوسرے کو تائخ زن
نے اوش پت شہ پڑھا تھا، گروٹ فنٹ نے زر کسیز (حشیر شہ
بیان کیا، کیونکہ قدیم فارسی کتبات میں یہ دونوں نام
سات سات جداگانہ حروف سے مرکب ہیں (جیسا کہ اب یہ
پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے ان میں سے پہلے کے سات
حروف یہ ہیں :- د، ا، ر، ے، د، و، ش - دوسرے کے یہ :-
ک، ش، ے، ا، ر، ش، ا) ، ان میں سے ایک حرف الف دونوں
ناموں میں تین بار آتا ہے اور تین حروف یعنی ر، ے،
ش، دو بار اور ہر نام کے مجموعہ حروف میں ان حروف
مکررہ کے محل سے ان کی تعیین میں مزید امداد ملی۔
اچھا، مورخان یونان کے نوشتوں سے اس وقت معلوم تھاکہ
دارا، ہستاس پیز کا بیٹا تھا جو آنکتیے کی تصنیف میں
گشتا سپ، و شتاسپ وغیرہ کی اصل شکلوں میں لکھا ہوا
ہے اور کتبہ زر کسیز کی مثال سے یہ گمان غالب معلوم
ہوتا تھا کہ دارا نے بھی اپنے کتبے میں اپنے باپ کا نام

ضرور لکھا ہوگا بلکہ فی الحقیقت دارا کے اس کتبے میں مناسب مقام پر دس حرفوں کا ایک مجموعہ موجود ہے جس کے آخری تین حروف کو (جو اب ہ' یے' ا' تسلیم کرلئے گئے ہیں) پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مضاف الیہ کا لاحقۂ حالت ہیں' باقی ماندہ سات حروف میں سے دو یعنی تیسرا حرف ش اور پانچواں حرف الف پہلے سے معلوم ہو چکا تھا اور اس نام کی اوستائی اور یونانی شکلوں میں جو اجزا مشترک تھے اُن کے لحاظ سے اس مجموعے کا چوتھا حرف ت' چھٹا س' اور ساتواں پ فرض کیا جاسکتا تھا - اب ابتدا کے دو حروف باقی رہ گئے' ان میں سے ایک کے متعلق تو صاف ظاہر تھا کہ وہ حرف صحیح یعنی گ' یا و' ہے اور دوسرا حرف علت (لیکن یہ پیش کا حرف نہ تھا جو معلوم تھا لہذا قیاساً زیر کا حرف خیال کیا جاتا تھا) مگر گروٹ فنٹ نے دراصل ان کے مجموعے کو "گو" بجائے 'وِ' پڑھا تھا —

تفحص کا ثمر

ایسے مہتم بالشان اور معین نتائج تھے جن کی طرف گروٹ فنٹ کا ذہن منتقل ہوا' اس نے مزید کاوش کی لیکن رہ گیا' کیونکہ ایک طرف تو اُس کو یہ دھوکا ہوگیا تھا کہ کتبوں کی زبان اوستا کی زبان ہے' اس پر یہ غلط فہمی مستزاد کہ اوستا کے متعلق آنکتیے کے بیانات ناقص اور بہت سی جزئیات بالکل غلط ہیں اور دوسری طرف کتبوں کے انکشاف و افہام کے لئے اُس کے پاس جو کچھ مواد موجود تھا وہ قطعاً ناکافی تھا - پس جیسا کہ اس وقت معلوم ہوچکا ہے گروٹ فنٹ کا تعین

حروف کتبات بہ مشکل نیم صحیح تھا اور متن کتبات کا ترجمہ و نقل فقط تقریبی طور پر قرین صحت، چنانچہ استخر کے کتبوں میں ایک کتبہ (نی بور پلیت ۲۴، اشپیگل کی تصنیف مسماری (میخی) کتابے، مرتبہ ۱۸۶۲ صفحہ ۴۸ ب) جس پر گروٹ فنت نے خاص عرق ریزی کی تھی آج کل بالفاظ ذیل تسلیم کیا جاتا ہے:—

دار یاوُش، خشایتھیہ، وزرکہ، خشایتھیہ، خشایتھیانام، خشایتھیہ دھیُنام، وشتاسپہیہ، پُترہ ھخا منیشیہ، ھیہ، اِمم تخرم، اکونوش

دارا، شاہ اعظم، شاہ شاھان، شاہ صوبجات، ابن گستاسپ ھخامنشی، جس نے یہ معبد تعمیر کیا

گروٹ فنت کی نقل اور ترجمہ یہ ہے:—

دارھیوش، خشی ھی او، اَیگریے، خشی ھی او، خشی ھی اوھیت چاؤ، خشی ھی او، داھوت چاؤ،

گشتاسپاهی، بون، آخیوت
چوشوہ، آہ، اوومورو، ایزت
چوش
ڈےری اَس، ریکس فارتس،
ریکس ریگم، ریکس ڈھروم
(ڈی لی آس)، هستاس پس،
استرپس منڈی ریک تورس،
اِن کونستیلیشون میسکولا، مورو
ایزو ....

تفحص کی قدر و قیمت تاهم اگرچه گروت فنت کی هر ایک کوشش سر سبز نهوی لیکن اس نے جو کچھه کر دکھا یا اس کی کوشش کی همت بهی غالباً کسی کو نهوتی - اس کا طریق تفحص اور مستنبط نتائج آینده تحقیقات کے لئے چراغ هدایت ثابت هوے اور ان کی بدولت چیستان کتبات کا ایک ایک حرف حل هوگیا - ڈےساسی نے' جس کے نقش قدم پر گروت فنت نے اپنا قدم ڈالا تھا' سب سے پہلے گروت فنت کے نتائج کی منزلت بلند کو سمجھا اور چار دانگ عالم میں اس کی اشاعت کی' بخلاف اس کے سین مارتان کے پیش کرده لیکن مخالفانه طریق تفحص کو

ایوان مقبولیت میں بار یابی نہ ہوئی *—

رولنسن، برنوف اور لاسن کی مزید ترقی

اِس کے بعد مگر تقریباً اسی زمانے یعنی سنہ ۱۸۳۶ - ۱۸۳۷ع میں تین اشخاص لاسن ، برنوف ، اور رولنسن نے حل کتبات میں معتدبہ ترقی کی ، آخرالذکر علحدہ طور پر ایران میں مصروف تھا اور اس کو انکشافات گروٹ فنڈ کا مطلق علم نہ تھا ، اس نے دارا کے بے ستون والے عظیم الشان کتبے کے پہلے جزو میں یہ نام پڑھ لئے تھے :- ارشامہ ، اریارامنہ ، چیش پیش اور ھنخامنش - برنوف سنسکرت داں تھا اور اس زبان سے کچھ مقابلی طریق پر اور کچھ نیر یو سینگ کے ترجمہ سنسکرت کے ذریعہ اوستا کے مطالب معلوم کرنے میں کام لے چکا تھا اور اب وہ یاسنا پر اپنی مہتم بالشان † تصنیف کو ختم کر کے پیکانی کتبوں کی تدقیق میں مصروف ہوا ، اس سلسلے میں اس کو وہ تازہ مواد ھاتھہ لگ گیا جسے بد نصیب سیاح شولتز نے اضلاع وان ‡ اور الوند سے فراہم کیا تھا ، گو برنوف کی

---

* انکشاف کتبات کی تفصیل و ترقیء مزید کے متعلق دیکھو " حل کتبات کی تاریخ مختصر " جو اس کی کتاب " مسماری کتابے " محولۂ بالا میں شامل ھے ، نیز "اساس لسانیات عجم " از گیگرو کوھن جلد دوم صفحہ ۶۴ - ۷۴ اور کتاب " تاریخ قرات و حل کتبات "—

† " تفسیر یاسنا " (پیرس ۱۸۳۳ - ۱۸۳۵)

‡ " دو کتبے " (پیرس ۱۸۳۶)

تحقیقات کو لاسن کے زرین نتائج نے کسی قدر ماند اور نظروں سے اوجھل کردیا تھا - مگر سب سے پہلے اسی نے ممالک کے ان ناموں کی فہرست کی طرف توجہ دلائی جو دارا کے کتبۂ اعظم میں درج ہیں - اس کے علاوہ اُس نے ذات باری فاکام یعنے اھرمزد اور چند دیگر الفاظ پڑھ لئے اور بتایا کہ کتبوں کی زبان اوستا کی زبان سے قریبی تعلق رکھتی ھے لیکن بعینہ وھی نہیں اور کتبوں کی عبارت میں حروف اعراب شروع کے علاوہ کسی اور مقام پر ظاھر نہیں ھیں - فہرست مذکورہ اس نے ۱۸۳۵ ع کے موسم گرما میں لاسن کو بھیجی ' اس ذریعہ سے لاسن نے حروف کا تعین صحت سے انتہا درجہ قریب کردیا اور اس امر کو دامن ثبوت تک پہنچا دیا کہ سنسکرت کی طرح کتبوں کی زبان میں بھی اکثر حروف صحیح ہوئے فتحہ اپنے ساتھہ مستتر رکھتے ھیں (یعنے اکثر حروف کو اِشمام فتحہ کے ساتھہ تلفظ کرتے ھیں) 'مثلاً اس نے بیان کیا کہ س پ' ر د' سپردہ (ہ کی آواز الف * کے مثل اور نہایت خفیف سمجھنی چاھئے) کا قائم مقام ھے- آیندہ چار سال کے اندر اندر (یعنے ۱۸۴۰ ع) تک لاسن کے انکشافات واستنباط نے محققان بیرا و یاقے کے ھاتھوں توسیع و تشریح و تصحیح پائی ' کلاڈ جیمس رچ ' برطانوی ریذیڈنٹ مقیم بغداد کا فراھم کردہ سرمایۂ معلومات شائع ھوا اور ویسٹر گارڈ کتبات استخر کی نئی مگر زیادہ صحیح نقلیں اُتار کر لایا —

---

* یہ "ھا" ھاے مختفی ھے —

قدیم فارسی کی مزید تحقیق

عجمیات (پرشین اسٹڈیز) کے شعبۂ زیر بحث کی مزید ترقی پر تفصیلاً گفتگو کا یہ موقع نہیں، صرف اتنا بیان کئے دیتے ہیں کہ ۱۸۵۲ ع میں لاف لتس اور ۱۸۸۴ میں ڈی لا فوئے نے بعض چیزیں سوس میں دریافت کیں؛ ۱۸۷۶ ع اور سنین متعاقب میں شتولہ نے استخر پہونچکر کچھہ تصویریں اُتاریں اور ۱۸۸۲ ع میں بمقام برلن " پرسی پولس " نام کی دو جلدوں میں طبع کرایا؛ اس کے بعد بھینگ، بار تھولومے، بالن سین، فائے، ہالیوی، ہتسخ، حیبشن مان، کرن، ملر، میناں، سایس، تھمب اور دوسرے محققوں نے بعض مسائل پر روشنی ڈالی - موسیو کو مت ڈے گوبی نو نے اپنی کتاب موسومہ " مسماری کتبوں پر رسالہ " (پیرس ۱۸۶۴ ع) میں کتبوں کی عبارت کو طلسمی ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن یہ مہمل خیالات اس لایق نہیں کہ ایک لمحے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوں، البتہ کتبوں کے رسم الخط، ان کی حقیقت و نوعیت پر اپرٹ نے جو نکتہ آفرینی کی ہے وہ بالاختصار ذیل میں قلم کے حوالہ کرتے ہیں: —

فارسی کے پیکانی حروف پر محقق اپرٹ کی رائے

قدیم فارسی اور آسور کے پیکانی حروف بظاہر ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، لیکن اس مشابہت کے باوجود ایک نہایت اہم خصوصیت میں اختلاف رکھتے ہیں - جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے فارسی قدیم کے حروف میں حروف ابجد کی پوری شان پائی

جاتی ھے ' ان کی مجموعی علامات تعداد میں ۴۱ ھیں ' ان
میں سے چار " علامات لفظ * " یعنے بار بار آنے والے
الفاظ اھورمزد ' بادشاہ ' ملک ' زمین کے لئے مختصر سے اشارے
ھیں اور ایک وقفے کی علامت ھے جو الفاظ کو ایک دوسرے
سے جدا کرنے کا کام دیتی ھے - آسوری حروف چند مقاطع ھیں
بلکہ یوں کہنا چاھئے کہ وہ تصاویر مقاطع یا تصاویر کلمات
کا ایک مجموعہ ھیں جو چینی یا مصریوں کے تصویری رسم الخط
سے ملتا جلتا ھے ' دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ھے کہ
آسور کی تحریری علامتیں خیال یا معنی پر دلالت کرتی ھیں اور
اُن آوازوں کو پیش نہیں کرتیں جو معانی کا قالب صوتی ھیں '
ظاھر ھے کہ اس قالب صوتی کو ان علامات سے ایک اتفاقیہ
تعلق ھے ' چنانچہ قدیم تر اکادی زبان کا لفظ آسوری زبان
میں منتقل کیا جاتا اور اس کے معنی بجنسہ قایم رھتے لیکن
اس کی آواز بدل جاتی - اب آپرٹ یہ قیاس لاتا ھے کہ " فارسی
قدیم کے حروف اس وقت ایجاد ھوے تھے جب کہ دولت میڈیا
کو زوال اور ھخا منشی طاقت کو عروج ھوا تھا اور یہ حروف
آسور کے تصاویر مقاطع سے بہ اسلوب ذیل اخذ کئے گئے تھے :-

آسوری سے ایک تصویر لیکر اُسے
فارسی لفظ کی تصویر مقطع کی آواز
عطا کردی جاتی تھی یا بالفاظ دیگر
آسوری فارسی کی تصویر تصور کرلیا

---

* جیسے (صم) صلعم کے لئے — (مترجم)

جاتا، پھر اس تصویری علامت کو تحلیل
کرکے ایک سادی صورت میں لے آتے
اور اس کو فارسی لفظ کی پہلی آواز
کے لئے بطور ایک حرف کے مقرر کردیتے،
یہ عمل تحلیل و تعین اس وقت تک
برابر جاری رہا جب تک کہ فارسی
زبان کی کل اوزاروں کے لئے تحریری
علامات یا حروف پورے نہ ہوگئے۔ اس
ترکیب سے چھٹی صدی قبل میں اہل
ایران نے نظام تصاویر مقاطع سے
(جو غالباً ابتدا میں تصویروں کا
مجموعہ تھا) ترقی کرکے مکمل حروف
تہجی پیدا کرلئے؛ لیکن اس تحلیل
و تجزیہ کا عمل اُس مقام پر آکر رک
گیا جہاں حروف صحیح سے وابستہ
علامات حرکت (یعنے فتحہ، کسرہ، ضمہ)
کو جدا کرنا پڑتا تھا، لہذا مندرجۂ ذیل
اجزا کے لئے ایرانیوں کو مختلف حروف
ایجاد کرنے پڑے :-
کا، کو؛ گا، گو؛ جا، جی؛ دا، دي، دو؛
ما، می، مو؛ وغیرہ * —

---

* ان اجزا میں حروف علت کو حرکات کا قائم مقام سمجھنا
چاہئے (مترجم) —

فارسی پر آسوری اثر

یہ موقع اس امر کا ایک مزید ثبوت ھے کہ ایران سنین ماضیہ سے کس درجے سامی اثرات کا تابع رھا ھے، پہلے پہل آسوری اثر محیط ھوا، پھر آرامی اور سب کے بعد عربی- استخر اور بے ستون والے منقوشات. میں یہ اثر ایسا ھی نمایاں ھے جیسا کہ کتبات میں، اور حسب تحقیق اشپیگل ("ایران قدیم" جلد اول صفحہ ۴۲۶-۴۸۵) اس کے نشانات اقلیم مذھب میں بھی ایسے ھی روشن اور نمایاں ھیں، نیز غالباً سیاسیات، نظام اجتماعی، شعبہ قانون اور فنون حرب میں بھی سامی اثرات کی حکومت آشکارا ھے- ایران کا "شاہ اعظم، شاہ شاھاں، شاہ فارس، شاہ صوبجات" صرف طرز بیان اور القاب ھی میں اس "شاہ اعظم، شاہ آسوریہ" کا متقلد نہ تھا، بلکہ اور بہت سی باتیں تھیں جن میں وہ آسوریوں کے نقش قدم پر چل رھا تھا- شاید ان تعلقات سے وہ معمہ بھی حل ھوسکتا ھے جو پہلوی میں ھز واش نے پیدا کر رکھا ھے اور جس نے پہلوي کی صحیح ماھیت کی نسبت ارباب تلاش کو ایک مدت تک مغالطوں میں غوطہ زن رکھا —

پہلوی خط کی خصوصیات

ایک معاصر مورخ ایم میانس مارسی لینس کے بیان سے ثابت ھوتا ھے کہ پہلوی زمانے میں آج کل کی طرح ایرانی سپاہ اور رعایا اپنے بادشاہ کو شاھان شاہ کے لقب سے خطاب کرتی تھی (یہ لقب اُس زمانے میں قدیم لقب کھشا یتھیا، کھشا یتھیانام کی بجاے مروج تھا)، لیکن باوجود اس کے اُسی زمانے کا پہلوی محرر پہلوی حروف تہجی سے واقف ھوکر شاھان شاہ کے پرانے لقب

کی بجائے ملکان ملکا لکھتا تھا - اسی طرح پہلوی کاتب
گوشت کے لئے لفظ بسرا اور روٹی کے لئے لحمہ لکھتا تھا -
صاحب الفہرست اور آغاز دور اسلامی کے دیگر با خبر مصنفوں
کی شہادت سے پایا جاتا ہے کہ وہ ان آرامی الفاظ کو
پڑھتے وقت فارسی الفاظ گوشت اور نان پڑہ جاتا تھا۔ اب
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں کیا جاتا تھا۔ ہماری
نگاہوں میں یہ عجیب اور بالکل خلاف قدرت چیز معلوم ہوتی
ہے؛ اگرچہ ہم بھی چند صورتوں میں تقریباً اسی کے عادی
ہیں-اور i. e. کو 'دیٹ از' e. g. کو 'فار اکزامپل' اور
& کو ' اینڈ ' پڑھتے ہیں- تاہم یہ عمل و ضابطہ اُن لوگوں کے لئے
بالکل قدرتی اور آسان تھا جو ایسے تصویری خط اور محض
علامات الفاظ کے عادی تھے جن سے قوت سامعہ کی اعانت بغیر
صرف فہم و ادراک سے کام نکالا جاتا تھا۔ اگر آسور کا باشندہ
مفہوم پدر کے لئے اکادی زبان کی ایک "علامت لفظ" اختیار
کرکے اس کو پڑھتے وقت اپنی زبان کا مرادف لفظ پڑہ جایا
کرتا تھا اور اصل اکادی لفظ کا جس کے لئے یہ علامت مخصوص
تھی اُسے تصور بھی نہ آتا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ عجم کا
باشندہ آرامی الفاظ ملکا، بسرا، لحما کے ساتھہ اسی قسم کا
سلوک نہ کرتا اور ان کو مجموعۂ حروف کی جگہ محض علامات
نہ گردان لیتا - اس میں شک نہیں کہ سابق بحث کے مطابق
پہلوی کا عام رواج اُس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب کہ آسور
کو نابود ہوے عرصۂ دراز گزر چکا تھا یعنی دور ساسانی کے
ساتھہ (یعنی ۲۲۶ سے ۶۴۰ ع تک) اور اس کے بعد ابتدائی

اسلامی دور سے' لیکن پہلوي کے آثار تیسري اور چوتھی صدی قبل مسیح تک جاتے ھیں اور بقیاس غالب ممکن ھے کہ وہ اس سے بھي قبل کے سنوں میں موجود ھوں۔ ایشیا کی قدامت پسند آب و ھوا میں اس کا تعجب ھی کیا ھے؛ سیاق' جو ایران میں مالیات و حساب و کتاب میں آج بھی عالمگیر طور پر استعمال کیا جاتا ھے' مذکوارالصدر بحث کی تقریباً ایک متماثل نظیر ھے' اس میں رقموں کی علامتیں' جو عربی کے معمولی اعداد کی بجاے کام آتی ھیں' دراصل مختلف اعداد کے عربی ناموں کی مختصر و مقطوعہ صورتیں ھیں۔ لیکن ایک ایرانی محاسب ان رقموں کو استعمال کرتے وقت ان کی حقیقت سے یا تو آشنا نہیں ھوتا یا ھوتا ھے تو اسے فراموش رکھتا ھے —

اوستیات کی مزید ترقی پہلوی مسائل پر مزید روشنی ڈالنے سے قبل یہ مناسب معلوم ھوتا ھے کہ اوستا کی تحقیق و مطالعہ میں مسلسل طور پر جو محنتیں کی گئیں ان کی طرف توجہ منعطف کریں۔ ھم دکھاچکے ھیں کہ لاسن اور برنوف نے کتبات ھخا منشی کے حل میں سنسکرت سے کیا کیا مدد لی اور ضمناً بیان ھوچکا ھے کہ برنوف نے سنہ ۱۸۳۳ - ۱۸۳۵ میں یاسنا پر ایک معرکۃالآرا کتاب لکھی۔ اس کتاب کی تیاري میں اُس کی پہلی فکر یہ تھی کہ متعدد نسخوں کا باھمی مقابلہ کرکے یاسنا کا صحیح متن معلوم کیا جائے' جس کے لئے اُس نے آنکتیے کے فراھم کردہ مواد کو' جو فرانس کے قومی کتب خانہ میں طاق نسیاں کی نذر ھو چکا تھا' استعمال کیا اور نیریو سینگ کے ترجمۂ سنسکرت کو بھی کام میں

لایا جو اُس وقت سب سے پرانا ترجمہ سمجھا جاتا تھا اور قدیم روانیوں پر دار مدار رکھتا تھا ۔ مگر برنوف نے اس ترجمے کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر کس کر اس کا ایک ایک حرف جانچ لیا تھا ، اس کے ساتھہ ساتھہ اُس نے اوستا کی زبان کے قواعد اور تدوین لغت کا کام بھی کیا ، لیکن وہ اس سے زیادہ کچھہ نہ کر سکا کہ دوسروں کو ایک راستہ بتا دیا اور مطالعہ و تحقیق اوستا کے لئے عملی بنیاد قائم کردی ۔ اُس کی مبسوط کتاب کا مبحث یاسنا کے ۷۲ بابوں میں سے پہلا باب ہے جو بجائے خود پوری اوستا کا پانچواں حصہ اور آداب عبادت پر مشتمل ہے اور اگر چہ کچھہ زمانے کے بعد (۱۸۴۴ – ۱۸۴۶ ع) اُس نے یاسنا کے باب نہم کو بھی ویسے ہی اصولوں سے مگر مختصر طور پر کھنگالا لیکن اُس کی کاوشیں اس سے آگے نہ بڑھ سکیں —

جنگ مسالک

اسی زمانے کے قریب محقق بوپ کی مہتم بالشان قواعد شائع ہوی جس میں اُس نے مختلف آرین یا انڈو یورپین زبانوں کی صرف‌ونحو کا مقابلہ کیا ہے ۔ اس کی اشاعت نے محققان اوستا کے درمیان ایک نیا اختلاف پیداکر دیا ، اور دومسلک ایک دوسرے کے مخالف قائم ہو گئے ۔ ایک نے روایات کو رہبر بنایا اور دوسرے نے مقابلۂ السنہ کو ۔ اس وقت تک ہر ایک سمجھدار اور لائق محقق کو اوستا کے اصلی ہو نے میں کوئی شک نہ رہا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اوستا کے سمجھنے میں پارسیوں کی

روایتوں پر کہاں تک اعتماد ہونا چاھئیے - برنوف نے اپنی
تصنیف میں نیریو سینگ کی تفسیر بالروایت کو اپنا رھنما
بنایا تھا (کیونکہ اُس وقت تک اوستاکے قدیم تر پہلوی تراجم
اچھی طرح سے سمجھہ میں نہ آے تھے اور اس لئے زیادہ
کار آمد نہ ھو سکتے تھے) ' اس لئے وہ حامیان روایت کے ساتھہ
تھا اور پوپ اھل مقابلہ کا حامی؛ کیوں کہ وہ سنسکرت کا
ماھر اور زبانوں کو اصول مقابلہ سے جانچنے میں مشاق تھا
اور وہ اوستا کے مطالعہ کو سنسکرت کی لسانیات کی فقط
ایک شاخ قرار دیتا تھا - اسی اثناء (۱۸۵۴ - ۱۸۵۸) میں
ویسترگارڈ اور اشپیگل نے اوستا کے متن کو طبع کرا کے
محققین کا ایک لشکر صف آرا کر دیا جس کا ھر ایک فرد
اپنے اپنے طور پر اوستا کی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف
ھو گیا اور اھل مقابلہ و حامیان روایت کے درمیان ایک
جنگ ' جس کا نام دارمشتیتر نے جنگ مسالک رکھا ھے ' برپا
ھو گئی - حامیان روایت کے ارا کین میں برنوف کے بعد
شپیگل اور یوستی کا مرتبہ ھے اور ان سے اتر کر دےھارلقس
اور گائگر کا - مقابلئین میں بنفی اور روتھہ صف اول میں ھیں-
ونڈش مان کی حیثیت خط وسط پر قائم ھے ' ھاگ ابتداً بنفی
(یعنی اھل مقابلہ) کاسرگرم مقلد تھا ' لیکن جب وہ ھندوستان
سےواپس آیاتو روایات پارسی کا دم بھرتاھوا ' اور اس نےپہلویات
میں اسقدر کام کیا کہ اس کا نام سالاران قافلہ میں درج ھے ' ھاگ
کا تتبع ویستنے کیا اور یہ اس قدر کامیاب ھواکہ اس سے بوی

زیادہ کامیابی حاصل کی' بقول گیلڈنر* اس کی صحت نظر اور بے مثل تبحر نے پہلویات کو ادنی درجے سے اُٹھاکر بلند مرتبے پر پہنچایا اور بالواسطہ اوستیات کے طریق مطالعہ کی اصلاح کی۔ لیکن پہلوی روایات کو جس بے نظیر شخص نے نہایت فراست وجامعیت کے ساتھہ استعمال کیا وہ بے نظیر فاضل مرحوم دارمشتیٹر تھا' اس نے نہایت احتیاط اور صحت اور کامل طریقہ پر روایتوں کے ساتھہ اصل متنوں کا مطالعہ بھی کیا۔ نہایت مسرت کا مقام ہے کہ اگرچہ اُس نے گیلڈنر کی تنقیدِ متون کے طریقوں پر سخت نکتہ چینی کی تھی لیکن آخرالذکر نے اس کی تصنیف اور طرز استدلال کو ان شریفانہ الفاظ میں بیان کیا ہے † :—

دارمشتیٹر اور اس کے تاریخی طریقہ پر گیلڈنر کی تحسین

"دارمشتیٹر ابتدا ہی سے ساسانی ترجمے کا سرگرم حامی اور پہلوی کے اسرار وں سے واقف تھا' لیکن اُس نے اپنی آراء کاماخذ صرف ان ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس نے بخوبی محسوس کرلیا کہ

---

* دیکھو گیلڈنر کا پاکیزہ مضمون "تحقیق اوستا کی تاریخ" جو گائگر و کوھن کی کتاب "اساس لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۴۰-۴۶ میں درج ہے اور جہاں مطالعہ اوستا کے متعلق ہر ایک قسم کی تفصیل و صراحت موجود ہے —

† مضمون مذکور صفحہ ۴۵ —

استدلالات کے بہترین طریقے کے لئے
میدان تحقیقات میں وسعت پیدا
کرنی نہایت ضروري چیز ہے جس کی
بدولت انسان کورانہ جستجو اور
قیاسات سے نکل کر یقین و صحت کی
طرف آتا ہے - چنانچہ اس کا بلا واسطہ
ماخذ پارسیوں کے تراجم ہیں' جن کو
اس نے نہایت تفصیل مگر احتیاط کے
ساتھہ مطالعہ اور استعمال کیا اور
بالواسطہ ماخذ وہ روایات ہیں جو
ساسانی دور سے آج تک متداول ہیں'
یعنی تمام پہلوی اور پاژندي لٹریچر'
پورا شاهنامہ' عرب مورخین کے نوشتہ
حالات' قدما کے تاریخی بیانات' زندہ
پارسیوں کی زبانی اطلاعات' اُن کے
رسوم و خیالات' موجودہ مذهبی
دستور و رواج جو بجاے خود صحیح
روایت پر مبنی ہیں' ایرانی لسانیات
کا تمام مواد جس میں اس کا هر دور
ارتقا اور بولیوں کا اختلاف شامل
ہے اور خود سنسکرت بالخصوص
ویدوں کی سنسکرت - اس میں کلام

نہیں کہ ڈارمشٹیٹر سے قبل ان
عنوانات پر کچھہ نہ کچھہ عرق ریزیاں
ہوچکی تھیں، نامکمل طور پر اور
ناکافی مواد کی بنا پر - مگر
ڈارمشٹیٹر نے تمام اجزا کو ایک جگہ
جمع کیا اور ان کی ایک معین صورت
پیدا کر کے ان سے یقینی نتائج اخذ
کئے، اُس کی محنتوں کا ثمر پختہ،
اُس کی تازہ ترین مگر بہترین کتاب
" ژنداوستا " ترجمہ جدید حل تاریخی
و لغوی ہے (عجائب خانہ یعنے موزۂ
گومے کا سال نامہ جلد ۲۱، ۲۲، ۲۴
پیرس سنہ ۱۸۹۲ - ۱۸۹۳) - ڈارمشٹیٹر
نے حامیان اہل روایات کے مسلک
میں ایک نئی جان ڈال دی اور
انصاف یہ ہے کہ اوستا کی تحقیق
میں وہ طریقہ جس کو وہ تاریخی
طریقے کے نام سے موسوم کرتا ہے،
خالص اُس کی ایجاد ہے اور اس کی
توضیح کے لئے اُس نے بے نظیر اور
کثیر مواد فراہم کیا - اب رہا یہ امر
کہ وہ اپنی بے مثال ذکاوت اور
بے عدیل محنت میں کہاں تک

کامیاب ھوا یا جزئیات کی بحث
میں اس کے تیر نشانے سے کتنے فاصلے
پر گرے اس کا فیصلہ مستقبل کے
ھاتھہ میں ھے"—

پہلوی کتبات کا مزید حل

نا مناسب نہ ھوگا کہ اب ھم پہلوی متون اور کتبوں کے حل کی جانب متوجہ ھوں - لسانیات عجم کی اس شاخ میں باوجود دے ساسی اور اس کے جانشینوں کی (جن کا ذکر آگے آتا ھے) کامیاب محنتوں اور حال میں ویسٹ، اینڈریس، نویلڈکے، دارمشتیٹر، الهان وغیرہ کی بہم رسانی معلومات کے بہت کچھہ کام کرنا باقی ھے—

نقش رستم کے ساسانی کتبے

نقش رستم دریاے پلوار کی داٹیں چٹانوں پر واقع ھے جہاں دریاے مذکور وادیوں میں پھیر کھاکر 'سیوند' اور 'زرگوں' کے درمیان مرودشت میں آنکلتا ھے اور اس کے دوسری جانب مشرق میں دو یا تین میل کے فاصلے پر سامنے استخر نظر آتا ھے، یہاں ساسانی عہد کے کتبے ھیں جن کا ذکر اوپر آچکا ھے، ان میں سے بعض کو حل کرنے میں دے ساسی نے جس قدر کاوش کا ثبوت دیا وہ بے حد ستائش کے قابل ھے - ایک کتبہ جس کے حل میں اُس نے خاص جد و جہد کی اگر سب سے قدیم نہیں ھے تو بہت قدیم کتبوں میں سے ایک ضرور ھے، جن کو سلاطین ساسان نے ھخا منشی کتبوں کی تقلید میں کندہ کیا تھا، اس کا سن خاندان ساسان کے بانی اردشیر (ارتخشتر) ابن

پاپک کا عہد حکومت (۲۲۶ تا ۲۴۱ع) ہے اور پہلوی کی دو جدا جدا صورتوں میں لکھا ہوا ہے جن میں سے ایک کو کلدانی اور دوسرے کو ساسانی کہتے ہیں - ہر ایک صورت کا رسم الخط بھی جداگانہ ہے' اس کے ساتھہ یونانی زبان کا ترجمہ بھی کندہ ہے جس کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے * :—

کتبے میں ساسانی پہلوی کی عبارت کچھہ اس قسم کی ہے :-

پت کری زنا مزدیسن بگی ارتخ
شتر ملکان ملکا ایران مینو چتری من
یزتان برا پاپ کی ملکا †

* کتبے کا متن ھاگ کے مضمون " پہلوی " (اسٹٹ گرٹ ۱۸۷۰) صفحہ ۴-۵ سے لیکر نقل کرتے ہیں اور ھاگ کے طریق پر یونانی عبارت کے متنے ہوے حروف کو حروف کلاں کی بجاے حروف خورد میں درج کریں گے' ۱۸۸۸ ع میں جب کہ ہم شمال ایران سے شیراز کی جانب سفر کر رہے تھے تو ہم نے اس کتبے کا معائنہ کیا اور دیکھا کہ یہ اور بھی دھندلا ہوگیا ہے —

† جو الفاظ نسخ میں لکھے گئے ہیں وہ ہزوارش کے ہیں (اس اصطلاح کی تشریح آگے آتی ہے) پڑھتے وقت ایک ایرانی ان کے مراد فات پڑھ جایا کرتا تھا جیسے زنا (= دہ) کی بجاے آن' ملکان ملکا کی جگہ شاھنشاہ' من (سے) کے لئے' از برا (پسر) کے لئے' پور یا پوھر اور ملکا کے لئے (شاہ) —

ترجمہ

[شبیہہ آن معبود ارتخشتر پرستار مزد، شہنشاہ
ایران، منوچہر یزدان پاپک شاہ]—

اس مزدا کے پوجنے والے ارتخشتر بھگوان کی شبیہہ جو ایران کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کی روحانی نسل سے ھے اور پاپک بادشاہ کا بیٹا ھے—

ساسانی سکے

اس تحقیقات کی کامیابی نے دے ساسی کی ھمت بڑھائی اور جیسا کہ اُس نے اپنی کتاب کے تیسرے اور چوتھے حصے میں بیان کیا ھے اب اُس نے اُسی دور کے پہلوی سکوں پر مندرجہ عبارتوں اور ساسانی عہد کے دیگر کتبات بیستون کا مطالعہ شروع کیا - اوپر بیان ھو چکا ھے کہ دے ساسی کی کاوشوں نے پیکانی کتبوں کے دریافت مطالب میں گروت فنت کے لئے کس طرح نقطۂ آغاز کا کام دیا، اس کے بعد اول الذکر کی تحقیق کے اُس حصے کو جس میں سکے اور تمغوں سے تعلق ھے اوسلے نے (۱۸۰۱) جاری رکھا اور ساسانیوں کے تقریباً چالیس سکوں کو پڑھ ڈالا، پھر ۱۸۰۸ سے ۱۸۱۳ تک تائخ زن بھی اسی اُدھیڑ بن میں لگا رھا—

کتب و کتبات کی پہلوی

ایک ھی زمانے کی پہلوی کتابوں اور ساسانی یادگاروں (کتبے اور سکے) کے حروف تہجی میں نمایاں فرق ھے اور کتابوں کے حروف زیادہ مبہم ھیں، مگر یہ نظر انداز نہ کرنا چاھئے کہ بائیس برس پہلے فیئوم مصر میں کاھی کاغذ پر جو تحریروں کے اجزا برآمد

کئے گئے تھے اور جو اب تک غیر مطبوعہ حالت میں پڑے
ہوے ہیں بلکہ ہنوز پورے طور پر پڑھے بھی نہیں گئے
اُن کے علاوہ تحریری پہلوي کے قدیم ترین نمونے صرف ۱۳۲۳ ع
تک کے ہیں، گویا مندرجۂ بالا ساسانی کتبے سے ایک ہزار
سال بعد کے - اس مدت میں (جس کے دوسرے نصف میں
پہلوی رسم الخط کو صرف پارسی حاملان ملت ایسی قدیم
کتابوں کو نقل کرنے کے کام میں لاتے تھے جو باقی رہ گئی
تھیں) تحریری حروف بگڑ کر بغایت ابتر حالت میں پہنچ گئے
یہاں تک کہ وہ حروف جو بلحاظ شکل ایک دوسرے سے بالکل
جدا تھے اب ہم شکل ہوگئے اور ایک حرف متعدد آوازوں کا
قائم مقام بن گیا - اگر چہ تعدد اصوات کا نقص ساسانی کتبوں
میں بھی پایا جاتا تھا لیکن کتابی پہلوی میں اس نقص کو
کو انتہا درجے وسعت حاصل ہو گئی، مثلاً اب ایک حرف واحد
چار مختلف حروف یعنی ز، د، گ اور ے کی آوازیں دیتا ہے
حالانکہ قدیم کتبوں میں ان آوازوں کی تحریري علامتیں
بالکل جداگانہ ہیں - اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتابی
پہلوي کی عبارتیں کس درجہ مبہم اور مشکل ہوں گی اور
ان عبارتوں کے حل میں کتبیات سے کس قدر امداد مل سکتی ہے،
اس امداد کی اہمیت کو میونک کے پروفیسر مارک جوسف ملر
نے پوری طرح سے سمجھا اور اس پر بعنوان "پہلوی زبان"

ملر کا مضمون

ایک مضمون لکھ کر اپریل سنہ ۱۸۳۹ ع کے
یورمال ایشیاٹک میں شائع کرایا جس کی
بابت ہوگ کا خیال ہے کہ اس مضمون نے پہلویات میں ایک نیا

انقلاب پیدا کردیا ھے - پیروان زرتشت بالخصوص پارسیان بمبئی کے ھاں پہلوي کتب کے پڑھنے کا ایک روایتی لیکن مخرب طریقہ رائج ھے جس کے باعث بالکل جعلی اور مہمل الفاظ پیدا ھو گئے، انھیں دنیا میں آج تک کسی قوم نے نہ تو زبان سے ادا کیا اور نہ قلم سے، مثلاً 'بومن' (دراصل برا تھا = پسر)' مودا (دراصل ملیا = لفظ)' انہومہ (دراصل اوھرمزہ = خدا)' جم ذّن تن (دراصل یہللونتن = بولنا) وغیرہ۔ مبہم پہلوي رسم خط اوپر کے ھر غلط تلفظ بلکہ ھر لفظ کے اور درجن بھر غلط تلفظوں کا متحمل تھا - لیکن نسبتاً کم مبہم کتباتی پہلوی سے مقابلہ کرنے پر بعض الفاظ کا صحیح تلفظ اور ان کی صحیح شکلیں دریافت ھو گئیں' ضبط تلفظ کے اس طریق کی ایجاد ملر کی کوشش کا نتیجہ ھے اگر چہ قدرتاً وہ ھر لفظ کا صحیح تلفظ معلوم کرنے میں کامیاب نہ ھو سکا —

اس مسئلے کی مزید صراحت سے قبل ھم یہ چاھتے ھیں کہ پہلوی کی ایک لاینفک خصوصیت پر متوجہ ھوں جس کا ذکر گزشتہ سطور میں بار ھا آچکا ھے یعنی پہلوی میں آرامی الفاظ کے ھزوارش یا زوارشن عنصر پر جو بحالت اکثر فارسی حرف کے لاحقوں یا صوتی ضمیموں کے باعث کم و بیش مسخ کردیا گیا ھے - جس وقت ایک پہلوی متن پڑھنے میں آتا ھے تو اس کی عبارت میں ایسے کثیرالتعداد الفاظ ملتے ھیں جو نسلاً ایرانی زبان کے نہیں بلکہ سامی زبان کے ھوتے ھیں یا بالفاظ معینہ آرامی

بولی کے جو سریانی یا کلدانی زبان سے بہت ملتی جلتی
ھے - اچھا ' چونکہ جدید فارسی میں بھی سامی زبان یعنی
عربی کے الفاظ کثرت سے شامل ھیں اور جیسے لکھے جاتے ھیں
ویسے ھی پڑھے جاتے ھیں لیکن در اصل ھیں غیر ملکی اور
فارسی زبان میں اس طرح ایک جگہ ھوگئے ھیں جس طرح
یونانی ' لاطینی ' فرانسیسی اور دوسری غیر زبانوں کے
الفاظ ھماری موجودہ انگریزي زبان میں پیوست ھوگئے
ھیں ' اس لئے اول اول یہ خیال کیا گیا تھا کہ پہلوی میں
آرامی عنصر کا شمول ایک ایسی ھی چیز ھے جیسے کہ
جدید فارسی میں عربی عنصر کا وجود - لیکن کاوش عمیق
سے پتہ چلا کہ ان دونوں صورتوں میں ایک بین فرق ھے '
عربی کو جدید فارسی سے جو تعلق ھے وہ آرامی کو پہلوی
سے نہیں ھے - ایک زبان دوسری زبان کی خواہ کتنی ھی
گرانبار احسان ھو لیکن احسان و استعانت کی ایک حد ھے
جس سے تجاوز کرنا امکان سے بعید ھے - ھم کسی مرصع نگار
ادیب کی مسجع و رنگین ' فارسی عبارت کا ایک ٹکڑا
سامنے رکھیں تو ھم کو بلا دقت ایسے جملے نظر آئیں گے
جن میں تمام مصادر و اسما اور صفاتی الفاظ بلکہ اقتباس
و مقالات خالصاً عربی ھوں گے ؛ لیکن جملوں کی عام ساخت
اور ضمائر و افعال فارسی ھوں گے اور ان سے مفر بھی
ناممکن ھے - چنانچہ انگریزي کے اس فقرے کے

I regard this expression of opinion as dangerous

آٹھ لفظوں میں صرف چار انگریزی نسل کے ھیں' لیکن

فقرے کا اسلوب منہ سے بولتا ہے کہ میں انگریزی ہوں' یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آئی (I) ' دس (this) ' آف (of) اور آیز (as) کی جگہ بدیسی الفاظ استعمال ہونے چاہییں - لیکن پہلوی میں معاملہ اس کے برعکس ہے - ہوگ کا یہ خیال (" پہلوی زبان " صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) تو قدرے مبالغہ آمیز ہے کہ :—

" اسم کی علامات حالت وجمع ' ضمائر
منفصلہ ' اشارہ ' موصولہ یا استفہام '
ایک سے دس تک کے اعداد ' روزمرہ
استعمال کے افعال (بشمول افعال امدادی)
مثلاً ہونا ' جانا ' آنا ' چاہنا '
کھانا ' سونا ' لکھنا وغیرہ ' تقریباً جملہ
حروف ربط ' متعلقات فعل ' حروف
عطف ' وضع اسم کے متعدد اہم لاحقے
اور عام الفاظ کی ایک بہت بڑی
تعداد (کم از کم ساسانی کتبوں میں)
یکسر سامی الاصل ہے "

لیکن حقیقتاً و اقعہ بہت کچھ یہی ہے ' پہلوی کے اکثر جملوں میں صرف اواخر فعل و ضمائر متصلہ اور جملے کی عام ساخت عجمی ہوتی ہے' گو ہم مانتے ہیں کہ یہ اجزا جملے کا اہم اور لازمی حصہ ہوتے ہیں- ان خصوصیات پر مستزاد متعدد عجیب الخلقت دوغلے الفاظ ہیں جو کچھ نیم فارسی نیم آرامی ہیں ' جو ایک صحیح دماغ کے نزدیک کسی زبان

کے الفاظ نہیں ہو سکتے ہیں - مثلاً لکھنے کے معنوں میں سامی لفظ کا مادہ تین حروف ک ، ت ، ب سے مرکب ہے ، اس سے صیغۂ جمع غائب یکتِبوں (عربی یکتُبون) بنتا ہے، حالانکہ اس معنی کا فارسی مصدر نبشتن ، نپشتن ، یا نوشتن ہے - مگر پہلوی محرر ایک نیا لفظ " یکتبوں تن ، گھڑ لیتا تھا ، تاہم جب وہ اس کو پڑھتا تو " یکتبوتن " نہیں پڑھتا تھا ، اس کے نزدیک یہ لفظ جو آرامی میں ایک بامعنی منصرفہ لفظ ہے محض ایک علامت لفظ یا تصویری لفظ تھا جو " نپش " کا قائم مقام سمجھ لیا گیا تھا ، پس وہ فارسی کا مناسب لاحقہ " تن " یکتبوں کے ساتھ ملا کر اپنے خیال میں ایک پورا مصدر "یکتبون تن " بنا لیتا اور اس کو پڑھتا " نپشتن " - اس طرح " مرد " (آدمی) کے لئے وہ سامی لفظ " گبرا " لکھتا لیکن جب وہ چاہتا کہ مرد کا مرادف مردم پڑھا جائے تو وہ گبرا کے آخر میں " مُ " ملا کر ، گبرامُ " اختراع کر لیتا تھا اور پڑھنے والا " گبراُم " کو " مردم " پڑھتا تھا —

اوپر بالاختصار بیان کر چکے ہیں کہ اس عجیب و غریب طرز تحریر و طریق تلفظ کی مثال آسوری زبان میں بھی موجود ہے - توران کی قدیم تر اکادی زبان میں باپ کے لئے لفظ ادّہ تھا اور حسب بیان ہوگ جب اہل آسوریہ باپ لکھنا چاہتے تو وہ ادّہ کا ایک رکن " اد " یا " اتِ " لکھ دیتے تھے مگر اس کو پڑھتے تھے لفظ " اب " جو ان کی زبان میں باپ کے لئے آتا تھا اور اگر ان کو " میرے باپ "

لکھنا منظور ہوتا تو وہ اتویہ لکھتے مگر اس کا تلفظ ابویہ
کرتے - و اسوری قوعد میں علامت فاعلی ہے اور لاحقہ ی
بمعنی "میرے" ، آسوری ان دونوں کو غیر زبان کے ایک جزو
"ات" کے ساتھہ اضافہ کردیتے تھے - اِسی طرح ایک پہلوی محرر
جب باپ لکھنا چاهتا تو بجاے پتر (= پدر) کے آسوری اِبتر
لکھتا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ آسوری " اب " کو وہ محض ایک
ایک تصویری علامت سمجھتا تھا اور اس کے فارسی مرادف کو
لاحقۂتر سے ظاهر کرتا تھا —

ایک اور تعجب انگیز لیکن مفید خصوصیت پہلوی
رسم الخط کی یہ تھی کہ فارسی کا وہ لفظ جو اس زمانے
میں مرکب اور تحلیل و تجزیہ کے قابل خیال کیا جاتا
تھا اُس کا هر ایک رکن سامی یا هزوارش مرادف رکن سے
ظاهر کیا جاتا تھا ، مثلاً فارسی کا مصدر پنداشتن بمعنی
سوچنا ، خیال کرنا لو - اِس زمانے کے ایرانی کو خیال بھی
نہ ہوگا کہ یہ مرکب ہے اور اس کے اجزا جدا کئے جا سکتے
ہیں ، لیکن پہلوی محرر کو علم تھا کہ یہ مفرد نہیں
ہے ، چنانچہ جب وہ اس کو لکھتا تو اس طرح سے ، پون
(براے پ واسطے) هانا (براے این ، اس) ، یخسنون تن (داشتن ،
پکڑنا یا لینا) ، نولدیکے نے لفظ مگر (= تا وقتیکہ = اگر نہیں)
کے ایسے هی تجزیہ کی جانب توجہ دلائی ہے ، یہ بھی
دو آرامی یا هزوارش اجزا سے ظاهر کیا جاتا ہے جن میں سے
پہلے کے معنی نہیں اور دوسرے کے اگر ہیں - اس اصول

کا ایک اور عجیب مگر سبق آموز اطلاق ھے - جدید فارسی میں ضمیر واحد کے لئے" من" آتا ھے جو قدیم فارسی کے مرادف" ادم" (اوستا میں ازم) کے اُس مادے سے مشتق ھے جو حالت فاعلی کے علاوہ ھر ایک حالت سے تعلق رکھتا ھے اور جس کی حالت جر مذا ھے - پہلوی لکھنے والا جس وقت من کا ھز وارش مرادف" لی"(مجھے یا میرے لئے) لکھتا ھے تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھتا ھے —

اگر خارجی شہادتیں بھی موجود نہ ھوتیں تو ان مثالوں کو دیکھہ کر ایک نہایت تیز ذھن آدمی کو یہ ظن پیدا ھو سکتا تھاکہ پہلوی زبان کی خصوصیت حروف یا علامت تہجی میں مرکوز ھے جو عبارت کے پڑھتے ھی غائب ھو جاتی تھی لیکن خوبیٔ قسمت سے شہادتیں موجود ھیں جو اس امر کو تمام و کمال ثابت کرتی ھیں :—

پہلی خارجی شہادت مورخ اے می آنس مارسے لی‌نس کی کتاب میں درج ھے ۔ وہ (باب ۱۹ ' ۲ - ۱۱) میں لکھتا ھے :—

" اھل ایران اُسے ساپورم اور ساں ساں
(یعنی شاہ پور اور شاھان شاہ) اور
پای روزن (یعنی پیروز یا فیروز)
کہتے تھے جس کے معنے بادشاھوں کا
بادشاہ اور فاتح جنگ ھیں"

یہ حوالہ شاپور دوم (۳۰۹ - ۳۷۹ ع) کے متعلق ھے جس کا خطاب سکوں پر" ملکان ملکا"اور لوگوں کی زبان پر آجکل کے

مانند "شاهنشاہ" تھا —

دوسری شہادت علامہ محمد بن اسحاق مؤلف الفہرست (۹۸۷ – ۹۸۸) کی ھے ' علامہ نے پہلوی کی نسبت نیز دیگر مسائل میں جو کچھہ ساسانی ایران کے متعلق حوالۂ قلم کیا ھے وہ فقیہ الدھر ابن المقفع کی سند سے ھے ' یہ فاضل

ابن المقفع

آتش پرست تھا' آٹھویں صدی کے وسط میں گزرا ھے' مسلمان ھوگیا تھا مگر دل شک سے خالی نہ تھا' ۷۶۰ع کے قریب قتل کردیا گیا۔ مقرر اور صاحب علم ایسا زبردست تھا کہ وزیر و کاتب ابن مقلہ (متوفی قریب ۹۳۹ ع) نے ان دس لوگوں کی صف میں اس کو جگہ دي ھے جو فن تقریر اور عربی انشاپردازی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے' ابن خلدون بھی اس کي زباں دانی کا اعتراف کرتا ھے ۔ ان کمالات کے ساتھہ ابن المقفع نے پہلوي پر بھی کامل عبور حاصل کیا تھا' چنانچہ اس نے متعدد اھم پہلوی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا جن میں سے صرف ایک ترجمہ باقی بچا ھے اور اتفاق سے وہ بھی سب سے کم دلچسپ کتاب یعنی کلیلہ و دمنہ کا۔ اس عالم کے بیانات کو مستند تسلیم کرکے مؤلف الفہرست نے سات قسم کے خط (کتابد) جو اسلام سے قبل ایران میں رائج تھے' گنوائے ھیں اور آگے چل کر هزوارش کی بابت جو کچھہ تحریر کیا ھے اس پر سب سے اول کاترمیر نے سنہ ۱۸۳۵ ع میں یورپ کو متوجہ کیا لیکن اس کا اصل متن سنہ ۱۸۶۶ ع تک شایع نہ ھوا تھا ۔ سن مذکور میں چارلس کانو نے متن کو اپنے ترجمے کے ساتھہ طبع کرایا

اور کاترمیر کے ترجمے پر حرف گیری بھی کی ھے- ابن اسحاق کا بیان ھے :-

"اور اسی طرح ان کے ھاں ایک قسم کے ھجے (متن میں ھجا ھے، کتابہ نہیں ھے)، رائج ھیں جن کو زوارشن (یا ھزوارش) کہتے ھیں، الفاظ کی تعداد تقریباً ایک ھزار ھوگی، انھیں ملاکر بھی لکھتے ھیں اور علیحدہ علیحدہ بھی- ان ھجوں سے مقصود یہ ھے کہ ھم شکل الفاظ کو ایک دوسرے سے تمیز کیا جاسکے اور ابہام نہ پیدا ھونے پائے- مثال یوں سمجھنی چاھئے کہ جب گوشت لکھنا مقصود ھوتا ھے تو اس صورت سے "بسر" لکھہ دیا جاتا ھے (یہاں اصل لفظ پہلوی خط میں درج ھے) مگر اس کو پڑھتے ھیں گوشت، اسی طرح نان لکھنا منظور ھوتا ھے تو "لحمہ" لکھہ دیتے ھیں (یہاں بھی اصل پہلوی لفظ درج ھے) لیکن پڑھتے ھیں نان- یہی حالت دوسرے الفاظ کی ھے، ھاں جن الفاظ کے لئے اس قسم کے قایم مقام الفاظ کی ضرورت نہیں ھوتی وہ سیدھے سادھے

طور پر اسی طرح لکھے جاتے ھیں جیسے
کہ تلفظ میں آتے ھیں" * —

تیسری شہادت یہ ھے کہ جوں ھی فارسی عبارتیں عربی حروف میں منتقل ھونے لگیں آرامی یا هزوارش عنصر بالکل غائب ھوگیا، اگر هزوارش الفاظ تلفظ یا بول چال میں آیا کرتے تو یہ انقلاب ممکن نہ تھا۔ مگر ایسی حالت میں بالکل ممکن اور قدرتی چیز تھا جب کہ هزوارش الفاظ صرف تحریر کے کام میں آتے ھوں اور محض علامتوں کی قیمت رکھتے ھوں —

چوتھی شہادت کے طور پر وہ روایت پیش کرسکتے ھیں جو آج تک پارسیوں میں رائج ھے یعنی یہ کہ هزوارش الفاظ کو پڑھتے وقت فارسی الفاظ سے بدل دینا چاھئے۔ یہ روایت جیسا کہ ھم اوپر دکھا چکے ھیں تفصیل میں قابل وثوق نہیں

---

* دیکھو ھاگ کا مضمون "پہلوی" صفحہ ۳۷ وغیرہ، جرنل ایشیاتک بابت ۱۸۳۵ (صفحہ ۲۵۶) اور بابت ۱۸۶۶ صفحہ ۴۳۰)، اور کتاب فہرست مرتبۂ فلوگل صفحہ ۱۴، ھوگ کے بعض ترجموں سے ھم کو اتفاق نہیں ھے خصوصاً لفظ "متشابہات" کے مفہوم سے جس کا ترجمہ اس نے ھم معنی الفاظ کیا ھے، ھم کو اس سے اختلاف ھے، ھمارے نزدیک مشتبہات سے وہ فارسی الفاظ مراد ھیں جو پہلوی حروف میں تحریر ھونے سے مبہم ھوجاتے ھیں، مگر ان کے هزوارش مرادفات اتنے مبہم نہیں ھوتے، جس کا جی چاھے نان کو پہلوی میں لکھ کر دیکھ لے، اس کو معلوم ھوجائے گا کہ یہ لفظ کے طرح سے پڑھا جاسکتا ھے اور ابہام کی اصل وجہ کیا ھے۔

هے تاهم اصولاً اس کا مفهوم همارے بیان کا موید هے' یهی وجه هے که ایسی پاژند اور فارسی کتابیں وجود میں آگئیں جو عربي اور اوستا کے غیر مبہم حروف میں بعض پہلوي کتابوں کی نقلیں هیں اور جن میں آرامی یا هزوارش الفاظ کی جگه فارسی کے صحیح یا فرضی مرادفات رکھتے چلے گئے هیں - مناسب هوگا که

تعریف اصطلاحات

اس باب کو ان اصطلاحات کي تعریف پر ختم کیا جاے جو ایران کی السنۂ ماضیه کے ذکر میں استعمال هوئی هیں' ساتھ میں ان کے صحیح مفهوم کی توضیح بھی کردی جاے اور جہاں تک معلوم هے ان کے اشتقاق اور مادہ کا بھی سراغ لگایا جاے -

میڈوی

"میڈوي" سے مراد هے زبان میڈیا' جو موجودہ ایران کا مغربی حصه هے۔ کتبۂ دارا میں اس لفظ کو مادہ لکھا هے اور قرن اولیٰ کے عرب جغرافئین نے اس کو ماهات کا نام دیا هے۔ ماهات ماہ کی جمع هے جو سابقه کے طور پر ماہ بصر' ماہ کوفه' ماہ نہاوند میں لگا هوا هے۔ میڈیا کا قدیم دارالحکومت ایکبتنه تھا جو کتبوں میں هگمتانه آیا هے اور اب همدان کہلاتا هے۔ میڈوی آج کل ناپید هے لیکن دارم شتیٹر کے قول کو مان لیں تو میڈوی اوستا کی زبان هوگی' اور اگر آپرت کے خیال کو تسلیم کیا جاے تو هخامنشی دور کے سه لسانی کتبات میں دوسرے نمبر کی' جس کی عبارت قدیم فارسي سے اور آسوری زبان کے درمیان هے - به خیال غالب یه زبان قدیم فارسی بہت کچھ مشابه تھی اور اس کے بعض الفاظ سے' جو بعض مصنفین مثلاً هیرو ڈوٹس کي کتابوں میں محفوظ هیں'

قوی شبہ ہوتا ہے کہ ایران کی بعض موجودہ بولیاں اسی کی
نسل سے ہیں —

اوستائی

"اوستائی" سے مراد ہے اوستا کی زبان جو
اکثر غلط طور پر "ژند" اور کبھی کبھی
"قدیم باختری" کے نام سے موسوم کی جاتی ہے - آخرالذکر
نہایت ہی نا مناسب نام ہے کیونکہ شواہد سے پتہ چلتا
ہے کہ جیسے دلائل اس کو شمال مشرقی باختر کی زبان
قرار دینے کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں ' ویسے ہی اس
کو شمال مغرب یا آذربائجان کی زبان ثابت کرنے کے لئے
بھی دیے جاسکتے ہیں ' ثبوت دونوں طرف برابر ہے - صرف
اوستا ایسی کتاب ہے جو اس زبان میں قلم بند ہے' گو خود
اوستا کے چند بھجن جن کا نام گاتھا ہے قدرے مختلف اور
باقی حصص کی زبان سے قدیم تر زبان میں ہیں - اوستائی
کا رسم خط پہلوی سے ماخوذ ہے لیکن اس سے بدرجہا بہتر ہے -
لفظ اوستا کا وجود دور ساسانی سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا
گو آپرٹ کا عقیدہ ہے کہ دارا کے بیستونی کتبے (کتبہ ۴'
فقرہ ۶۴) میں جو ایک لفظ آبستام آیا ہے اس سے اوستا عبارت
ہے - پہلوی میں اوستا کی صورت "آوستاک" اوستاک
(تارم شتیتر اپستاک) سریانی میں "اپستاگا" اور عربی میں
"ابستاق" ہے - اینڈریاس کا خیال ہے کہ وہ قدیم فارسی کے لفظ
"اُپستا" (= مدد' حمایت) سے مشتق ہے اور اس کے معنی

ژند

"اصل متن" ہیں - اس میں شک نہیں کہ
اوستا و ژند کو جب ملاکر بولتے ہیں تو اوستا

متن کے معنی دیتا ھے۔ "اوستاو ژند" کو الٹ کر "ژند اوستا" بھی کہدیتے ھیں، یہ تقدیم و تاخیر بالکل غلط اور دھوکے میں ڈالنے والی ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ پارسیوں کی الہامی کتاب کا متن اوستا اور اس کی مسلسل پہلوي شرح (= ترجمہ و تفسیر) ژند کہلاتی ھے جو عموماً متن کے ساتھہ درج کی جاتی ھے۔ پس اگر "زبان ژند" کی اصطلاح استعمال میں آئے تو اس سے ژند یعنی ترجمہ و تفسیر کی زبان یا بالفاظ دیگر "پہلوی زبان" مراد لینی چاھئے۔ لیکن انسب تو یہی ھے کہ اس اصطلاح کا استعمال قطعاً ترک کردیا جاے کیونکہ یورپ میں ایک غلط فہمی کی بنا پر "زبان ژند" کا اطلاق "زبان متن" پر ھوتا رھا ھے —

قدیم فارسی

قدیم فارسی اوس زبان پر دلالت کرتی ھے جو "ایران خاص" یعنی فارس کی قدیم زبان تھی، ھخامنشی دور کے کتبات کی سرکاری زبان اور بلاریب وہ زبان جس میں سلاطین مثلاً دارا و زرکسیز اور دوسرے تاجدار بات چیت کرتے تھے یہی تھی، بجز کتبوں کے اس کا نشان کہیں باقی نہیں—

۳ پہلوی

اولس ھاؤس کی تحقیق کے مطابق "پہلوي" اور "پارتھوی" ھم معنی ھیں، جس طرح قدیم الفاظ متھر اور چتھر مہذب و سبک ھوکر مہر اور چہر بن گئے ھیں اسی قیاس پر پارتھیہ کا پرانا فارسی نام پارتھوا پہلے 'پرھو' پرھو سے 'پلھو' اور پلھو سے 'پہلو' بن گیا ھوگا۔ جغرافئیین عرب نے اس کو عربی صورت فہلو بنا کر وسط و

غرب ایران کے ایک ایسے حصے کے لئے استعمال کیا ھے جس
میں اصفہان، رے، ھمدان، نہاوند اور آذر بائجان کا کچھہ
حصہ شامل تھا - اوپر بتایا جا چکا ھے کہ هم کو پارتھیوں کے
متعلق عجمی ذرائع سے اس قدر کم حال معلوم هوا ھے کہ هم
یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ ایرانی تھے یا تورانی- قومی
روایات نے ان بادشاهوں کے متعلق جن کو "ملوک الطوائف"
(= شاهان قبائل) کا لقب دیا گیا ھے اس قدر کم مواد محفوظ
رکھا ھے کہ شاہ نامے میں فردوسی نے صرف ایک صفحے میں
ان کی داستان ختم کردی ھے) وہ ان کو جاهلان وحشی اور
ناقابل ذکر قرار دیتا ھے - ان کے سکوں پر یونانی عبارت
کندہ هوتی تھی بلکہ انھوں نے یونانی لقب "فیل هلینیز"
بھی اختیار کرلیا تھا؛ ان باتوں سے ساسانیوں کا یہ دعویٰ
ایک حد تک صحیح ثابت هوتا ھے کہ هم نے سکندر کے استیلا
و استیصال کے بعد قومی خصوصیات و عقائد کو زندہ کیا -
مگر لفظ "پہلووں کا نام" هندوستان بھی پہنچ چکا تھا اور ایران
میں آج بھی "دور شجاعت" یا دور مشاهیر یعنے پہلوانان
نامور کے کارناموں اور زبان کے معنوں میں رائج ھے - تاهم
بمعنی "زبان" ایران میں پہلوی کا مفہوم اس قدر معین
نہیں ھے جس قدر کہ یورپ میں جہاں پہلوي کو فقط ساسانی
یا فارسی متوسط کا مترادف کہتے هیں اور یہ سمجھتے هیں کہ
اُس کا ایک خاص رسم الخط ھے اور اس میں آرامی یا هزوارش
عنصر کی آمیزش ھے - لیکن وہ "پہلوي" جس میں فردوسی
کے شاهان نامدار اور پہلوانان گردن‌کش مراسلت کرتے تھے،

جس میں عمر خیام اور خواجہ حافظ* نے نغمہ سرائی کی‘ جس میں ”فہلویات“ (بولیوں کے اشعار) نام کی نظمیں موجود ہیں اور جس کی بابت چودھویں صدی کے مشہور مورخ و جغرافیہ نویس حمداللہ مستوفی قزوینی کا بیان ہے کہ وہ ایران کے متعدد اضلاع خاص کر شمال مغرب میں بولی جاتی ہے‘ مقابلۃً ایک غیر معنی اور مبہم چیز ہے - بقول فردوسی تہمورث ”دیوبند“ پہلا بادشاہ تھا جس نے نہ صرف ایک زبان بلکہ تقریباً تیس زبانوں مثلاً رومی (یونانی)‘ تازی (عربی)‘ پارسی‘ ہندوستانی‘ چینی اور پہلوی کو تحریر کی زبان بنایا تاکہ ”وہ چیز جس کو تو بولا ہوا سنتا ہے نوشتہ ہو جاے“† - تہمورث جمشید کا پیشرو تھا اور جمشید وہ فرضی شخص تھا جو اوستا میں یمہ اور کتب ہنود میں یَمہ لکھا ہے اور جس کا وجود صرف ہندیوں اور ایرانیوں کے مشترک افسانوں سے تعلق رکھتا ہے‘ یعنی ان ازمنۂ بعیدہ سے جب کہ ہنوز فارسی متوسط تو درکنار اوستائی یا قدیم فارسی آرین گروہ کی قدیم زبان سے جدا نہ ہونے پائی تھی - بالفاظ مختصر ایک طرف تو فردوسی پہلوی کو گھسیٹ کر دور فسانہ سے بھی صدیوں پیچھے لیجاتا ہے اور دوسری طرف حمداللہ قزوینی اُس کو گاؤں کی بولی بیان کرتا ہے‘ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ قزوینی کا مطلب اُس جواب سے زیادہ نہیں ہے جو قوھرود (کاشان سے

---

* مثلاً: با خواجہ مے خورد بغزلہاے پہلوی - (حافظ)

† شاہ نامہ مرتبۂ میکن جلد اول صفحہ ۱۸ —

ایک منزل جنوب میں ایک کوهستانی علاقہ ھے) کے ایک دیہاتی نے راقم کو دیا تھا۔ ھم نے اُس سے دریافت کیا تھا کہ تمھارے گاؤں کی زبان کیا ھے؛ تو اُس نے جواب دیا "فرس قدیم"- زرتشتیوں کے علاوہ خود ایران کا ھر ایک باشندہ "پہلوي" کو فرس قدیم سمجھتا ھے؛ لیکن اس کتاب میں یہ لفظ فارسی متوسط یا فارسی ساسان کے محدود معنوں میں استعمال کیا گیا ھے - پہلوی اس حد تک پارتھوي زبان کہلا سکتی ھے کہ اس کے ابتدائی نقوش عہد زھر اور تیسری چوتھی صدي قبل مسیح یعنی عہد پارتھیہ کے نیم پارتھوی سکوں میں پائے جاتے ھیں *—

کے متعلق جائیگی خرد

هزوارش "هزوارش" "زوارش" یا "زوارشن" کی تشریح اوپر گزر چکی ھے - لیکن اس لفظ کا اشتقاق بےحد مشتبہ ھے اور اس کی نسبت ظنّیات کا ایک عجیب عالم ھے - دستور ھوشنگ جی "هزوان آسور" (زبان آسور) تجویز کرتا ھے اور تراں‌بورگ "هاسوسی" بمعني "یہ‌سریانی ھے"- لیکن ھوگ اور دارمشتیتر کا سراغ زیادہ قرین قیاس معلوم ھوتا ھے - ھوگ کا خیال ھے کہ یہ حاصل مصدر ھے جس کے معنی ھیں پرانا یا متروک ھونا - دارمشتیتر نے بھی اسی قسم کا ایک فعل سوذچا ھے جو اس کے

---

* دیکھو ھوگ کا مضمون "پہلوي" صفحۂ ۳۰ تا ۳۱ اور ویسٹ کا مضمون "ادبیات پہلوی" جو "لسانیات عجم" جلد دوم صفحۂ ۷۵ میں درج ھے—

جس ۰

جس متروک ہو کر اب اس قدر غائب ہوگیا ہے کہ
ملی معنوں میں اُس کی ایک ایک شکل صرف عربی کے
فعل " زور " (تزویر مصدر) میں باقی ہے اور " زور "
سے مراد ہے اُس نے جبر کیا ' چھپایا' بگاڑا یا (متن میں)
تحریف کی ' دھوکا دیا ' چال کی یا غلط راستہ پر ڈالا ' -
بہرکیف جس نظام تحریر میں مثلاً " ایتوں گویند کو "
(جو دوسرے ہزوارش جملے کا پازند پارسی مرادف ہے)
" آئی تونو یہللونت ایغ " لکھا جاے اُس کے نام ہزوارش
کا مفہوم مطالب پر جبر کرنا ' ان کا چھپانا یا بگاڑنا ہو تو
کسے اچنبھا ہوسکتا ہے ' حقیقتاً یہ جملہ معانی ہزوارش
پر صادق آتے ہیں —

پازند و پارسی

ہم دیکھا چکے ہیں کہ متن اوستا کی
پہلوی " تشریح " ژند کہلاتی ہے - اسی
طرح پہلوی ژند کی " تشریح مکرر " (پیتی زینتی)
پاژند کہلاتی ہے' تشریح مکرر میں جو رسم الخط استعمال
کیا گیا ہے وہ پہلوی رسم الخط سے کم مبہم ہے اور اُس کے
الفاظ ہزوارش کی بجاے منا سب فارسی الفاظ ہیں '
اس نقل و تغیر کے لئے جب اوستائی حروف کام میں
لائے جاتے ہیں تو نتیجہ پاژند کہلاتا ہے - اور جب فارسی
(یعنی عربی) حروف اختیار کئے جاتے ہیں تو پارسی
کہلاتا ہے - پہلوی کی نقل خواہ پاژند ہو خواہ پارسی
دونوں سے جدید یا بعدالاسلامی فارسی کی قدیم یا قدیم نما
(قدیم نما اس لئے کہنا پڑا کہ بد قسمتی سے پارسیوں کی

روایتیں اعتبار کے لایق نہیں ہیں اور قدامت کے متعلق ان کا بیان سند قاطع نہیں ہوسکتا) مشکل پیدا ہو جائیگی اور آرامی عنصر بالکل معدوم - متعدد کتابیں مثلاً منیوےخرد (= روح فراست) اس وقت ایسی موجود ہیں جن کے پہلوی اور پاژند یا پارسی دونو قبیل کے نسخے ملتے ہیں * ' لیکن پاژند میں جس قدر تحریریں ہیں وہ اصلی تصنیف نہیں بلکہ پہلوی اصل کی (گو بعض بعض اصل گم ہیں) نقل ہیں' اس لئے کہ تفسیر مکرر کی ضرورت تب ہی محسوس ہوئی جب مدتوں تک متروک رہنے کے باعث لوگ پہلوی کی اصلیت کو بھولنے لگے ' اور کاتبان پہلوی نایاب اور عالمان پہلوی مفقود ہونے لگے —

جدید فارسی

جدید فارسی یا صرف فارسی سے ہمارا مدعا وہ زبان ہے جو اسلام کے بعد ایران میں بولی جاتی تھی اور جس کی تحریر کے لئے عربی حروف مستعمل ہوتے ہیں' فارسی قدیم (ہخا منشی) فارسی متوسط (ساسانی) فارسی جدید (اسلامی) بس ایسے ہی الفاظ ہیں جیسے کہ قدیم انگریزی (اینگلوسیکسن ' انگریزی متوسط اور جدید انگریزی جو ہماری زبان کے مدارج ترقی کے

---

* میلوے خرد کے پہلوی متن کی نقل مطابق اصل اندر یاس نے لیتھو میں چھاپی ہے (مطبوعہ کیل سنہ ۱۸۸۲ع) ' ویسٹ نے پہلوی کی پاژند نقل رومن حروف میں اور ترجمہ سنسکرت اور انگریزی میں کیا ہے اور اس پر حواشی بھی لکھے ہیں (اسٹٹ گارٹ سنہ ۱۸۷۱ع)

جدا جدا نام ہیں - تقسیم بالا کے لحاظ سے ہم اصطلاح فارسی
جدید کو بے تکلف رودکی کے کلام پر منطبق کر سکتے
ہیں جس کے زمانے کو تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ
گزرا اور یہ انطباق اس مفہوم کا ہمسر ہوگا کہ شیکسپیر
" انگریزی جدید " لکھتا تھا - لیکن اگر یہ نام ایک ایسی
زبان کے لئے ' جو مدت کے اعتبار سے نویں صدی عیسوی
تک پیچھے پہنچتی ہو نامناسب معلوم ہوتا ہے تو ہماری
دانست میں دوسرا نام " اِسلامی فارسی " مقرر کر لیا جائے '
گو اعتراض سے یہ لقب بھی کلیۃً محفوظ نہیں - کسی دوسرے
موقعہ پر ذکر آچکا ہے کہ تین سو سال میں انگریزی نے
جو رنگ بدلے وہ فارسی پر ایک ہزار سال میں بھی
نہیں چڑھے اور خاص طرز کے متروکات محض اُن تالیفات تک
محدود ہیں جو تیرھویں صدی کے انقلاب اعظم یعنی سیلاب
مغلیہ سے قبل وجود میں آچکی تھیں —

ایرانی بولیاں

باب نو سے پیشتر جدید فارسی کی بعض مقامی
بولیوں کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا' ان سے
ہماری مراد نہ تو افغانستان کی فارسی ہے' نہ بلوچی' نہ
کردستانی' نہ پامیری جو ایرانی زبان کی دلچسپ شاخوں میں
داخل ہیں اور نہ کوہ قاف کی فارسی' جس کے متعلق پوری تفصیل
گائگر و کہن کی مذکورۂ بالا تصنیف لطیف " لسانیات عجم "
جلد اول کے آخری حصے میں ملے گی' بلکہ ہماری مراد اُن
بولیوں سے ہے جو خاص ایران کے علاقوں میں رائج اور انہی
تک محدود ہیں' گو اس کی تحقیق میں بیریزن' تورن'

ژالمان اور خاص کر روس میں ژکووسکی نے، گائگر، سوت سین، هیبش مان اور هوتم شندلر نے جرمنی میں، هیوآر اور کیری نے فرانس میں کافی دیدہ ریزی کی هے اور انگلستان میں خود هم نے قدرے قلیل محنت کی هے لیکن هنوز بہت کچھہ تلاش و تجسس باقی هے؛ ان کے سمجھنے میں جس دن محققین کو مہارت هو جاے گی تو فارسی کے بہت سے تاریک مسائل یقیناً روشنی میں آجائیں گے، ان کو یا تو گفتگو کے ذریعے سے ڈورن کے مثل مازندران و گیلان پہنچ کر سیکھنا چاهئے یا ژکووسکی کے مثل ایران متوسط بالخصوص کاشان و اصفہان کے دیہاتوں میں فروکش رہ کر یا سوت سین کی طرح کردستان جاکر یا هوتم شندلر کی طرح یزد و کرمان کی خاک چھان کر یا اُس قدیم سرمایۂ ادب سے حاصل کرنا چاهئے جو غلطی سے نہایت قلیل سمجھہ لیا گیا هے - جن شعرا نے بولیوں میں وسیع پیمانے پر طبع آزمائی کی هے ان میں سے امیر پازواری اور بابا طاهر عریاں خاص شہرت رکھتے هیں، امیر مازندرانی میں کہتا تھا، اس کا کلام ڈورن نے طبع کرایا هے، بابا طاهر کی نسبت ایک فریق

امیر پازواری اور بابا طاهر

کا تو یہ خیال هے کہ اس کی رباعیات همدان کی بولی میں هیں؛ اور دوسرے فریق کا یہ کہ لوري میں، تاهم وہ هیں اس قدر مقبول کہ ان کے حوالوں سے تقریر کی گرمی اور ان کے نغموں سے سرود خانوں کی رونق دو بالا کی جاتی هے، ان رباعیات کو ایران میں بارها اور فرانس میں هوآر نے فرانسیسی ترجمے کے ساتھہ یورنال ایشیاتک بابت سنہ

۱۸۸۵ع میں ایک بار شایع کیا ھے' بابا طاھر ایران کا برنز (Burns) تھا' اس کے کلام میں سادگیء خیال اور پاکیزگیء زبان ھے' الفاظ بھی رواں اور نغمہ زا لاتا ھے' اس پر بحر کی سادگی اور یکسانی نے سونے پر سہاگے کا کام دیا' ھزج مسدس محذوف بہت مطبوع تھی' ذیل کی تین رباعیاں مشہور عام ھیں:—

(۱) چہ خوش بی مہربونی از دو سربی — محبت تو وہ ھے جس میں عاشق و معشوق دونوں بے تاب ھوں

کہ یک سر مہربونی درد سربی — یک طرفہ محبت ایک درد سر ھے

اگر مجنوں دل شوریدۂ داشت — مجنوں عاشق کے دل میں اضطراب تو تھا ھی

دل لیلیٰ ازوں شوریدہ تربی — لیکن لیلیٰ کے دل میں اس سے افزوں تر تھا

اِس رباعی میں دھاتی خصوصیت ایک تو بی (بود) ھے اور دوسرے " مہربونی " میں بجاے الف کے واو کا استعمال جو اکثر بولیوں میں پایا جاتا ھے بلکہ جنوب کی فارسیء معلیٰ میں بالخصوص اور دوسرے حصوں میں بالعموم رائج ھوچکا ھے —

(۲) مگر شیر و پلنگی اے دل اے دل — اے دل شاید تو شیر ھے یا پلنگ

بموذائم بجنگی اے دل اے دل — ھم سے ھمیشہ دست و گریباں رھتا ھے

* [تیرھویں صدی]

اگر دستم فتی خونت وریژم اگر تو میرے ...صر خسرو اپنے تو میں تجکو چیرر... ...میں پیرس

ودینم تاچه رنگی اےدل اے دل اور دیکھوں که تیرا ر... میں کون عجیب رنگ ھے -

یہاں بھو = بھا ' دستم = دستم برائے بدستم

وریژم = بریزم ' ودینم = ببینم —

(۳) وشم واشم ازیں‌عالم بدرشم میں اُٹھوں گا ' چلدوں گا اور دنیا سے باھر ھوجاؤں گا

وشُم از چین و ماچین دیر تر شُم چین اور اس سے بھی آگے نکل جاوں گا

وشم از حاجیاں حج بپرسم وھاں پہنچکر سالکوں سے پوچھوں گا

که اے دیری بسے یا دیر تر شم که بس یا اور آگے ؟

ان اشعار میں "وشم" = بشوم ' " واشم " یاتو باشم ھے (= ٹھیروں گا) یا باز شوم (پھر جاؤں گا یاواپس لوٹونگا)

دیرتر = دور تر ' ای = ایں ' بسے = بس است—

پازواری اور بابا طاھر کے علاوہ دوسرے اور معروف شعرا ھیں جنھوں نے اس زمین میں گاہ گاہ مشق سخن کی' مثلاً سعدی' حافظ' پندار یا بندار رازی' شاعر اطعم و تضمین ھزل گو بسحاق (ابو اسحاق) شیرازی وغیرہ جن کی مفصل فہرست ھمارے مضمون "ایرانی بولیوں کی شاعري" مطبوعۂ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی' اکتوبر سنه ۱۸۹۵ ع صفحه ۷۷۳ تا ۸۲۵ میں درج ھے - مگر افسوس یه ھے که بعض قدیم اور بہترین

۱۸۸۵ع میں ایک بار ت قبیل کا جتنا کلام ھے وہ کاتبوں کے
(Burns) تھا، ا. مسخ اور بے معنی ھو گیا ھے - آنجہانی چارلس
زبان ھے، الف. شاندار لائبریری میں سلسلہ سلجوقیہ کی ایک
سادگی ۱۰ اور پرانی قلمی تاریخ ھماری نظر سے گزری ھے '
معد س کا سال تصنیف ۶۳۵ ھ ھے، غالباً دوسرا نسخہ اس کتاب
کا کہیں موجود نہیں ' اس کا نام " کتاب الراحت الصدور......
في تواریخ کیخسرو وآل سلجوق" ھے اور مصنف کا نام نجم الدین
ابوبکر محمد بن علی بن سلیمان بن محمد بن احمد بن الحسین
بن ھمت الراوندي - اس تاریخ میں کثرت سے قصباتی زبانوں
کے اشعار یا فہلویات منقول ھیں، جن کو سر سری نظر سے
دیکھنے پر یہ معلوم ھوا کہ باوجود مشکل ھونے کے وہ
ضرور اس لائق ھیں کہ ان کا غور سے مطالعہ کیا جاے
کیونکہ قلمی نسخہ پرانا ھے اور اس لئے متن غالباً صحیح ھے-

حمد اللہ مستوفی کی بلند پایہ کتاب تاریخ گزیدہ
مؤلفۂ سنہ ۱۳۳۰ ع کے باب پنجم ' فصل ششم میں نواسی (۸۹)
شعرا و شاعرات کے اسماء اور نہایت مختصر حالات ملتے
ھیں ' ان میں سے مندرجۂ ذیل وہ سخن سنج ھیں جنھوں نے
قصباتی زبان میں شاعري کی اور جن کے کلام کا نمونہ
بھی مستوفی نے شامل تذکرہ کیا ھے ' ان کے نام پر ھم
ستارے لگاے دیتے ھیں :—

(۱) ابوالماجد رائگانی * ' متوطن علاقہ قزوین (او اخر
۱۳ ویں صدی) (۲) امیر کاء قزوینی (۳) اُتانبج زنجانی * (۹)
(۴) پندار یا بندار رازی - (۵) جولاھہ ابہری *

(۶) عزالدین ھمدانی (۷) کافیء کرچی * [تیرھویں صدی]

مشہور شاعر، سیاح، اسماعیلی مبلّغ ناصر خسرو اپنے سفر نامے (مرتبہ و مترجمہ شیفر بزبان فرانسیسی پیرس ۱۸۸۱ صفحہ متن ۶) میں رقمطراز ھے کہ سنہ ۱۰۴۶ ع میں جب وہ مغرب کی جانب سفر کررھا تھا تو تبریز میں قطران شاعر نے اس سے شاعر منجیک کے قصباتی زبان کے بعض شعروں کا حل دریافت کیا، اس حوالے سے کامل ثبوت بہم پہنچ جاتا ھے کہ "قصباتی شاعری" کا شوق گیارھویں صدی سے اب تک ایران میں برابر موجود ھے۔ اسدي کی "لغت فرس" گیارھویں صدی کی تالیف ھے، جس کو ڈاکٹر پال ھارن نے وٹیکن کے نسخہ وحید سے نقل کرکے سنہ ۱۸۹۷ع میں بمقام برلن چھاپا ھے، اس میں بھی جا بجا قصباتی اشعار پہلوی کے عام لقب سے منقول ھیں۔ نثر میں اس قطع کی دو اعلیٰ کتابیں ھیں مگر دونو بدعتی فرقوں کی تصنیف ھیں، ایک کا نام جاودان کبیر ھے اور وہ حروفیوں کا صحیفہ ھے جو تیمور کے زمانے چودھویں صدی میں پیدا ھوا۔ اس کے کچھہ حصے کی زبان غرب ایران کی بولی ھے† - دوسری کتاب بابیوں کی ایک افسانہ نما تاریخ ھے جس میں سنہ ۱۸۴۹ع کی بابی بغاوت ماژندران کا حال درج ھے، اس کی زبان ماژندرن کی

---

† دیکھو فہرست فارسی نسخہ جات قلمی موجودہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری- مرتبۂ راقم صفحہ ۶۹ تا ۸۶ اور ھمارا مضمون "ادبیات و تعلیمات معتقدات فرقۂ حروفی" مطبوعۂ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابت جنوری ۸۹۸اع صفحہ ۶۱ - ۹۴

بولی ہے' ڈورن نے اس کو ملانژز ایشیاٹیک (سینٹ پیٹرزبرگ سنہ ۱۸۶۶ ء) کی جلد پنجم ۳۷۷ اور بعد کے صفحوں میں ترجمے کے ساتھہ شایع کیا ہے —

اهم بولیوں کی فہرست | فارسی زبان کی مشہور بولیوں کے اضلاع یہ ہیں :-

مازندران' گیلان اور تالش شمال میں؛ سمنان شمال مشرق میں؛ وسط میں کاشان' قہرود' نائن اور یزد' کرمان' رفسنجان وغیرہ میں زرتشتیوں کی عجیب و غریب گبری بولی؛ سیوند جنوب میں؛ لورستان' بہبہان (یہاں رضا قلی خاں نام کا ایک حقیقی شاعر موجود ہے) اور کردستان مغرب میں؛ مگر بیرونجات میں اور متعدد بولیاں' جن میں سے بعض کے ناموں سے بھی اہل یورپ واقف نہیں' ضرور رائج ہوں گی -
ان بولیوں میں سے جو مروج اور معلوم ہیں مگر جن کا ہنوز بخوبی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے ایک تو مغرب میں بختیاری ہے اور دوسری مشرق میں سیستانی جو بدرجۂ غایت توجہ کے قابل ہیں —

———: o :———

باب سوم

اسلامی دور سے قبل ایرانیوں کا علم و ادب اور اُن کی مختصر مگر افسانہ آمیز تاریخ جو شاہنامہ سے ماخوذ ہے

عرض حال

جس کتاب کا یہ دعویٰ ہو کہ اُس میں ایک قوم کی تمام و کمال تاریخ ادب سے بحث کی جائے گی بظاہر اُس کے ہر ایک قومی دور اور ذہنی ترقی کی ہر ایک منزل پر حتی الامکان مساوی طور پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ مگر خصوصیات ایران کی گونا گونی کا اقتضا یہ ہے کہ ہمارے موضوع میں جامعیت و صحت بیان پیدا کرنے کے لئے مصنف تعداد میں کئی اور ہر شعبے میں طاق ہوں اور متعدد طور پر کام کریں (جیسے کہ گائگر اور کوہن کی بے مثل کتاب "اساسی لسانیات عجم" جس کا تذکرہ کئی بار آچکا ہے متعدد کوششوں کا نتیجہ ہے) یا اگر ایک شخص جسارت کرے تو اُس کو ایسے بوقلموں فضائل و اوصاف کا جامع ہونا چاہئے جو ایک ذات واحد میں شاذ و نادر جمع ہوتے ہیں۔ باعتبار زبان جو تقسیم کہ باب اول میں کی

گئی ھے - اُس کی رو سے ادب کے چار انواع (ان میں سے ایک مقدار و وسعت میں اس قدر کم ھے کہ اُس کو ایک علحدہ نوع بہ مشکل کہہ سکتے ھیں) جن کا متحدہ ایک نام فارسی ادبیات ھوگا، قائم کئے جا سکتے ھیں، یعنی :-

۱ - کتبات پیکانی جو فارسی قدیم میں ھیں اور سلاطین ھخامنشی سے تعلق رکھتے ھیں -

۲ - اوستا یعنی اس کے وہ اجزا جو ھم تک پہنچے ھیں معہ گاتھا جو باقی حصص سے قدیم تر اور بلحاظ زبان قدرے مختلف ھے اور بخیال بعض خود زوراستر کے زمانے کی ھے—

۳ - ادبیات پہلوی جس میں ساسانی دور کے کتبات بھی داخل ھیں—

۴ - ادبیات بعد الاسلامی یا فارسی جدید جو پچھلے ایک ھزار سال پر مشتمل اور عام طور سے "ادبیات فارسی" کے نام سے معروف ھے (اس کے ساتھ ھمیں ایک اور شق کا اضافہ بھی کرنا ھوگا جو نمبر (۵) میں ھے - اس کے وجوہ باب اول صفحہ ۳ و ۴ میں بیان ھو چکے ھیں) —

۵ - عربی تصنیفات کا وہ کثیر حصہ جو ایرانیوں نے لکھا ھے وہ بھی اس آخری تقسیم کے ساتھ شامل کرلینا چاھئے—

مذکورالصدر تین قدیم زبانوں اور ادبوں کی بابت میری معلومات نہ صرف سطحی بلکہ دوسروں کی وساطت پر

مبنی ہے؛ کیونکہ صرف فارسی جدید اور عربی ادب کا
مطالعہ زیادہ سے زیادہ مستعد دماغ کے لئے زندگی بھر کا
سامان ہوسکتا ہے - باقی لٹریچروں کی سرحدیں بعید الفاصلہ
ہیں اور ہر اقلیم کی بادیہ پیمائی کے لئے مطلوبہ اہلیت بھی
آپس میں جدا ہے - فارسی قدیم اور اوستا کے لئے سنسکرت کی
مہارت از بس ضروری ہے' اس میدان میں علوم عربی اور
واقفیت اسلام محض دوسرے درجے کی چیزیں ہیں - فارسی
قدیم کے لئے آسوری اور اوستا کے لئے پہلوی کی تحصیل کار آمد
ہے' لیکن پہلوی میں اس وقت تک کام نہیں چل سکتا جب تک
کہ آرامی زبانیں خاصۃ سریانی اور کلدانی نہ آتی ہوں- چونکہ
ایک مصنف کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ جس موضوع پر قلم
اُٹھائے اس میں ذاتی طور پر ید طولیٰ رکھتا ہو اور مجھے اپنے
موضوع کی تکمیل و توسیع کے لئے قبل الاسلامی ادبیات و السنہ
میں دوسرے کاملین فن کا دست نگر ہونا پڑا ہے' اس لئے مجھے
زیبا یہ تھا کہ میں فارسی جدید یا بعدالاسلامی ادب کے دائرے
سے؛ جس میں ایک عرصے تک میں نے سرگردانی کی ہے' اپنا قدم
باہر نہ رکھتا- لیکن چونکہ افق معلومات پر ہر جدید طلوع سے
محقق کو احساس ہونے لگتا ہے کہ ایک قوم کے حالات و خیالات
جو تحقیق سے قبل جدا جدا اور ٹوٹے ہوئے دکھائی دیتے تھے' کس
درجے مسلسل اور آپس میں گُتھے ہوئے ہیں اور خطوط فاصل
جو پہلے نہایت صاف اور جلی نظر آتے تھے کس قدر دھندلے
اور تاریک ہیں' اس لئے راقم کی طبیعت اس امر پر راغب
نہوی کہ اپنے موضوع کے تسلسل کو مصنوعی اور غلط حد بندیوں

سے توڑ کر ناظرین کتاب کو دھوکا دیا جائے۔ میں نے ترکی زبان سے علوم مشرقیہ کا مطالعہ شروع کیا، لیکن بہت جلد فارسی ادب کی جانب ڈھلک آیا کیونکہ ترکی تہذیب و شائستگی اور ترکی علم و فن بہار عجم کے شگوفے ہیں۔ لیکن اس گلزار کی پوری سیر نہ کی تھی کہ معلوم ہوا عربی زبان، عربی ادب، عربی تہذیب اور عربی تمدن میں دستگاہ حاصل کئے بغیر عجمیات میں شد بد سے زیادہ نگاہ نہیں ہوسکتی۔ تاہم ابھی تک میں اس خیال پر جما رہا کہ عرب فاتحوں کی تسخیر ایران اور کثیرالتعداد ایرانیوں کا قبول اسلام عجمی تاریخ کے وہ واقعات ہیں جہاں سے عجمیات کا مطالعہ صحیح طور پر شروع کیا جاسکتا ہے اور جہاں ایرانی تاریخ کے گذشتہ ابواب دریا برد معلوم ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خیال بھی حقیقت سے دور نظر آنے لگا، اور مجھے خیال آیا کہ عباسیوں کی پیچیدہ تہذیب کے کثیرالتعداد پہلو تاریخ اسلام کے ابتدائی حالات، قرآن کریم اور جناب رسالتمآب کی تعلیم، صرف اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب کہ محقق کے سامنے قدیم تر تاریخوں کے اوراق موجود ہوں* الغرض ایک تحقیق کار اسلامی سے ساسانی عہد، ساسانی سے پارتھوی، ھخامنشی، میدوی، آسوری اور قدیم ترین آریائی عہد اور خدا جانے کہاں سے کہاں کھنچا ہوا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ شعر اس کی زبان پر

---

* تہذیب و تمدن اسلام پر قبل الاسلامی نظاموں کے مذہبی و سیاسی اثرات کے متعلق فان کریمر کی تحریریں معلومات سے پر ہیں، خاصۃً اس کی چھوٹی سی کتاب حدود اسلام میں غزا —

جاری هو جا ے :—

مرد خرد مند هنر پیشه را

عمر دو بایست درین روزگار

تا به یکے تجربه آموختی

دگرے تجربه بردی بکار

میں ان مسائل میں پڑنے سے گھبراتا تها در

لهذا ایک طرف توتهے اور دوسری طرف مجهه کو ایسی

جو میرے بس کے نه تها جو نه صرف ناقص اور ناظرین کو

کتاب پیش کرنے سے عار بلکه میرے نقطهٔ خیال سے ایک قوم

دهوکے میں ڈالنے والی هو میں نه هوسکے، جس کا عام خاکه

کی تاریخ علوم صحیح معنوں هےترتیب مضامین غلط هو- اس

اور مطمح اور جس کی بحث و کیا که باب هذا میں

کشمکش کے درمیان میں نے یه فیصله امیرقومات، پهلوی

هخا منشی کتبات کے چیده مسائل، اوستا کے شاهی خاص

دور کی یادگاریں اور ادبیات نیز دین زر تشت کے

حالات بیان کروں- میری دانست میں ان چیزوں کا جاننا ان

لوگوں کے لئے بهی کار آمد هے جن کا شوق صرف فارسی جدید

تک محدود هے، عهد ساسان اور ضمناً پهلوی کا بیان، جو

ساسانیوں کی سرکاری زبان تهی، دوسرے باب میں کسی

قدر تفصیل سے آئیگا، کیونکه ایران کی تاریخ میں یه زمانه

وه هے جس میں اوائل اسلام کی دلچسپ جڑیں پهیلی هوی

هیں - یاد رکهنا چاهئے که جو خلیج ساسانی زمانے کو اس سے

قبل کے زمانے سے جدا کرتی هے اس کا پر کرنا جس قدر مشکل

هے اُس قدر اُس زمانے کو دور اسلام سے ملا دینا مشکل نهیں هے

اور چونکہ ادب کی بحث میں افسانے اور رو
'' بھی اهمیت
کا وهی مرتبه رکھتی هیں جو اصل تاریخ
مرتبه هے،
اس لئے میں اس باب میں شاهنامے یعنی قومی
روایت کی
ورق گردانی کروں گا، جیسا که آئنده ثابت
. کیا جاے گا۔
یه قومی روایت عهد ساسان کے شروع پر پ
پہنچکر قومی تاریخ
بن جاتی هے ؛ لهذا اس باب کو هم چار فص
ں میں بعنوان ذیل
تقسیم کرتے هیں :—

(۱) هخامنشی (۲) اوستائی (۳) ب
وی (۴) قومی روایت

فصل اول

۴

سلاطین هخامنش
ی کی علمی یادگاریں

ایران کا سب سے اول
ور رفعت آشنا خاندان وه هے جس کا
آغاز ۵۵۹ قبل م
سیح میں سائی رس کی تاجپوشی اور خاتمه
۳۳۰ قبل
مسیح میں سکندر کی تلوار سے هوا، جب که اُس
فاتح اعظم نے دارائے آخر کو شکست دی اور تاجدار مغلوب
اپنے دونمک حرام صوبوں بی‌سس اور بزرائن تیز کے هاتھوں
نہایت بے دردی کے ساتھه مارا گیا - اس خاندان کے تمام تر
حالات یونانی مورخوں خاص کر هیرودوتس، تی سی آز اور
زینوفون (انابےسس، سائیروپیڈیا، اے جی سی لاس) کی
قلم نے همارے لئے محفوظ کئے هیں اور بعض لمعات دوسرے
تاریخ نویسوں مثلاً ایس کائی‌لس کی کتاب " پرسی " میں پائے
ں - لیکن یه ماخذ خارجی هیں، ان کے پیش کرده

حالات کو جنھیں ھخا منشی خاندان کی داستان مرتب کر لے میں رالنسن ' اشپیگل اور یوستی جیسے محققین نے کافی طور سے کھنگالا ھے ' ھم نہیں چھیڑیں گے ' کیونکہ ان کی تلاش و تحقیق ایک مستشرق کی نسبت کلاسیکل * محقق سے زیادہ تعلق رکھتی ھے - تاھم رالنسن نے ھیرودوتس کی تاریخ کے قابل تعریف ترجمے میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ھے کہ اس مورخ کے بیانات کی تصدیق نہ صرف ھخا منشی کتبوں سے ھوتی ھے بلکہ ایرانیوں کی قومی سیرت کی سچی اور زندہ تصویر جو اس کی تاریخ میں نظر آتی ھے اُس کے مقالات پر آمنا و صد قنا کہتی ھے - اگر ھیرو دوتس کی شہادت موجود نہ ھوتی تو اندیشہ تھا کہ ھخا منشی کتبے جو اب اُس کی شہادت سے آئینہ ھوچکے ھیں پڑھ لئے جانے کے بعد بھی بعض اعتبار سے سر بمہر ھی رھتے ' مثلاً دارا کے بے ستون والے بڑے کتبے کو لو اور اُس کے پہلے حصے میں (سطور ' ۸ ' ۱۱) ان الفاظ کو دیکھو :- " کہتا ھے بادشاہ دارا ' ھمارے خاندان میں پہلے آٹھ بادشاہ ھوے اور میں نواں ھوں : ھم دو نسل یا دو سلسلے کے بادشاہ ھیں " - اس بیان کو اُس شجرۂ نسب کی روشنی میں دیکھا جاے جو ھیرو دوتس (پالهیمنه هفتم ' ۱۰) کے بیانات کی مدد سے مرتب کیا جاسکتا ھے تو اس کے معنی بالکل سمجھ میں آجائیں گے —

---

* یعنی ادبیات یونان و روم کے محقق —

(١) ایکی‌می نیز (= هخامنش)

(٢) تیزپیز (چائش پش)

(٣) کیم بی‌سیز (کمبوجیه) ——— (٦) ایر یارم‌نیز (اریا رامنا)

(٤) سای رس (کُرش) — (٧) ارسامیز (ارشامه)

(٥) کیم بی سیز (کمبوجیه) — (٨)هستاسپیز (وشتاسپ)

(٩) ڈرائس (داریو وش)

زرکسیز (خشیار شا)

هرچند که عام روایت کے مطابق اس سلسلے کا پہلا بادشاہ سای رس (ق م ٥٥٩-٥٢٩) شمار کیا جاتا ھے ، اس کا بیٹا کیم‌بی سیز (ق م ٥٦٢ - ٥٢٢) دوسرا ڈرائس (ق‌م ٥٢١-٤٨٥) تیسرا بادشاہ ؛ لیکن ڈرائس اپنے (سلسلۂ) نسب کو هخامنش تک لیجاتا ھے اور اس میں یک جدي دوسرے سلسلے کے تین بادشاھوں کو (یعنی ساي رس کے باپ کیم بي سیز اور اس کے بیٹے کیم بی سیز کو) بھی شامل کرتا ھے ' اس طرح دو وي تا ترنم بمعنے "دو سلسلوں سے " (پہلے اس کے معنی " نہایت ھی قدیم زمانے سے " تجویز کئے گئے تھے) اور دارا کے الفاظ " میں نواں ھوں " کا مفہوم بالکل صاف ھوجاتا ھے —

ایک مشاھدہ پسند سیاح اگر استخر اور اس کے گرد و نواح کی سیر کرے تو اُسے کسی قدر حیرت کے ساتھہ نظر آئے گا کہ قدیم ترین کتبے سب سے بہتر اورجدید ترین سب سے ابتر حالت میں ھیں - هخامنشی زمانے کے پیکانی کتبے

اس قدر صاف اور روشن ہیں کہ مشکل سے باور ہوتا ہے کہ انہیں کندہ کرنے والی ٹانکی نے دوہزار چار سو برس ہوئے اپنا کام ختم کیا تھا ' ان کے مقابلے میں ساسانی یا پہلوی کتبات جو عمر میں ان سے ساڑھے سات سو برس کم ہیں ' زیادہ مٹے اور مرجھائے ہوئے ہیں ' بخلاف ان کے فارسی جدید کے تازے کتبے تقریباً غائب ہوچکے ہیں- ہم ان کتبوں کو ان تین دورون کا قائم مقام اور ان کے اسلوب بیان میں ان دوروں کی خصوصیتوں کا عکس دیکھتے ہیں- دارائے اعظم صرف اس القاب پر قناعت کرتا ہے :—

" بادشاہ اعظم ' شہنشاہ ' شاہ ایران '
شاہ صوبجات' ابن وشتاسپ ابن ارشام
ھخا منشی " —

مگر حاجی‌آباد کے پہلوی کتبے میں شاپور ساسانی اپنے نام کو یوں پھیلاتا ہے :—

" پرستار مزدہ الوھیت وجود شاہ‌پور'
شہنشاہ ایران و غیر ایران ' روحانی
اصل ایزد نسل ' ابن پرستار مزدہ
الوھیت وجود ارتخشتر' شہنشاہ ایران'
روحانی اصل ایزد نسل' نبیرہ الوھیت
وجود شاہ پاپک "

القاب و خطابات کا وہ انبار جن سے اسلامی انحطاط کے زمانے میں چار بیگھہ زمین کا نواب بھی اپنے نام کو

آراستہ کرتا تھا ' ہر ایک فارسی داں کو معلوم ہے اور فارسی نہ جاننے والوں کو ہم ایسے بلند آواز لیکن مشیخت نما الفاظ کے اعادے سے تکلیف نہ دیں گے —

ہم نے اوپر یہ کہا ہے کہ کتبات ہخامنشی کو فارسی قدیم کی علمی یادگاروں کی نسبت زیادہ تر تاریخی یادگاریں سمجھنا چاہئے لیکن ان میں آمد و متانت اور سادگی و صداقت بیان اس درجہ پائی جاتی ہے کہ وہ طرز ادا اور ادب و انشا کے حقیقی نمونے کہلانے کے مستحق ہیں - ان کا ایک نمونہ تو دارا کے کتبۂ بے ستون کا وہ ترجمہ ہے جو صفحات ۵۳ - ۵۴ و ۵۵ میں گزر چکا ہے- دوسرا یہ موجود ہے جو اسی تاجدار نے استخر میں کندہ کرایا تھا

" خدائے بر تر اہر مزدہ ہے جس نے
اِس زمین کو بنایا ' جس نے اُس آسمان
کو بنایا ' جس نے اِنسان کی خوشی کو بنایا '
جس نے دارا کو بادشاہ بنایا جو بہت
سوں کا واحد فرمانروا اور بہت سوں
کا واحد واضع قانون ہے " —

" میں دارا ہوں ' شاہ اعظم ' شاہ شاہاں '
شاہ ولایات معمورہ اقوام عالم ' مدت
سے اس وسیع زمین کا حاکم ' ابن وشتاسپ
ہخامنشی ' عجمی ابن عجمی ' نسل کا
آریائی " —

" کہتا ہے بادشاہ دارا : اہر مزد

کے فضل سے فارس کے علاوہ میں ان
ممالک کا مالک تھا ، ان پر میری
حکومت تھی ، ان سے میں خراج لیتا
تھا ، ان پر میرے احکام کی تعمیل
واجب تھی اور ان میں میرا قانون
قائم تھا : میڈیہ ، سوسیانہ ، پارتھیہ ،
هریوہ (هرات)، باختریہ (بلخ)، سغد،
خوارزم (خیوا) ، زرنگ (درنگیانہ)
ارخوسیہ ، تھت گوش (ستاگیڈیہ) ،
گندارہ ، انڈیا ، هومہ ورک سیتھی ،
اور تیگرہ خدہ سیتھی، بابل، آسوریہ،
عرب ، مصر، آرمینہ ، کے پے توشیہ ،
سپردہ، یونانی آبادیاں ، ماوراءالبحر
کے سیتھی ، سکدرہ، تاج پوش یونانی*
ادرا پوتیہ ، کوشیہ ، ماکیہ ، (اور)
کر کہ [لوگوں میں]—

"کہتا ہے بادشاہ دارا: جب اهرمزد
نے اس زمین کو دیکھا تو اس نے مجھہ
کو اس کا امین بنایا اور بادشاہ کیا ،

---

* بعض مورخین تاج پوش کے الفاظ پر معترض هیں ، پروفیسر
کاویل کہتا تھا کہ ان سے یونانی کا یہ لفظ .... مراد هے جس کے
معنی "بالوں کی چوٹی" جوسونے کے تکے سے باندھی جاتی تھی
اور تھھوسی ڈای ڈیز کے وقت تک یونانی اس طرح کی چوٹی
رکھتے تھے—

میں بادشاہ ہوں اور بفضل اھرمزد میں
نے اُس میں امن و امان قایم کیا - جو
کچھہ میں نے ان (رعایا) کو حکم دیا اس
کی تعمیل انھوں نے میری مرضی کے مطابق
کی - اگر تیرے دل میں یہ خیال آئے کہ
وہ کتنی ولایتیں تھیں جن پر دارا
بادشاہ حکومت کرتا تھا تو اس تصویر
کو دیکھہ: لوگ میرا تخت اٹھاے ہوے
ہیں، اس سے تو لوگوں کو پہچان سکتا
ہے - اب تو جان جاے گا کہ ایرانیوں کے
نیزے دور دور تک پہنچتے ہیں؛ اور
تو جان جاےگا کہ اہل ایران ایران سے
دور لڑائیاں سر کرتے تھے''—

"کہتا ہے بادشاہ دارا: جو کچھہ
میں نے کیا اس میں اہرمزد کا فضل
شامل تھا: اہرمزدہ نے مجھہ کو مدد
دي تا آنکہ میں نے کام کو انجام تک
پہونچا دیا - اہرمزدہ .... سے مجھہ
کو میرے خاندان کو اور ان ممالک کو
محفوظ رکھے! اس کے لئے میں اہرمزدہ
سے دعا کرتا ہوں: اہرمزدہ میری دعا
قبول کرے" —

"اے بنی آدم! اہرمزدہ کا تیرے

لئے یہ حکم ہے: برائی مت سونچ؛ سیدھے
راستے کو نہ چھوڑ؛ گناہ نہ کر!'' —

ایک عجیب فرق جو ہخامنشی کے اخیر زمانے والے ایک کتبے (یعنی اردشیر آخوس کے ق م ۳۶۱ - ۲۳۶) میں نظر آتا ہے اس قابل ہے کہ اس کا سرسری ذکر کیا جائے۔ کیا در حقیقت کوئی نازک تعلق ایک قوم کی پستی یا عارضی انحطاط اور اس قوم کی زبان کی ابتری میں ہوا کرتا ہے؟ ہم نے انگریز محققوں سے سنا ہے کہ جنگ ہیسٹنگز سے پہلے اینگلو سیکسن زبان یا قدیم انگریزی ایک وسیع حد تک گریمر کے قواعد سے آزاد ہونے لگی تھی اور نارمن حملے سے قبل تو نہایت ابتر حالت میں آچکی تھی۔ بہر کیف فارسی قدیم کے معاملے میں یہ زوال اس قدر روشن ہے کہ شبہ کی گنجائش نہیں؛ کتبۂ مذکور میں تغیرات و حالات اسم کی غلطیاں جابجا دکھائی دیتی ہیں، '' بومام'' (بمعنی زمین - منصوب) بجائے '' بو مم'' کے، ''الھانام'' (الھان، منصوب واحد) بجائے ''الھانم'' کے، ''شایتام'' (مسرت، منصوب واحد) بجائے ''شیاتم'' کے، اسی طرح ''مرتھیا'' بجائے مرتیہیہ (آدمیوں کا، بحالت مجرور جمع)، ''کشایتھہ (بمعنی بادشاہ، مرفوع بجائے منصوب واحد کے)، اور علی ھذا۔ قومی زوال کا رنگ نہ صرف زبان نے پکڑا بلکہ یہ رنگ معتقدات میں بھی دوڑ گیا؛ اھرمزد وحدہ لا شریک تھا مگر اب اس کے شریک و ہمسر کھڑے ہوگئے، ایک جانب متھرا (سورج) خدا بن چکا تھا اور دوسری جانب انہ ھتہ (= ناھید) کو مرتبۂ ایزدی مل چکا تھا —

فصل دوم

۲ اوستا

باب اول میں هم نے اوستا کی اصلیت اور اُس کے عہد و وطن کے متعلق بعض باتوں کو سر سری طور پر بیان کیا ھے - مگر افسوس ھے کہ ان امور کے متعلق بہت صحیح اور یقینی معلومات حاصل نہیں ھیں - یہاں ھم دو انتہا ی اور متضاد رائیں پیش کرتے ھیں - ان میں سے ایک گیلڈنر ھے جس کا مضمون " زرتشت " انسا ئیکلو پیڈیا طبع نہم (۱۸۸۸) میں دیکھا جاے اور دوسرا ڈارمشتیٹر جس کا فرانسیسی ترجمۂ اوستا " جلد وقایع " ۲۱ ' ۲۲ اور ۲۳ (۱۸۹۲ - ۱۸۹۳) ملاحظہ هو —

گیلڈنر کی پہلی راے سنہ ۱۸۸۸ | گیلڈنر کا بیان ھے کہ اوستا کا ایک حصہ یا کم از کم " گاتھا " یا تو خود زوراسٹر یا ان کے حواریوں کے اصل الفاظ میں ھے ' ان کی تعلیم کا مرکز باختر اور باختر کی زبان ان کی تعلیم کا آلہ تھی - شاہ وستاسپ (گشتاسپ ، هستاس پیز) جو ان کی هدایت پر ایمان لایا اور جو بعد میں ان کی جان کا سپر اور اُن کے مذھب کا محافظ بن گیا تھا " وقائع تاریخ میں کہیں مذکور نہیں " - اور اگر اس نام کا کوئی شخص تھا بھی تو اُس کا زمانہ سائی رس سے کہیں پہلے کا تھا ' تاهم "اس کو دارا کے باپ هستاس پیز سے

جدا رکھنا چاھئے " اور اس کا عہد ایک ہزار سے (بخیال ڈنکر) چودہ سو برس (بخیال گوت شمت) قبل مسیح کے اندر اندر سمجھنا چاھئے - ڈارم شتیٹر کو ان باتوں سے قطعی انکار ھے' اُس کا بیان ھے کہ اگر ھخا منشی دور کی کوئی زرتشتی

ڈارم شتیٹر کی بعد کی راے ۱۸۹۳

کتاب تھی تو وہ بتمامہ حملۂ سکندر کے نذر ھوي ؛ اوستا کی تدوین جس کا صرف ایک حصہ اس وقت موجود ھے پہلی صدی عیسوی اور پارتھوی بادشاہ والوگی سیز اول (سنہ ۵۱ - ۷۸ ع) کے عہد حکومت میں شروع ھوی اور ساسانی دور میں شاپور ثانی کے زمانے تک (سنہ ۳۰۹ - ۳۷۹ ع) اس میں مسلسل اضافہ ھوتا رھا؛ اس کا آخری حصہ اسکندرانی یا جدید افلا طونی فلسفۂ معرفت میں ڈوبا ھوا ھے ؛ تعلیم زرتشت کا جنم بھوم میڈیا تھا اور میڈیا کی زبان ذریعۂ اظہار ؛ اور جیسا کہ بعض پہلوی کتب مثلاً اردہ وراف نامک اور بُندھش میں صاف صاف موجود ھے زرتشتی ملت کا آغاز ایام سکندری سے تقریباً تین اور اور حضرت عیسیٰ سے چھہ یا سات صدی قبل ھوا تھا یا بالفاظ دیگر ھخا منشی خاندان کے ظہور سے کسی قدر پہلے —

گیلڈنر کی دوسری راے (۱۸۹۶)

ڈارم شتیٹر کی راے اگرچہ عام قبولیت حاصل نہ کر سکی لیکن اُس نے مخالفین خصوصاً گیلڈنر اور اس کے متبعین کے مسلمات کو بہت کچھہ ڈھیلا کر دیا اور اُن روایتوں کی اھمیت کو اس نے منوا لیا جو پہلوی ' پارسی اور ابتداي اسلامی مرقومات میں درج ھیں- چنانچہ گیلڈنر نے گائگر اور کوھن کی " لسانیات عجم "

(۱۸۹۶) کے لئے جو دلچسپ مضمون لکھا ھے اُس میں اگرچہ مضمون نگار نے اوستا کی تاریخ تصنیف کے بارے میں دارمشتیٹر کے انقلاب انگیز بیانات سے اختلاف ھی رکھا مگر بخلاف سابق پارسی روایات کو بغایت واثق تسلیم کیا ؛ زرتشت کے معتقد ھستاس پیز کو دارا کا باپ مان لیا جو تاریخی زمانے کا آدمی ھے اور سای رس اعظم کو زرتشت کا معاصر ' اوستا کا قدیم ترین سال تدوین ق م ۵۶۰ کہنے کو تیار ھو گیا ' اصل نسخہ اوستا کے تلف وگم ھونے پر یقین لے آیا اور زمانۂ تلفی کو وھی زمانہ تسلیم کیا جو سکندر کے حملے اور والوگی سیز کے درمیان ھے اور بالاخر یہ اقرار بھی کر لیا کہ دوسری اوستا کو والوگی سیز نے ازسر نو شروع کیا ' جسے اردشیر بانیء خاندان ساسان نے پھر تازہ کیا ' اور یہ بھی تسلیم کرتا ھے کہ شاپور ثانی (سنہ ۳۰۹ - ۳۷۹) کے عہد تک اس کی تدوین و اجتماع کا کام مسلسل جاری رھا ھوگا ۔ بااینھمہ اُس نے اس خیال کا دامن نہیں چھوڑا کہ اوستا کا حصہ گاتھا نہ صرف سب سے پرانا حصہ ھے بلکہ وہ زرتشت کی اصلی تعلیم زرتشت کے اصل الفاظ میں ھے اور خود بانیء تعلیم ایک تاریخی اور واقعی انسان تھے اور دارمشتیٹر کے خلاف عمدہ تاریخی دلائل پیش کرکے وہ باصرار تمام کہتا ھے کہ گاتھا کو " سکندریا یی ادریت " (Alexandrian Gnosticism) کی ھوا تک نہیں لگی اور نہ یہ کہ لفظ " وھو منو " (بہمن) جو گاتھا میں بار بار آیا ھے فیلوجوڈی اس کے لفظ " لوگوس تھوس " (کلام ربانی) کے بطن سے نکلا —

ساسانی اوستا

آنکتیے کے زمانے سے آج تک یہ خیال چلا آتا ہے کہ موجودہ اوستا ساسانیوں کی اوستا کا صرف ایک جز ہے اور ساسانی اوستا بھی حجم میں بس اس قدر تھی کہ "ایک دستور آسانی کے ساتھ لوح دل پر محفوظ کرسکتا تھا"۔ نیز وہ اُس کامل اوستا کا ایک حصہ ہے جو "بیل کے مدبوغ چمڑوں پر آب زر سے نوشتہ" اور احترام و احتیاط کے ساتھ "ستخر پاپکان" میں رکھی رہتی تھی اور جس کو "ملعون سکندر رومی" نے تباہ کردیا - لیکن ویندیداد جو موجودہ اوستا کا جزو اعظم ہے ضخامت میں ایک معقول جلد ہے اور ان اکیس نسکوں میں سے ایک نسک ہے جن پر ساسانی اوستا مشتمل تھی، ان نسکوں کے مضامین ہم کو پہلوی "دینکرد" کے ذریعے سے بہت کچھ معلوم ہیں، یہ پہلوي کتاب نہایت کارآمد اور غالباً نویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے - اکیس نسکوں کو جن کے پہلوی نام علمی دنیا میں پوشیدہ * نہیں، تین مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ایک "گاسانیک" (جس میں زیادہ تر آئین عبادت اور دینی مسائل مذکور ہیں) تھا، دوسرا "داتیک" (زیادہ تر قوانین معاشرت پر مشتمل) اور تیسرا "ھاتک مان سریک" (مشتمل بہ فلسفہ و حکمت) - پہلے سات نسکوں میں سے جن سے یہ حصہ مرتب اور جو دستوروں کے لئے

---

* دیکھو گیلڈنر کا مضمون مندرجۂ "لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۱۸ اور ۲۰ —

مخصوص تھا تین کے اجزا اب تک باقی ھیں' ان کے نام یہ ھیں: (۱) استوت یشت (۲) بکو (۳) ھاتوخت' دوسرے سات نسکوں میں سے بھی (جو عوام کے لئے لکھے گئے ھیں) تین کسی قدر سلامت ھیں:—

(۱) وندیداد (۲) ھوس پارم (۳) بکان یشت: پچھلے دو جزوی حالت میں ھیں' رھا تیسرا نسک جو علماے محققین کے محدود دائرے کے مطلب کا تھا' وہ بدقسمتی سے نابود ھو گیا' غالباً اس کی تباھی کا سبب یہ ھوا کہ وہ مفید خاص و اھل علم و فضل تھا - ویست کے حساب سے ان اکیس نسکوں کی کل تعداد الفاظ ۳۴۷۰۰۰ تھی' جن میں سے اب صرف ۸۳۰۰۰ الفاظ یا تقریباً یک ربع باقی ھیں - تقسیم مذکورہ پر گیلڈنر کو اعتراض ھے کہ وہ "ایک حد تک مصنوعی تقسیم ھے اور شاید اس وجہ سے پیدا کرلی گئی ھے کہ پوری اوستا اور نظم "اھونہ ویریہ" میں جو اوستا کی جان اور اُس کا لب لباب ھے ایک کامل مطابقت قائم ھو جاے"- گیلڈنر کے اعتراض پر ھم کو دو اور دلچسپ مگر بعد کے زمانے کی نظیریں یاد آگئیں جن سے اس امر کی شہادت بہم پہونچتی ھے کہ مشرق میں کیسے عجیب تواتر کے ساتھہ خیالات کا اعادہ ھوتا رھتا ھے' اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھہ ھم کسی اور مقام پر بحث کریں گے'

ایک عجیب نظیر

پہلی نظیر ایک شیعی روایت میں ملتی ھے جو حضرت علی سے منسوب کی جاتی ھے اور وہ یہ ھے:—

"قرآن کا لب لباب سورۂ فاتحہ میں

ھے' سورۂ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ
میں ھے (بسم اللہ سوائے ایک کے
ھر ایک سورۃ کا عنوان ھے اور
مسلمان ھر کام بسم اللہ سے شروع
کرتے ھیں)' بسم اللہ کا خلاصہ بسم اللہ
کی ب میں اور ب کا ب کے نقطے میں
اور وہ نقطہ میں ھوں''—

دوسری نظیر میں باب نے اس خیال کو وسعت دیکر استعمال کیا ھے' باب انیسویں صدی میں ایک آخری مگر عظیم الشان مذھبی تحریک کا بانی گزرا ھے' سنہ ۱۸۵۰ع میں بمقام تبریز قتل کیا گیا؛ اس کی تعلیم ھے کہ ۱۹ کا ھندسہ وحدت کا مرادف ھے' کیونکہ بسم اللہ کے حروف بھی تعداد میں ۱۹ ھیں اور لفظ ''واحد'' کی قیمت بھی بحساب ابجد ۱۹' اس لئے ۱۹ کو خدائے حی قیوم کی وحدانیت کا ایک صاف مظہر اور ھر گنتی کی بنیاد سمجھنی چاھئے - چنانچہ اُس نے اپنی کتابوں کو انیس ''واحدوں'' میں تقسیم کیا اور ھر حصے کے ۱۹ باب رکھے' ھر سال کے ۱۹ مہینے اور ھر ھفتے کے ۱۹ دن مقرر کئے (=۳۶۱ دن)—

موجودہ اوستا کے حصے

اوپر بیان ھو چکا ھے کہ ساسانی اوستا کے ۲۱ نسک تھے اور موجودہ اوستا صرف ایک نسک پر مشتمل ھے یعنی وِندیداد؛ یاسنا جو کم از کم دوسرے چار نسکوں کے اجزا سے مرتب کرلی گئی ھے' نیز کچھ اور جستہ جستہ ٹکڑے ھیں جو بعض پہلوی کتابوں

میں بکھرے ہوے ملتے ہیں - ان میں سے ہسپارم خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو نیرنگستان میں محفوظ ہے - اوستا کے موجودہ اجزا اور مذہبی کلمات کو پارسیوں نے پانچ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کردیا ہے' ان کی تفصیل یہ ہے:-

یاسنا | ۱- یاسنا ' اس میں عبادت کے طریقے اور مذہبی گیت درج ہیں جو مختلف فرشتوں' مقدس روحوں اور پاک ہستیوں کی شان میں گاے جاتے ہیں' اس کے ۷۲ باب ہیں (جو ہائتی یا ہا کہلاتے ہیں) - انہی کی تعداد کے تلازمے سے کُشتی یا زنار کو ۷۲ تاروں سے بناتے ہیں - پارسی طفل کو دین زرتشتی میں داخل کرنے کی رسم اسی کشتی کے پہنانے سے ادا کی جاتی ہے - قدیم گاتھا جس کا تذکرہ بار ہا آچکا ہے یا سنا میں شامل ہے —

وسپیریہ | ۲- وسپیریہ کے ابواب ۲۳ سے ۲۷ تک ہیں اور کر دے کہلا تے ہیں' مگر یہ کوئی علحدہ مربوط اور مستقل کتاب نہیں بلکہ مذہبی وظائف اور تسبیحات و تمہیدات کا ایک مجموعہ ہے ' یا سنا کے مثل اور اسی کا ضمیمہ ' عبادت کے لئے یا سنا کے سا تھہ کا م میں آتا ہے —

ویندیداد | ۳ - وینديداد یا " قانون دافع شیاطین " کو با لفاظ دیگر یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ پارسیوں کے احبار یا قوانین مذہبیہ کی کتاب ہے جس میں آداب طہارت و استغفار' اور کفاروں کی ترکیبیں دی ہوی ہیں - وینديداد کی تعداد ابواب (= فرگرد) ۲۲ اور پہلے باب میں

ان پاکیزہ اقطاع زمین کی پیدائش کا بیان ہے جو اھر مزد (اھورمزدہ) نے تخلیق کیں اور اھر مزد کے مقابلے میں اھرمن (انرومین یوش) کی خراب سر زمینوں کی تخلیق کا حال ہے، ان ممالک کے متعلق جو اھل اوستا کو معلوم تھے تمام بحثوں کا دار و مدار اسی باب پر ہے—

یشت

۴- یشت تعداد میں ۲۱ اور ایک قسم کے بھجن ھیں جو مختلف ملائکہ اور ارواح مقدسہ کے لئے مخصوص ھیں یعنی آمشسپندوں اور ایزدوں کے لئے پارسی مہینے کا ھر دن ان میں سے ھر ایک کی طرف منسوب ھوا ہے اور اس کے نام پر اُس دن کا نام مقرر ھوا ہے۔ پارسیوں کا عقیدہ ہے کہ ھر پاک روح کے لئے ایک یشت مخصوص تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں یشتوں کی مجموعی تعداد تیس تھی۔ ھمنے اوپر ذکر کیا ہے کہ مشرق میں قدیم مذھبی عقاید اور رسوم مت مت کر

مشرق میں قدیم مذھبی عقائد و رسوم کی احیا کی ایک اور مثال

زندہ ھوتے رھتے ھیں، زرتشتوں کے سال و ماہ کی تقسیم سے ھمیں اس کلیہ کی ایک اور مثال یاد آگئی۔ پارسیوں کا سال بارہ مہینے کا اور ھر مہینہ تیس دن کا ھوتا ہے جس میں پانچ دن جو گاتھا کہلاتے ھیں جوڑ دئے جاتے ھیں۔ ان کا سال ھمارے مانند ۳۶۵ دن کا شمسی سال ہے اور کچھ اور ایام نسئی کا اضافہ بھی مناسب طریقے سے کرلیا جاتا ہے۔ بابیوں نے جن کی ابتدا کلیۃً ایک اسلامی فرقے کی صورت میں ھوئی اور جو شروع شروع میں غلاۃ شیعہ میں سے تھے، مسلمانوں کا قمری

سال جو شمسی سے تقریباً ۱۱ دن کم ہے ترک کردیا اور اپنے محبوب عدد ۱۹ کو ہر ایک شمار کی بنیاد سمجھکر انیس ماہ کا ایک شمسی سال اور ۱۹ دن کا ایک ماہ تجویز کیا، تعداد ایام و ماہ کی ضرب سے سال کے (۱۹ × ۱۹ یعنی) ۳۶۱ دن نکلتے ہیں، تقویم اور فصلی سال میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے باقی کے دن یا تو پانچ یا اس سے کم اور ملالیتے ہیں، ان پانچ دنوں کی تعداد اپنے پیر مرشد باب کے (ب = ۲، الف = ۱، ب = ۲) حروف سے نکالتے ہیں، ان کی اصطلاح میں یہ عدد عربی کے حرف ہ کے عدد ۵ کے مطابق مقرر ہوا ہے۔ اس کے سوا بابی مہینے کا ہر دن اور بابی سال کا ہر مہینہ خدائے تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت یا مظہر فعل کی طرف منسوب اور اسی سے موسوم ہے۔ یہ صورت وہی ہے جو پارسیوں کے ہاں موجود ہے کہ ان کا ہردن اور ہر مہینہ ان کے فرشتوں کی طرف منسوب اور اس کے نام سے موسوم ہے۔ ان نظاموں میں ایک قدیم ترین اور دوسرا جدید ترین ہے مگر دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اول تو بابیوں نے پارسی فرشتوں کی جگہ صفات کو رکھہ لیا اور دوسرے پارسیوں کے ۳۰ امشسپند اور ایزدوں میں سے جو جدا گانہ طور پر مہینے کے تیس دنوں کی صدارت کرتے ہیں بارہ ایسے ہیں جو سال کے بارہ مہینوں پر بھی اپنا اقتدار و تصرف رکھتے ہیں۔ لیکن برخلاف اس کے بابی نظام میں انیس نام مہینوں اور ایام ماہ دونوں پر اطلاق پاتے ہیں۔ غرض دونوں نظاموں میں هفته کسی شمار و قطار میں نہیں، دونوں میں ماہانہ ایک بار دن

اور مہینے کا نام ایک ہی واقع ہوتا ہے اور دونوں میں ایسا دن یوم جشن سمجھا جاتا ہے، پارسیوں اور بابیوں میں یہ مشابہت تو ہے مگر یہ بہت ہی غیر اغلب ہے کہ باب نے براہ راست پارسی مذہب و رواج سے واقفیت پیدا کرنا منظور کیا ہے۔ ذات کا وہ سید تھا، رسالت کے دعوے (سنہ۱۸۴۴ع) سے قبل بغایت سرگرم شیعہ تھا۔ کافروں کو نجس اور لائق اجتناب سمجھتا تھا، (وہ اپنی تعلیمات کی فارسی کتاب ''بیان'' میں حکم دیتا ہے کہ جو لوگ مجھ پر ایمان نہ لائیں ان سب کو باستثنائے مفید اہل حرفہ ایران کے پانچ بڑے بڑے صوبوں سے جلا وطن کردیا جائے،) یہی مشابہت بابی و اسماعیلی بلکہ دوسرے فرقوں کی تعلیم حتی کہ ان کی مصطلحات میں پائی جاتی ہے؛ مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ایران میں مذہبی اور فلسفی خیالات کا ایک دور ہے جو مقامی طور پر ہمیشہ موجود رہتا ہے اور مناسب محرک کے اثر سے متعدی بن جانے پر ہمہ وقت آمادہ رہتا ہے، آئندہ اوراق میں اس مسئلے کا حوالہ متعدد بار آے گا —

خوردہ اوستا

(۵) خورد اوستا یا چھوٹی اوستا ایک قسم کا رسالۂ نماز ہے جو شاپور ثانی (سنہ۳۱۰-۳۷۹ع) کے عہد میں دنیا داروں کے لئے تالیف ہوئی تھی، مؤلف کا نام آذرپاذ مہر اسپند ہے، اس کا متن کچھ تو اوستا کے انتخابات اور کچھ پاژند میں لکھے ہوے وظائف سے بھرا ہوا ہے اور پانچ نیایشوں یعنی مناجاتوں پر مشتمل ہے جن میں سورج، چاند، متھرا پانی رب النوع اور آتش بہرام کو مخاطب

کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اس مجموعے میں نمازوں کے سوا پانچ گاہیں، خورد وکلاںسی روزہ اور چار آفرینگاں (— برکتیں) بھی شامل ہیں —

اوستا بحیثیت مجموعی | زر تشتی کتاب مقدس کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اور جس کو اب ہم اوستا سمجھتے ہیں، وہ یہی اجزا ہیں۔ان کے علاوہ وہ قطعات ہیں جو بالکل علحدہ طور پر بعض پہلوی کتابوں جیسے نیرنگستان (خاص کر اس کےآؤگ مدیکا اور ھادوخت نسک میں پائے جاتے ہیں)

اگرچہ اوستا ایک قدیم نوشتے کی حیثیت سے، جس میں زرتشت جیسے شہرہ آفاق انسان کی تعلیم اور اس انتہا درجہ قدیم ملت کے عقائد قلمبند ہوں جس نے ایک زمانے میں تاریخ عالم میں بہت اہمیت پائی اور اس کے پیرو آج کل ایران میں دس ہزار اور ہندوستان* میں نوّے ہزار سے زائد نہیں، دوسرے زیادہ قوی مذاہب پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے، بغایت دلچسپ کتاب ہے، لیکن اس کا مطالعہ ناگوار اور گراں گزرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے بعض مقامات ہنوز مشتبہ ہیں اور جب ان کے مطالب صاف ہوں گے تو اس کا پایہ قدرے بلند ہوجائے گا لیکن میں اپنی بابت تو کہہ سکتا ہوں کہ قران مجید کا میں جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہوں اور اس کی روح کو اکتساب کرنے کی کوشش کرتا ہوں اسی قدر مجھ کو اس میں

---

* دیکھو میڈیم وازیل ڈی مہلاں کی کتاب ''پارسی'' صفحہ ۵۲ – ۵۶ (پیرس ۱۸۹۸)

زیادہ لطف آتا جاتا ھے لیکن اوستا کو لسانی یا قصص یا مقابلے کی ضرورتوں کے علاوہ کسی اور ارادے سے پڑھنا دو بھر اور بلاے جان معلوم ھوتا ھے- تاریخ مذاھب میں اس کا رتبہ، قدامت اور تدقیق زبان میں اس کا درجہ بعض ارباب تحقیق کو اور اس کی الہامی حیثیت اس کے متبعین کو اپنی جانب ھمیشہ کھینچتی رھے گی - لیکن ھمیں شک ھے کہ اس کا کوئی ترجمہ ایسا بھی کیا جاسکتا ھے جو ایک معمولی عقل اور معمولی شوق کے شخص کو سواے خاص ضرورت کے اس کا ایک ایک صفحہ ختم کرنے پر آمادہ کرسکے - بہر کیف اوستا کے ترجمے انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں کثرت کے ساتھہ ھوچکے ھیں ، ان کو پڑہ کر ھر شخص ذاتی طور پر ھماری راے کا تجربہ کرسکتا ھے - اوستا کے منتخب اقتباسات یہاں نقل کرنا بالکل غیر ضروری معلوم ھوتا ھے —

فصل سوم

پہلوی ادب

پہلوی افسانے سکوں پر ۳۰۰ ق م سے ۶۹۵ ع تک

بتایا جا چکا ھے کہ پہلوی کی نمایاں خصوصیت ایرانی اور سامی الفاظ کی آمیزش تھی جس کا باعث ھزوارش تھی- اب دریافت طلب امر یہ ھے کہ پہلوی کی قدیم ترین مرقومات کیاتھیں - سنہ ۱۸۶۷ ع * میں سب سے پہلے لیوی باشندہ بریسلاو نے سراغ لگایا کہ پہلوی

* زیڈ ، ڈی ، ایم ، جی ، ۲۱ - صفحہ ۴۲۱ - ۳۶۵ -

کے قدیم ترین نمونے ان پارتھوی سکوں کے کلمات ہیں جو حضرت عیسیٰ سے قبل چوتھی صدی کے اختتام اور تیسری کے آغاز میں رائج تھے، یابالفاظ دیگر پہلوی کا رواج دور ہخامنشی کے خاتمے کے بعد جلد ہی شروع ہوگیا تھا اور پہلوی نقوش پارتھیوں کے متاخر، ساسانیوں کے پورے دور اور مسلمانوں کے ابتدائی زمانے کے ایرانی سکوں پر بھی موجود ہیں؛ آخرالذکر میں وہ سکے بھی شامل سمجھنے چاہئیں جو طبرستان کے خود مختار سپہبد اور ابتدا کے عربی گورنروں نے ڈھلوائے تھے، لہذا پہلوی کی روایات سکہ ۳۰۰ قبل مسیح سے ۶۹۵ ع تک پھیلتی ہیں، جب کہ اموي خلیفہ عبدالملک نے ایرانی سکہ اڑا کر عربی سکہ جاری کیا اور اس پر عربی کلمات کندہ کرائے * —

پہلوی کتبے

پہلوی کتبے ساسانی دور کے ساتھہ شروع ہوتے ہیں، سب سے قدیم تاریخ کے دو ہیں، ایک اردشیر کا اور دوسرا شاپور کا جو ممتاز آل ساسان کے پہلے دو بادشاہ تھے (۲۲۶ - ۲۴۱ اور ۲۴۱ - ۲۷۲)؛ ان کتبوں کا سلسلہ گیارھویں صدی تک پہونچتا ہے، آخری کتبے وہ ہیں جن کو بمبئی کے نزدیک بمقام سیلس بدھوں کے کنھیری غاروں میں بعض پارسی سیاحوں نے ۱۰۰۹ع اور ۱۰۲۱ع میں کندہ کیا تھا - قدیم و جدید ترین کتبوں کی درمیانی یادگار

---

* اس سلسلہ میں عربی تاریخیں پڑھنی چاہیئں مثلاً دینوري کی تاریخ (مرتبۂ گر گاس سنہ ۱۸۸۸) صفحہ ۳۲۲ —

دس گواهوں کے پہلوي دستخط هیں جو ایک فرمان پر ثبت هیں - یه فرمان ساحل مالابار کے شامی عیسائیوں کی سند عطیه هے جو تانبے کے پتروں پر کنده هے - پانچ پتروں پر قدیم تامل کی عبارت هے اور چھٹے ٹکڑے پر پچیس گواهوں کے دستخط هیں' ۱۱ عربی کے خط کوفی میں' دس ساسانی پہلوي میں اور چار فارسی زبان میں بحروف عبرانی—

پہلوی ادب

پہلوی ادب کے صحیح زمانے کا حال صفحات ۸' ۹ اور ۱۰ میں آچکا هے - یه ادب خالص طور پر ساسانی دور کا فارسی ادب تھا' اس خاندان کے زوال پر بھی کچھه عرصه تک اُس کا قائم رهنا ایک قدرتی امر تھا - چنانچه بیان هو چکا هے که ساسانیوں کے بعد عباسی خلیفه ماموں رشید کے دربار میں (۸۱۳ - ۸۳۳ ع) دستور آتور فرن بگ بن فرخ زاد اور کسی ثنویت پرست (شاید پیرو مانی مذهب) کے درمیان مناظرے کا جو میدان گرم هوا تھا اس کی قلمبند روئداد پہلوی کتاب گجستک ابالش نامک میں موجود هے - لہذا اس سے یه ثابت هوتا هے که پہلوی ادب تین سے نویں یا دسویں صدی عیسوي تک زنده رها' بظاهر اس کے بعد پہلوی

---

* دیکھو هاگ کا نوشته مضمون " پہلوی " صفحه ۸۰ تا ۸۲ اور ویسٹ کا آرٹیکل " پہلوی ادب " جو " لسانیات عجم " جلد دوم صفحه ۷۹ میں درج هے' وه حوالے بھی دیکھنے چاهئیں جو اُس کتاب میں دیے گئے هیں—

کا قدرتی استعمال معدوم ہوگیا اگرچہ تعلیم یافتہ پارسی ہر زمانے میں حتیٰ کہ آج تک اس میں تصنیف و تالیف کرسکتے ہیں - اس زبان کی جعلی پہلوی کا تصنع عموماً جہت ظاہر ہو جاتا ہے ؛ خاص کر اس طرح کہ اس میں صفتی لاحقہ 'اِک' کو اسمی لاحقہ 'اِیہ' کے ساتھہ خلط ملط کردیا گیا' اس لئے کہ اب ان دونوں کی جگہ 'ای' استعمال ہوتی ہے —

پہلوی مسودات

پہلوی کے قدیم ترین مسودے وہ تحریریں ہیں جو بردی کے پریشان قطعات پر قلمبند اور فیوم (مصر) سے برآمد ہوے ہیں- ویسٹ کا خیال ہے کہ ان کا سال تصنیف آٹھویں صدی عیسوی ہے' ان کے بعد پہلوی یا سنا کے قلمی نسخے سے زیادہ پرانا کوئی نسخہ نہیں جو "جے - م" کے نام سے معروف ہے اور جسے ۲۵ جنوری سنہ ۱۳۲۳ کو کاتب نے ختم کیا تھا - پارسی نقل نویس قدرتاً پہلوی کتابوں کو آج تک نقل کرتے چلے آتے ہیں مگر پہلوی ٹائپ اور لیتھو کی ایجاد نے زیادہ قیمتی کتابوں کے معاملے میں دوسری مشرقی زبانوں کے مثل پہلوی کو بھی کتابت کے بار سے ایک گونہ سبکدوش کردیا ہے—

پہلوی ادب کی مقدار و نوعیت

پہلوی ادب پر اول درجے کی زندہ سند ویسٹ ہے' کتاب کے اس حصے میں ہمارا اصل رہنما یہی فاضل ہوگا' اس نے پہلوی ادب کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے :—

(۱) متون اوستا کے پہلوی تراجم ' تعداد میں ۲۷ ' بعض مکمل اور بعض ٹکڑوں میں ہیں ' ان کے مجموعی الفاظ ایک لاکھ اکتالیس ہزار * تخمینہ کئے جا تے ہیں ' اگرچہ تراجم اوستاکے لئے وہ بیش بہا ہیں لیکن بالفاظ ویسٹ " اُن کا شمار ادبیات میں نہیں ہوسکتا کیو نکہ مترجموں نے اوستا کی عبارت کا اتباع اسدرجہ کیا ہے کہ لفظ کے نیچے لفظ رکھدیا ہے " —

(۲) پہلوی متون جو مذہبی مضامین پر مشتمل ہیں' تعداد متون ۵۵' تعداد الفاظ ۴۴۶۰۰۰ ' ان میں تفاسیر' ادعیہ روایات' پند و نصائح' وصایا' اقوال مقدس وغیرہ کے علاوہ ذیل کی مہتم بالشان اور دلچسپ کتابیں ہیں :-

دین کرت (نویں صدی عیسوی)	دین کرت (کردار ھاے دینی) " ایک عظیم الشان ذخیرۂ معلومات ہے - پارسی

مسائل ' رسوم و روایات ' تاریخ و ادب کا " آتور فرن بگ ' جو دین زرتشت کا پہلوان بنکر الماموں کے روبرو " مردود ابالیش " کے مقابلے کو آیا تھا ' اس کا مؤلف ہے + کتاب نویں صدی کے آخر میں تالیف ہوئی - بن دھشن (بنیاد بخش)

---

* اعداد کی تفصیل ویسٹ کے مضمون مطبوعۂ " لسانیات عجم " میں ملیگی —

+ ویسٹ نے اس کے مضامین کو نہایت تفصیل کے ساتھ تجزیہ کر کے دکھایا ہے —

بن دہشن (بارھویں صدی)	ایک ضخیم مذہبی رسالہ* ہے ' اس کا ایڈٹ شدہ نسخہ چوبیس ابواب پر مشتمل

ہے اور "ایرانی" کے نام سے موسوم' یہ غالباً گیارھویں یا بارھویں صدی میں اتمام کو پہنچ گئی تھی ' اگر چہ بظاہر اس کا زیادہ حصہ بہت پہلے لکھا جا چکا تھا —

داتستان دینیک (نویں صدی)	داتستان دینیک یا " آرائے مذہبیہ " یہ کتاب مانوش چہر پسریووان یم

دستورالاساتیر فارس و کرمان کی تصنیف ہے جو نویں صدی کے اواخر میں گزرا ہے اس کے بانویں موضوعات ہیں اور حسب رائے ویست سمجھنے اور ترجمہ کرنے کے لئے یہ کتاب جس قدر مشکل ہے پہلوی میں اس کی نظیر نہیں —

شکند گھانیک ویجار	شکند گھا نیک ویجار † یعنی شرح شک ابا ' نویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی

تھی' اس میں مذہب کے متنازعہ فیہ مسائل درج ہیں' زرتشتی

---

† ترجمہ کے لئے " مشرق کی کتب مقدسہ " جلد پنجم صفحہ ۱ - ۱۵۱ (اوکسفورڈ ۱۸۸۰ ع) میں ویسٹ کا مضمون " پہلوی متون " اور تجزیۂ مضامین کے لئے اسی محقق کا مضمون منسلکہ " لسانیات عجم " صفحہ ۱۰۰ - ۱۰۲ ملاحظہ کرنا چاہئے —

† " سلسلہ مشرق کی کتب مقدسہ " کی چودھویں کتاب کے صفحہ ۱۱۵ - ۲۵۱ (۱۸۸۵) میں ویسٹ نے اس کا ترجمہ کردیا ہے اور ۱۸۷۷ ع میں اس فاضل نے پارسی ھوشنگ کی مدد سے اس کتاب کو بزبان پاژند چھاپا ہے -

ثنویت کی حمایت اور برائی کی حقیقت اور ابتدا کے متعلق یہودی ، عیسوی ، مانوی اور اسلامی خیالات کی تردید کرتی ہے ، بقول ویست " موجودہ پہلوی ادب میں صرف یہی کتاب ایسی ہے جو فلسفہ کی سر حد سے ٹکراتی ہے " —

منیوے خرد | اس کتاب کے دو نام اور ہیں " دیناے منیو (یا مائے نوگ) خرد " (روح دانش کی رائیں) اس میں یہ روح زرتشتی مذہب کے متعلق ۶۲ سوالوں کے جواب دیتی ہے ، کتاب کا پہلو متن اینڈریاس (کیل ۱۸۸۲) اور پاژندی متن معہ ترجمہ سنسکرت از نیریوسینگ ، ویست نے طبع کرایا ہے (اشتٹ گارٹ ۱۸۷۱ ع) ، موخرالذکر نے دونوں قسم کے متون کا انگریزی ترجمہ بھی کردیا ہے (۱۸۷۱ اور ۱۸۸۵) ، اس صورت سے دوسری پہلوی کتب کے مقابلے میں اس کے مطالب پانی ہوگئے ہیں اور ہر شخص اسے آسانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے ، نولڈیکی " کارنامک ارتخ شتر پاپکان" کے ترجمہ میں ہدایت کرتا ہے کہ کتابی پہلوی سیکھنے کے لئے شروع کی سب سے بہتر کتاب یہی ہے —

اردہ و یراف نامک | یہ کتاب مشہور پہلوی کتابوں میں سے ہے ، اصل نسخے کو دیکھنا چاہیں تو مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۸۷۲ ع منگانی چاہئے ورنہ فرانسیسی اور انگریزی میں اس کے تراجم موجود ہیں ، کتاب کا مبحث مختصرا " پارسی بہشت و دوزخ " کہہ سکتے ہیں ۔ اردہ و یراف اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس میں " ملعون سکندر رومی " کے حملے سے ملک کے مادی و مذہبی انتشار ، تیسری صدی عیسوی

میں سلاطین ساسان کے مذہبی و قومی احیاء اور حیات بعدالموت
کی نسبت زرتشتی عقائد کا مفصل حال مذکور ہے - دوزخ کے
بیان میں چینوت پل اور اسلام کے پل صراط میں جو بال سے
باریک اور تلوار سے تیز ہے اور جسے بائرن نے اپنے مشہور
اشعار میں نظم کیا ہے اس قدر گہری مشابہت پائی جاتی ہے
کہ اس مشابہت پر ذہن فوراً منتقل ہوتا ہے - اسلام کی
حوروں کا زیادہ روحانی نمونہ بظاہر اُس خوبرو دوشیزہ
میں پایا جاتا ہے جو نیک پارسی کی موت کے بعد اُس کی
روح سے ملاقات کرتی ہے اور روح کے سوال پر اپنے آپ کو
اُن نیک اعمال، نیک الفاظ اور نیک خیالات کا مجسمہ
بیان کرتی ہے جو پارسی سے حیات دنیا میں سرزد ہوے —

ماتی گان گجستک ابالش

"مردود ابالش" کی کتاب کا حوالہ کئی
بار آچکا ہے، سنہ ۱۸۸۷ ع میں بارتیلیمی
نے اس کو پاژندی، پارسیوں کی فارسی اور فرانسیسی ترجمے
کے ساتھہ چھاپا تھا، جاماسپ نامک مکمل تو پاژندی اور
فارسی ترجمے ہی کی صورت میں موجود ہے جس میں ایران
کے قدیم روایتی اور قصے کہانیوں کے بادشاہوں کے متعلق
دلچسپ پرانی روایات و قصص موجود ہیں —

اندرز خسروئے کواتاں

اندرز میں وہ وصایا قلمبند ہیں جو
نوشیروان بادشاہ (= انوشک ربان سنہ
۵۳۱-۵۷۸ع) نے بستر مرگ پر اہل ایران کو خطاب کی تھیں،
یہ کتاب ہے تو بہت ہی مختصر مگر اس لحاظ سے قابل ذکر ہے
کہ ژالمان نے اپنی کتاب "فارسی متوسط پر مضامین" (میلانژز

ایشیاتیک جلد نہم صفحات ۲۴۲-۲۵۳، سینٹ پیٹرزبرگ ۱۸۸۷)
میں ایک دلچسپ اور روشن مضمون کو اس پر مبنی کیا ھے اور
اس میں دکھایا ھے کہ ایک پہلوی متن بلند آواز سے
پڑھے جانے پر غالباً کس طرح مسموع ھوتا ھوگا۔ یہ کتاب
محققانہ طور پر پاژند لکھنے کی ایک قابل داد کوشش ھے۔

(۳) غیر مذھبی پہلوی متون، اس صنف کی کتابیں تعداد
میں گیارہ اور ان کے مجموعی الفاظ ۱۶۰۰۰ ھیں، دلچسپی
میں سب پر فائق ھیں لیکن مقدار میں سب سے کم۔ کچھہ
شک نہیں کہ ساسانی دور میں غیر مذھبی کتابیں بہ تعداد
کثیر موجود تھیں لیکن ان میں سے اکثر، خصوصاً خدائے نامک
یا سیرالملوک جس پر آئندہ فصل میں بحث کی جاے گی،
ناپید ھوچکی ھیں اور اس وقت ھم صرف ان کے نام سے واقف
ھیں یا ان کے جستہ جستہ مطالب سے اور وہ بھی ابتدائی
زمانے کے فارسی و عربی لکھنے والے مسلمان اھل قلم کے ذریعے۔
اوپر بیان ھو چکا ھے کہ اوستا کے محققانہ اور فلسفیانہ نسکوں
یعنی ھاتک مان‌سریک صفحہ ۱۶۹ بالا) کا پتہ نہیں اور اس کا
سبب زرتشتی ھادیوں کی اُن کتابوں کے ساتھہ بے اعتنائی
تھی جو ان کی ذاتی اغراض پوری نہیں کرتی تھیں۔ ساسانی
دور کے قدیم مگر غیر مذھبی ادب کے حامل و نگراں زرتشتی
ھادی تھے اور چونکہ اس سے بھی ان کے ذاتی مقاصد کی گرہ
نہیں کُھلتی تھی اس لئے یہ ادب بھی بہت کچھہ تلف ھوگیا،
باقی ماندہ کتابیں اس قدر کم ھیں کہ اُن کے نام و حالاتِ
تفصیل کے ساتھہ پیش کئے جا سکتے ھیں:-

(۱) ساسانی دور کے زرتشتیوں کے آداب معاشرت

(۲) یات کار زریران' اسے شاهنامه گشتاسپ اور پهلوی شاهنامه بھی کہتے تھے' گائگر نے رسالہ "تاریخ و زبان" (جلد دوم بابت ۱۸۹۰ع صفحہ ۲۴۳ - ۲۸۴) میں بزبان جرمنی اس کا ترجمہ کیا ہے' دو سال بعد نولڈیکی نے بھی اس رسالے* میں اس پر بحث کی —

(۳) خسروے کواتان (- نوشیروان) اور اس کے غلام کا قصہ

(۴) کارنامک ارتخشتر پاپکان یا بانی آل ساسان اردشیر بابکان کے کارنامے' کتاب بغایت دلچسپ ہے' اس کا پہلوی متن بظاہر بلا تنقید کے ۱۸۹۶ع میں کیقباد آذر باد دستور نوشیروان نے مرتب کرکے بمقام بمبئی طبع کرایا تھا' لیکن پروفیسر نولڈیکی نے تنقیدی حواشی اور نہایت روشن مقدمے کے ساتھ ۱۸۷۸ع میں بمقام گوتنجن اس کو شایع کیا' شاهنامے کے ضمن میں هم اس کتاب کا مفصل ذکر کریں گے† ساسانیوں کے تاریخی ناولوں میں ایک تو یہ کتاب باقی ہے اور دو اس سے قبل کی' اگرچہ دوسری ناولوں کے نام و مضامین کا حال عربی مصنفین مثلاً مسعودی' دینوری اور قابل قدر الفہرست کے مولف سے معلوم ہیں اور ایک کتاب یعنی داستان و وقایع بہرام چوبیں کے مواد کے بعض اجزا نولڈیکی نے جا بجا سے فراہم

---

* نولڈیکی اس کتاب کو سنہ ۶۰۰ ع کے قریب کی تصنیف بتاتا ہے —

† بخیال نولڈیکی اس کی تاریخ تصنیف سنہ۶۰۰ع کے قریب کی ہے —

کرکے مرتب کئے ھیں (" ساسانیوں کی تاریخ" لیڈن سنہ ۱۸۷۹ ع صفحات ۴۷۴-۴۸۷) اس قسم کی باقی ماندہ کتابیں بہت چھوٹی اور یہ ھیں :-

(۵) بلاد ایران

(۶) عجائبات سجستان

(۷) درخت آسوریگ (آسوریہ کا درخت)

(۸) چترنگ نامک (= شطرنج نامہ)

(۹) انشا

(۱۰) نکاح نامہ (اس کی تاریخ ۱۶ نومبر سنہ ۱۲۷۸ ع سے مطابق ھوتی ھے) اور (۱۱) مشہور فرنگ پہلویک ۷ یعنی قدیم پہلوی پاژند فرھنگ جس کو سنہ ۱۸۷۰ ع میں موشنگ وھوگ نے بمبئی اور لندن میں طبع کرایا —

فارسی کا زرتشتی ادب پہلوی کتابوں کے علاوہ خود فارسی میں ایرانی پارسیوں نے تصنیف و تالیف کی؛ اس قبیل کی اہم تصنیفات حسب ذیل ھیں :-

(۱) زرتشت نامہ، نظم میں ھے، تیرھویں صدی میں بمقام رے تصنیف ھوا —

(۲) صد در (= صد ابواب) ایک قسم کا خلاصہ دین زرتشت ھے، اس کے تین متن ھیں، ایک نثر میں اور دو نظم میں، حصہ نثر قدیم ترین ھے —

(۳) علماے اسلام —

(۴) روایات یا مذھبی روایتوں کا مجموعہ —

(۵) قصہ سنجان (اسلامی فتوحات کے بعد پارسیوں کے ھند

میں وارد ہونے کا حال) —

(۶) پہلوی کتب کے متعدد فارسی ترجمے ویسٹ نے "لسانیات عجم" کے ضمیمے میں (صفحہ ۱۲۲ - ۱۲۹) ان سب پر تنقید کی ہے —

جہاں تک ہم کو علم ہے زمانہ حال میں کرمان و یزد کے پارسیوں میں تعلیم و تعلم کا چرچا نہیں اگرچہ وہ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے آپس میں گبری بولتے ہیں مگر جب مسلمان ایرانیوں میں جا بیٹھتے ہیں تو ان کی زبان اور فارسی میں تقریباً کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور ان کے خطوں کی تحریر تو بالکل مسلمانوں کے طرز پر ہوتی ہے —

ساسانی دور میں نظم کا وجود

صفحات ۱۹ لغایت ۲۵ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ دور ساسانی میں یا تو نظم کا وجود تھا ہی نہیں یا اگر تھا تو جہاں تک معلوم ہوسکا ہے اس کا آج ایک مصرع بھی نہیں ملتا —

اشارۃً بتاچکے ہیں کہ بعض معدوم پہلوی کتابوں کے اجزا بعض اسلامی اہل قلم خصوصاً اسلام کے ابتدائی زمانے کے عربی لکھنے والے مصنف مثلاً طبری، مسعودی، دینوری وغیرہ نے اپنی تصانیف میں محفوظ کرلئے ہیں، ان کا ماخذ پہلوی کے عربی تراجم تھے جن کو ابن المقفع جیسے ماہران عربی و پہلوی نے پورا کیا تھا۔ ترجموں کے کثیر نام الفہرست میں درج ہیں لیکن مکمل ترجمہ جو ہم تک پہنچا ہے صرف ابن المقفع کا ترجمہ کلیلہ دمنہ ہے، یہ کتاب نوشیرواں عادل کے عہد میں شطرنج کے ساتھ ہندوستان سے ایران پہنچی تھی

اور اسی بادشاہ کے لئیے اس کا پہلوی میں ترجمہ ہوا - اسلام کے ابتدائی مصنفوں میں' جو مسائل عجم سے پوری واقفیت رکھتے تھے' ارباب ذیل شامل ھیں :-

۱ - طبری (ت ۹۲۳*' ت = فوت ہوا)

۲ - الجاحظ (ت ۸۶۹ع)

۳ - الکسروی (ت ۸۷۰ ع)

۴ - بن قتیبہ (ت ۸۸۹ ع)

۵ - الیعقوبی (ت ۹۰۰ ع)

۶ - دینوری (ت ۸۹۰ ع)

۷ - مسعودی ' دسویں صدی کے وسط میں گزرا ھے خصوصاً اس کی تصانیف مروج الذھب اور کتاب التبینہ و الاشرات میں اس قسم کا مواد موجود ھے —

۸ - حمزہ اصفہانی (ت ۹۶۱ع)

۹ - البیرونی ' دسویں کے آخر اور گیارھویں کی ابتدا میں ہوا ھے —

۱۰- البلاذری (ت ۸۹۴ ع)

۱۱ - محمد بن اسحاق ' مولف کتاب الفہرست ' (اواخر دسویں صدی) وغیرہ - نقطہ زیر بحث کے لحاظ سے فارسی کی اھم ترین کتابوں میں شاید بلعمی کا ترجمہ تاریخ طبری (۹۶۳ ع)' مجمل التواریخ جس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں اور شاھنامہ فردوسی ھے —

---

* ف — فوت ہوا —

فصل چہارم

ایران کا ” قومی افسانہ “

یہاں تک ہم ایران قدیم کی اصل تاریخ پر گفتگو کر رہے تھے اور ہمارا ماخذ کتبات تھے ' سکے تھے یا مصنفین ماضیہ جن کی قدامت و صداقت شبہ سے پاک ہے - اب دیکھنا یہ ہے کہ خود اہل ایران اپنے قدیم سلاطین اور شاہی خاندانوں کی بابت کیا خیالات رکھتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اُن کے ” قومی افسانہ “ کی روئداد کیا ہے جو صرف ساسانی عہد سے حقیقی تاریخ کا ہم عنان ہوکر واقعات بیان کرتا ہے اور مشہور شاہنامے کی صورت میں اوج کہاں کو پہنچ جاتا ہے - شاہنامہ ایک مبسوط نظم ہے ' عموماً ساٹھہ ہزار ابیات پر مشتمل سمجھی جاتی ہے ' فردوسی نے تقریباً چالیس سال کی کاوش سے سلطان محمود کے لئے اس کو ۱۰۱۰ ع میں ختم کیا تھا - اس جلیل القدر نظم کی ادبی حیثیت پر کسی آئندہ باب میں بحث کی جاے گی لیکن چونکہ اہل ایران اس کو آج بھی اپنی قوم کی قدیم تاریخ کا سر چشمہ مانتے ہیں اس لئے مناسب ہو گا کہ اس کی نوعیت و قدامت کو اس جگہ مجمل تنقید کے حوالے کیا جاے - پروفیسر نولدیکی نے شاہنامے کو

اس لحاظ سے اپنے (مضمون " ایران کا قومی افسانہ " میں نہایت تحقیق و جامعیت سے کھلکالا ہے اور مضمون کو) "لسانیات عجم" جلد دوم کے سوا علحدہ بھی طبع کرایا ہے (ترِیب ذر استراس برگ ۱۸۹۶ ع) ' یہ پاکیزہ مضمون اس قدر مبسوط و مکمل ہے کہ غالباً اس مبحث پر علم اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ ذیل کے مختصر بیان میں ' جو " قومی افسانہ " کے تاریخی پہلو کو پیش کرتا ہے یہ مضمون نہایت آزادی و بسط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے —

شاہ نامے کے مضامین

شاہ نامہ قبل الاسلامی تاجداران عجم کے چار خاندان پیش کرتا ہے (۱) پیشدادی (۲) کیانی (۳) اشکانی (یا پارتھوی جو عربی میں ملوک الطوائف بھی کہلاتا ہے) اور (۴) ساسانی - ان میں سے پہلے دو خاندان بالکل غیر تاریخی ہیں اور جیسا کہ بیان ہوچکا ہے اوستا کی کتھاؤں اور ہندی - ایرانی افسانوں سے تعلق رکھتے ہیں ' تیسرا خاندان ایک لحاظ سے تاریخی کہا جا سکتا ہے مگر اسماے ملوک کے سوا جو بے ترتیبی سے مذکور ہیں باقی حالات روایت کے حافظے سے اتر گئے ہیں ' البتہ اتنا یاد رہا ہے کہ سکندر اعظم اور اردشیر ساسانی کے درمیان کا وقفہ اشکانیوں کی حکومت کا زمانہ ہے - چوتھا خاندان اس اعتبار سے کامل طور پر تاریخی ہے کہ اس کے مالکان تاج رجال التاریخ ہیں اور ان کا حال صحت ترتیب کے ساتھ لکھا گیا ہے ' اگرچہ ان کے خصوصاً ابتدائی اورنگ نشینوں کے واقعات اور کار نامے افسانے کے رنگ میں

ڈوبے ہوئے ہیں —

پیشدادیاں	پیش‌دادی خاندان کا پہلا بادشاہ گیو مرث ' اوستا کا پہلا شخص گیو مریتھ اور زرتشیتوں

کا باوا آدم ہے ۔ وہ پہاڑوں میں بود و باش رکھتا ہے ' تیندوے کی کھال خود بھی پہنتا ہے اور اپنی قوم کو بھی پہناتا ہے ' میدان کے درندوں کو مطیع بناتا ہے ' دیووں پر فوج کشی کرتا ہے اور لڑائی میں اس کا بیٹا سیامک مارا جاتا ہے ' آخرش سی سالہ حکومت کے بعد وہ خود جاں بحق تسلیم اور اس کا پوتا ہوشنگ (عربی اوشنج) اس کا جانشین ہوتا ہے - ہوشنگ تخت سلطنت کو چالیس سال تک زینت بخشتا ہے ' اتفاقاً چقماق سے آگ نکالنے کا گر اس کے ہاتھ آتا ہے اور اس عظیم‌الشان انکشاف کی یادگار میں جشن " سدہ " قائم کرتا ہے - اس کے بعد اس کا بیٹا تہمورث تاج شاہی سرپر رکھتا ہے ' دیووں کو زیر کر کے " دیوبند " کا لقب حاصل کرتا ہے ' اور دیووں کو اس شرط پر جان کی امان دیتا ہے کہ وہ اس کو فن کتابت سکھائیں لیکن اس میں ایک خط پر بس نہیں کرتا بلکہ اکٹھی تیس زبانوں* کی طرز تحریر سیکھتا ہے اور تیس برس کے بعد تخت کو اپنے مشہور بیٹے جمشید کے لئے خالی کردیتا ہے جو نسانیات عجم میں اپنے پیشروؤں کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے —

جمشید	ابتدائی زمانے کے عربی (یعنی عربی لکھنے والے) مورخ جو بحالت اکثر ایرانی افسانوں کو سامی

* دیکھو شاہ نامہ مرتبہ میکن ' صفحہ ۱۸

اور بائبل کے قصوں سے منطبق کرنے کی کوشش کرتے ھیں ' عام طور پر جمشید کو حضرت سلیمان بتاتے ھیں - عملی طور پر دیکھا جاے تو اهل ایران استخر کے تمام هخامنشی کتبوں کو جمشید یا حضرت سلیمان سے منسوب کرتے ھیں ' انتساب کی دلیل بظاهر اس سے زیادہ نہیں کہ یہ جلیل القدر عمارتیں تنہا قدیم انسانوں کے هاتھہ کا کام نہیں هو سکتیں ' لهذا ان کا بانی خواہ کوئی هو وہ اپنے قابو میں دیووں کی جماعت رکھتا تھا - لیکن هر شخص واقف ھے کہ دیو صرف دو بادشاهوں کے تابع فرمان تھے یعنی سلیمان اور جمشید کے ؛ لهذا سلیمان اور جمشید نے ان یادگاروں کو تعمیر کیا " - چنانچہ وہ پرسی پولس (استخر) کو تخت جمشید اور سائی رس کی قبر کو مسجد مادر سلیمان کہتے ھیں ؛ اسی طرح مرغاب کے میدان میں ایک چبوترہ سا بنا هوا ھے جو تخت سلیمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ھے - مسلمانوں کے دور میں خود آتش پرستوں نے اس قسم کی تطبیقوں کی تائید کی تاکہ ان کے فاتحوں کی نظر میں ان کی عزت بڑھ جائے اور ان کو وهی حقوق عطا کئے جائیں جو فیروز مند اسلام نے اهل کتاب مثلاً یہود و نصاریٰ کو دئے تھے جو خود تو قران پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن ایسی کتابوں کو مانتے تھے جنھیں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم) نے تسلیم کیا ھے - ان میں سب سے زیادہ اهم لیکن جھوٹی تطبیق زرتشت کی ابراهیم اور اوستا کی صحف سے ھے ' صحف کی نسبت مسلمانوں کا خیال ھے کہ وہ حضرت ابراهیم پر نازل هوئے تھے

اور اُن پانچ الہامی کتابوں میں سے ھیں ' جو پانچ انبیائے کبار پر اُتری تھیں' باقی چار میں توریت ' زبور یا مزامیر' انجیل اور قران پاک ھیں ' اسی طرح ابن المقفع کے مثل تمام با خبر مصنف جانتے تھے کہ عجمیوں کی تمام تطبیقیں غلط اور فرضی ھیں ' بعینہ جس طرح ہم کو معلوم ھے کہ سر ولیم جونس کا سائی رس کو کیخسرو اور شیرویہ کو زرکسیز کہنا غلط تھا چنانچہ ابن المقفع (دیکھو دینوری مرتبہ گرگاس صفحہ ۹) کا قول ھے " جاھل اور نا تعلیم یافتہ ایرانی خیال کرتے ھیں کہ بادشاہ جم اور حضرت سلیمان بن داود دونوں ایک شخص ھیں ' مگر یہ اُن کی غلطی ھے ' حضرت سلیمان اور جم کے زمانے میں تین ھزار برس کا فصل ھے " - جدید تحقیق اس قول کی تائید کرتی ھے ' جمشید کے آخر سے شید کو گرادیں (کیونکہ یہ نام کا جزو نہیں ھے بلکہ لقب ھے جیسا خورشید کا شید جو اوستا کے " خشئیت " بمعنی اعظم ' منور کا قائم مقام ھے اور اکثر گرادیا جاتا ھے) تو جم رہ جائے گا اور وھی جم جو ھندووں کی دیومالا میں یمہ اور اوستا کے افسانوں میں یمہ کے نام سے مذکور ھے' اگرچہ اس ھندی - ایرانی فسانیات کے (بطل) کے حالات ھندووں کے افسانوں میں جدا ھیں اوستا میں جدا اور شاھنامہ میں جدا - ھندو کہتے ھیں کہ یمہ پہلا انسان فانی ھے جو اس دنیا سے رخصت ھو کر عالم آخرت میں داخل ھوا اور پلوٹو (یونانی دیوتا) کی طرح تحت الثری کا بادشاہ ھوا - اوستا کے الفاظ یہ ھیں " اچھے ریوڑوں والا پاکیزہ یمہ " جو ویون ھاؤ (یہ نام شاھنامے میں تو مفقود ھے

لیکن اسلام کے ابتدائی مورخین مثلاً دینوری اور طبری وغیرہ
میں ویون جہان کی صورت میں آیا ہے اور اس کو ابن ایران
یا ارفخشد ابن سام یا شیم ابن نوح بیان کیا گیا ہے) کا بیٹا
تھا اس کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اهرمزد کی هدایتوں کو مخلوق
کے پاس لے جائے مگر اُس نے انکار کردیا ' اسی کو " چوگوشہ
درنہ " تعمیر کرنے کے لئے مقرر کیا تھا تاکہ لوگ انرا مین
یوش کی پھیلائی ہوئی سردی کی وبا سے محفوظ و مامون ہو
جائیں - شاهنامے میں وہ ایک سلطان با جبروت کی حیثیت سے
ظاهر ہوتا ہے' سات سو برس حکومت کرتا ہے ' انسان و طیور'
شیاطین اور پریاں سب اُس کے تابع فرمان ہیں ؛ لڑائی کے
ہتیار اور نوربافی کے آلات ایجاد کرتا ہے ' انسان کو جانوروں
کا استعمال سکھاتا ہے ؛ رعایا کو پیشوں کے لحاظ سے تقسیم کرتا
ہے ' مذهب کو جنگ سے اور زراعت کو صنعت سے جدا کر کے
علحدہ علحدہ طبقے قائم کرتا ہے ' دیووں سے تعمیر کا کام
لیتا ہے' جواهرات' فلزات' عطریات اور ادویات کو رواج دیتا ہے'
جہاز تیار کراتا ہے ؛ اسلامی سلیمان کی طرح ہوائی تخت پر
سوار ہوکر جہاں چاهتا ہے اُڑ کر چلا جاتا ہے اور آفتاب کے
برج حمل میں داخل ہو نے پر ۲۱ مارچ کو قومی تہوار
نوروز کی بنیاد ڈالتا ہے - اس کے بعد جم کی قسمت پلٹا کھاتی
ہے ' غرور اُس کو خدائی اعزاز کے دعوے پر مائل کرتا ہے اور
وہ غاصب ضحاک کے هاتھ سے مغلوب و قتل ہوتا ہے —

اژی دهاک یا دهاک

دهاک اوستا کے سانپ اژی دهاک کا قائم
مقام ہے ' بعد میں اس لفظ نے اژدهاک

اور پھر اژدھا کا روپ لیا ؛ اس شخص کے شانوں پر دو سانپ
نکلتے ھیں جو آدمی کا بھیجا کھا کر جیتے ھیں ، دیگر
آریائی اقوام کے تین سر والے ناگ کا یہ ایرانی قائم مقام ھے -
لیکن فردوسی ، جس کے زمانے میں فتوحات عرب کی یاد
تازی اور قومی تنفر کا جذبہ ھر ایک سینے پر قابض تھا ، اس
انسان کو ایک عرب کی شخصیت عطا کرتا ھے ، و کو ض
سے اور ہ کو ح سے بدل کر اس کا عربی نام ضحاک رکھتا ھے ؛
پھر اسے مادر و پدر کش ، ظالم اور شیطان کا خاص چیلا بیان
کیا جاتا ھے ، شیطان اس کو قدیم اور بے گناہ نباتات خوری سے
جو اس وقت تک رائج تھی حیوان خوری اور اس سے مردم
خوری پر لگا دیتا ھے - تقریباً ایک ہزار سالہ حکومت کے بعد
جب وہ اپنے سانپوں کے لئے اور آدمی مانگتا ھے تو اس کی
مصیبت زدہ رعایا سر کشی پر اُتر آتی ھے ، چونکہ سرکشی
کی روح و رواں کاوائے آھن‌گر تھا اس لئے قومی جوش میں
کاوہ کا چرمی پیش‌بند قومی آزدای کا پھریرا بن جاتا ھے ،
پھر فریدوں (اوستا میں تھروئی تؤنہ ، هندووں میں تھرائی‌تنہ)
پسر آبتین جو تھمورث کی نسل اور کیانی تخم سے تھا اور
کہیں چھپا پڑا تھا ڈھونڈھ کر نکالا جاتا ھے ، وہ قومی تاج سرپر
رکھہ کر ضحاک کو شکست دیتا ھے اور زندہ پا بہ زنجیر کر کے
اسے دماوند کی چوٹی کے قریب ، جو طہران کے شمال مغرب میں
ایک عظیم مخروط کی صورت میں نظر آتی ھے ، ایک غار میں
قید کر دیتا ھے - اس کے بعد ایک عام جشن کے درمیان وہ
تخت پر متمکن ھوتا ھے اور بڑی شان و شوکت ، انصاف

و معدلت کے ساتھہ پانسو برس حکومت کرتا ھے یہاں تک کہ لوگ اُس کو اِن اشعار سے یاد کرتے ھیں :—

فریدون فرخ فرشتہ نہ بود
زمشک وزعنبر سرشتہ نہ بود
بہ داد ودھش یافت آں نیکوئی
تو داد ودھش کن فریدوں توئی

با ایں ھمہ وہ خانگی نزاعوں کی تکلیف سے نہ بچ سکا ، اس کے تین لڑکے تھے تینوں کی شادیاں سرو (البغدادی نے شاہ نامے کے منثور عربی ترجمے میں اس کو سُرو لکھا ھے) * کی تین بیٹیوں کے ساتھہ ھوئیں - جب فریدوں شادیوں سے فارغ ھوا تو اُس نے اپنی وسیع سلطنت کو تینوں میں تقسیم کیا ، سب سے چھوٹے بیٹے ایرج کو ایران (ایران شہر) کا ملک ملا - لیکن یہ حصہ شادابی اور آبادی کے لحاظ سے سب پر فوق رکھتا تھا اس لئے فریدوں کے بڑے بیٹے سلم اور تور ایرج کی خوش قسمتی کو نہ دیکھہ سکے ، حسد کی آگ سے بھڑک اٹھے اور نامردانہ چال سے ایرج کا کام تمام کردیا - بیٹے کی لاش بوڑھے باپ کے پاس پہنچی تو اَس نے غم سے اپنا حال برا کرلیا اور سلم و تور کے خلاف انتقام کا حلف اُٹھایا -

منوچہر قتل ایرج کے بعد اُس کی بیوی ماہ آفرید سے منوچہر پیدا ھوا ، بچہ شباب کو پہنچا تو فوج

* کیمبرج والا نسخہ (Qq' 64) اس اہم تصنیف کا چودھویں صدی کا ایک عمدہ نسخہ ھے ، اس کے متعلق نولڈیکی کی (Suabon) صفحہ ۷۷ حاشیہ ۲ ملاحظہ کرنی چاھئے —

لے کر اس نے شریر چچاؤں پر حملہ کیا ' اور ان کے سروں
کو باپ کی خدمت میں بھیج دیا - اس واقعہ کے کچھہ دن
بعد فریدوں نے عنان حکومت پوتے کے سپرد کی اور پھر دنیا
سے رخصت ہو گیا ــــ

افراسیاب

ایرانی افسانوں میں فریدوں کے تینوں بیٹوں
کو ایرانی روایات کا سام حام اور یافث سمجھنا
چاھئیے- اس جنگ برادر کشی سے تور کی اولاد (= تورانیوں
یا ترکوں) اور ایرج کے بیٹوں (ایرانیوں) میں عرصہ تک
معرکہ آرائیاں رھیں' تورانیوں کا ھیبت ناک سپہ سالار
افراسیاب تھا ؛ ان لڑائیوں سے نہ صرف ایران کے افسانے

سیستانی داستان

بلکہ ایران کی تاریخ کا جز و اعظم مرتب
ہوتا ھے ؛ اور یہ وہ مقام ھے جہاں قومی
مثنوی ایسے واقعات سے مالا مال نظر آتی ھے جن کا اوستا
میں کوئی ذکر نہیں ھے اور جن سے سیستان و زابلستان کے
ایک شریف خاندان کے مشاھیر یعنی نریمان ' سام ' زال' رستم

رستم

اور سہراب کا نام وابستہ ھے - ان میں رستم کا
پایہ سب سے بلند ھے ' صدیوں پر صدیاں گزر جاتی
ھیں مگر وہ بقید حیات رھتا ھے اور کجکلاھان کیانی بالخصوص
کیقباد ' کیکاوس اور کیخسرو پر جب کوئی بلا نازل ھوتی ھے
تو وہ مدد کے لئے دفعةً نمودار ھو جاتا ھے اور اُن کو بلا سے
چھڑاتا ھے' اس کا ایک گھوڑا رخش اُس کے دم کے ساتھہ لگا
رھتا ھے اور وہ قوی ھیکل پہلوانوں اور دیو زادوں کو بڑے
بڑے معرکوں میں نیچا دکھاتا ھے - آخرالامر جب وہ زرتشت

اسفندیار

کے جنگجو حامی گشتاسپ (= وشتاسپه) کے بیٹے اسفندیار (اسفند یاد، اسپند یداد) کے قتل سے هاتهه رنگ چکتا هے تو اپنے بهائی کی غدارانه چالوں سے خود لقمهٔ اجل بنتا هے - اسپیگل کی راے* میں رستم کا اوستا کے صفحوں میں نه پاے جانے کا سبب یه هے که وہ "مذهب حق" کا دشمن تها اس لئے مصنفین اوستا نے دیدہ و دانسته اس کا نام دبا دیا، لیکن نولدیکی† کو اسپیگل سے اتفاق نهیں اور وہ اس راے کی طرف مائل نظر آتا هے که سیستانی روایت جس میں رستم و آباے رستم کے کارناموں کا ذکر آتا هے اس سے اوستا کے لکھنے والے تقریباً یا مطلق بے خبر تهے - بهر کیف رستم کا ذکر آخر زمانے کی پهلوی تحریروں میں صرف ایک یا دو جگه آیا هے اگرچه ساتویں یا آٹھویں صدی عیسوی میں آرمینیه کا موسیٰ خورینوی رستم کے جلیل‌القدر کارناموں سے اپنی واقفیت کا اظهار کرتا هے اور اسی زمانے کے قریب عرب حمله آوروں کو سیستان‡ میں رخش رستم کا اصطبل بهی بتایا گیا تها - اس کے سوا قادسیه کی هولناک لڑائی (سنه ۶۳۵ ع)، میں جس نے کیانی تاج عربوں کے حوالے کردیا، ایران کا سپه سالار رستم کا همنام تها جو مغلوب اور قتل هوا —

بهمن آرتا زرکسیز لونگی مے نس

رستم کی موت پر شاهنامے کے کیانی افسانه آمیز حالات بهی ختم هوجاتے هیں- اسفندیار پسر گشتاسپ اپنے بعد اپنا بیٹا بهمن (یا و همنو) چهوڑ جاتا هے جو اپنے دادا کا جا نشین هوتا هے- کچهه مدت بعد جب قومی

---

* دیکهو "مطالعه" صفحه ۱۴۶ † "مثنوی عجم" صفحه ۹

‡ "مثنوی عجم" صفحه ۹

افسانہ پھر مرتب ہوا تو آرتا زرکسیز (ارتخشتر، ارد شیر) کے لونگی مے نس (دراز دست*) کے نام سے مذکور ہونے لگتا ہے، اس کا حال اس وقت کسی سریانی مصنف سے لیا گیا جس نے یونانی ماخذوں سے کام لیا تھا - بہر حال اردشیر

خومانی | مجوسی رسم کے مطابق اپنی ہمشیر خومانی (ہومائے) کو اپنی زوجیت میں لایا، اس کا بیٹا

دارا | دارا اس کی موت کے بعد پیدا ہوا - ارد شیر کے

ساسان | بعد خومانی کے بھائی ساسان کو وارث تخت و تاج کی امید تھی مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ

دارا کے بلوغ تک اس کی بہن یعنی دارا کی ماں سلطنت کا انتظام کرے گی تو وہ صدمے کے مارے پہاڑوں میں چلا گیا اور کردوں کے ساتھ مل کر گڈریا ہوگیا† - اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ ساسانی بادشاہ اسی کی نسل سے ہیں اور آل ساسان کو وہ کیانیوں کے جائز وارث اور فر کیانی کو زندہ کرنے والے مانتے ہیں - اس خاندان کے بانی ارد شیر بابکان (ارتخ شتر ابن پاپک) کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ساسان (پسر بہمن پسر گشتاسپ مربیء زرتشت) کی چھٹی پشت میں تھا - غرض اس قسم کا نسب نامہ بیان کرکے ثابت کرنا چاہا کہ وہ ایران کے علی الاستحقاق بادشاہ اور حامی دین زرتشت ہیں اور یہ حیثیت سوائے ایک دو کے ہر ساسانی بادشاہ نے قائم رکھنے کی کوشش کی —

---

* مثنوی عجم صفحہ ۱۲ اور حاشیہ (۳) وغیرہ —

† دینوری صفحہ ۲۹ —

سکندر کا قصہ

هم دیکھہ چکے هیں کہ " قومی افسانہ " میں پارتھویوں (آشکانیاں یا ملوک‌الطوائف) کا تذکرہ برائے نام هے ' اور بظاهر یہ معلوم هوتا هے کہ قومی افسانہ کے رو سے ایرانی حکومت کی عنان دارائے ثانی کے هاتھہ سے نکل کر فوراً تاج پوشان ساسانی کے هاتھوں میں آگئی هوگی - مگر اس مقام پر ایک اجنبی واقعہ " افسانہ سکندر " کے نام سے سر ابھارتا هے ' اس افسانے کا اصل ماخذ تو فرضی کیلس تھنیز کا گم شدہ یونانی متن هے مگر ایشیا میں اس کے تراجم سریانی ' مصری ' حبشی * عربی اور جدید فارسی زبان میں موجود هیں - عجمی افسانوں میں سکندر کی قسمت کا عجیب حشر

سکندر زرتشتی روایت میں

هوا هے - خالص زرتشتی روایت مثلاً پہلوی اردہ ویراف نامک+ میں وہ " مردود سکندر رومی " کے نام سے ظاهر هوتا هے اور شیطان کے ایما سے ایران کو ویران کرتا هے ' استخر اور اهل ایران کے سرمایۂ ایمان یعنی زرتشت نامہ کو جو بارہ هزار ‡ بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے نوشتہ ستاخر پاپکان کے دفتروں میں محفوظ تھا جلا کر خاکستر بناتا هے اور آخرش " خود کشی کر کے جہنم واصل هوتا هے " —

---

* کتاب سکندر از بج —

+ مرتبہ هوگ و ویسٹ صفحہ ۴ اور ۱۴۱

‡ کتاب التنبیہ مسعودی صفحہ ۹۱

سکندر شاهنامے میں

بعد کے زمانے میں اهل ایران نے جن میں فردوسی بھی داخل هے سکندر اعظم کو اپنے بادشاهوں کی فہرست میں منسلک کرلیا ' اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان کو فرضی کیلس‌تھی‌نیز کے افسانے کے خوبصورت واقعات بہت پسند آے اور دوسرا یہ کہ سکندر کی تلوار سے ان کے قومی افتخار کو جو زخم پہنچا تھا اُس کو وہ مندمل کرنا چاهتے تھے - همارى تاریخ میں ولیم فاتح اس خواهش کی مثال هے یعنی انگلستان کے قدیم مورخوں نے ولیم کو بھی اپنے فرمانرواؤں میں شامل کرنا چاها تھا ' بہرکیف اهل ایران نے واقعات گھڑ کر سکندر پر اس طرح قبضہ کیا فیلقوس مقدونوي کی بیٹی دارائے اول کی زوجیت میں آئي ' بعد میں جب وہ اپنی بیوی سے ناراض هو گیا تو اسے طلاق دیکر باپ کے گھر بھیجدیا ' واپسی پر اُسکے بطن سے سکندر پیدا هوا جو فی‌الحقیقت دارا کے صُلب سے تھا ' لیکن فیلقوس چونکہ اس اهانت کو لیپنا چاهتا تھا جو ایرانی تاجدار کی طرف سے اس کی بیٹی پر عائد هوچکی تھی اس لئے اس نے یہ مشہور کیا کہ سکندر میرا بیٹا هے اور میری ایک بیوی کے بطن سے پیدا هوا هے - پس جس وقت سکندر نے اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی دارائے ثانی سے ایران کی سلطنت چھینی تو گویا بڑے بھائی اور ولیعهد کی حیثیت سے اس نے اپنا وہ حق واپس لے لیا جس کا وہ پہلے سے حقدار تھا ' اس صورت سے ایرانی قدیم سلاطین پیشدادي و کیانی کے پر عظمت دور کو سکندر کے نام سے ختم کردیتے هیں - سکندر کا تیسرا

قصہ سکندر نامہ نظامی (بارھویں صدی) میں درج ہے ' یہاں اس کو ایک پر اسرار شخص ذوالقرنین سے مطابق کیا گیا ہے جو حسب تعلیم قرآن موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا (اگرچہ بعضوں کے نزدیک وہ خود ہی موسیٰ تھا) اس کے دانا اور خدا ترس معلم ارسطو یا ارسطا طالیس کی تعلیم کے اثر سے وہ ایک اعلیٰ قسم کا موحد بادشاہ بن گیا تھا اور کافر ایرانیوں کے جھوٹے عقائد کی بیخ کنی پر تل گیا تھا - سکندر کے متعلق یہ مختلف خیالات ذہن نشین رکھنے چاہئیں - اور ان کے ساتھ یہ واقعہ بھی کہ ایرانیوں کے قومی حافظے سے سکندر کی یاد حقیقۃً محو ہوگئی ہے اور اس کی دارا کے ساتھ اس کا ذکر ایک اجنبی ماخذ سے لے کر کیا گیا ہے ' ان کے قومی حافظے میں سا ۔ نیوں کے عہد سے پہلے کا کوئی واقعہ محفوظ نہیں رہا -

سکندر نامہ کا سکندر

پارتھیوں کی نسبت یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ عجمی وقائع میں اُن کا حال نہ صرف مختصر ہے اور بے رغبتی سے لکھا گیا ہے بلکہ ایرانی اور عرب مورخوں نے سکندر کی موت اور ساسانیوں کے عروج کے درمیان ان کے عہد کے ۵۵۰ سال کو عادتاً گھٹا کر ۲۲۶ کردیا ہے - علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں اس مغالطہ آمیز اور خود ساختہ تاریخ کی لغویت اور اس کا سبب یہ بیان کیا ہے * - جب اردشیر بابکان نے ۲۲۶ ع میں یعنی

پارتھوی دور

---

* " جغرافیات عرب " —

سکندر کے ۵۵۰ برس بعد آل ساسان کی بنا ڈالی تو تمام ملک میں ایک عام پیشین گوئی گشت لگارہی تھی کہ زرتشت کے ایک ہزار سال بعد ان کا دین اور ایران کی سلطنت تباہ ہوجائے گی۔ زرتشت کا زمانہ سکندر سے ۲۸۰ یا ۳۰۰ برس قبل سمجھا جاتا تھا اس حساب سے اس وقت تک تقریباً ۸۵۰ سال گزر چکے تھے اردشیر کو خوف ہوا کہ مبادا پیشین گوئی (بظاہر اردشیر کو اس پر پورا یقین نہ تھا ورنہ وہ اس رد و بدل سے کیا ایسا کرسکتا تھا) عوام میں ہل چل ڈال کے اپنے آپ کو پورا نہ کردے اور اس کے خاندان کو عرصہ دراز تک حکومت کا موقع نہ مل سکے لہذا اس نے جان بوجھ کر اس مدت میں سے کوئی تین سو سال خارج کردیے اور مشہور کیا کہ ایک ہزار میں سے اس وقت تک صرف ۵۶۶ سال گزرے ہیں، اور اس کی اولاد کو ابھی ۴۳۴ سال تک اور حکومت کرنے کی گنجائش ہے؛ اور واقعہ یہ ہے کہ ساسانی دور رہا بھی اتنی ہی مدت کیونکہ آخری شاہ ساسان یزد گرد سوم ۶۵۱ - ۶۵۲ میں قتل کیا گیا۔ مسعودی نے اس تاریخ میں اس حیرت انگیز کذب آمیزی کو ایک "سیاسی و مذہبی راز" بیان کیا ہے۔ اردشیر کا اس دروغ کو فروغ دے سکنا اس امر کا ثبوت ہے کہ سرکاری کاغذات اور فن نوشت و خواند کس قدر کامل طور پر مذہب و دولت کے ہاتھ میں تھا ـــ

ہم بیان کرچکے ہیں کہ ساسانیوں کے آغاز سے قومی "افسانہ" اصل تاریخ کی اقلیم میں قدم رکھتا ہے اور جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے مستقل طور پر تاریخ بنتا جاتا ہے، اگرچہ فرضی قصے

اور جھوٹے واقعات بھی آزادی کے ساتھہ اس کے دامن سے لپٹتے رھتے ھیں - چونکہ ساسانیوں کی بحث آئندہ باب کے لئے مخصوص ھے اس لئے ھم اس کو یہیں چھوڑتے ھیں اور "قومی افسانہ" کی تاریخی حیثیت اور اس کی قدامت کی بحث شروع کرتے ھیں —

قومی افسانہ کی تاریخ و قدامت

اوستا میں شاھنامے کے مشاھیر ابطال کے حوالے کافی طور پر ثابت کرتے ھیں کہ اول الذکر کی تصنیف کے وقت تک "قومی افسانہ" کے ضروری خط و خال موجود تھے - لیکن ان کی قدامت کی صرف یہی دلیل نہیں کیونکہ نولدیکی نے ثابت کیا ھے کہ یونانی مورخوں نے قدیم سلاطین عجم کے جو حالات لکھے ھیں ان میں "قومی افسانہ" کے بعض اجزا مخلوط ھیں خصوصاً مورخ تی سی آز کے صفحوں میں جو ارد شیر یمنوں کا درباری طبیب تھا اور جس نے اپنی تاریخ کو یقیناً ایرانی ماخذوں سے مرتب کیا ھے - اس کے سوا "قومی افسانہ" کے یہ اجزا بار بار اعادہ کرتے ھیں اور ایک بادشاہ بلکہ ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل ھوتے ھیں' مثلاً ھخامنشی خاندان کا پہلا بادشا سائی رس جب میڈیوں کے خلاف جد و جہد کر رھا تھا تو اس کی ابتدائی اور لڑکپن کی مہمیں جن حالات سے گھری ھوئی تھیں وہ ان حالات سے بغایت مشابہ ھیں جو آل ساسان کے پہلے بادشاہ ارد شیر کو پارتھیوں کے مقابلے میں پیش آئے - ذیل کے قصوں میں اسی طرح کی قابل ذکر مماثلت پائی جاتی ھے-اول سیمرغ یا ھما کا (جو ان سب قصوں میں ایک عظیم شاھی پرندہ ھے) بادشاہ ھخامنشی زال

اور اردشیر کی حفاظت کے لئے نمودار ہوجاتا" دوسرا بلند پایہ خاندان قارین کے دو شخصوں کا جونوذر کیانی اور پیروز ساسانی کو تورانی دشمنوں کے چنگل سے بچانے کے لئے اسی طرح بر وقت پہنچ جاتا جس طرح داراےنو پائی رس اور پیروز اخشندار کے قصے کے اشخاص پہنچتے ہیں —

سکندر کی تاریخ میں سے جو اس کے حاجب کرس ساکن متی لینی نے لکھی تھی' گشتاسپ کے بھائی زیری ایڈریز اور شہزادی اُڈاتس کا قصہ آج تک باقی ہے اور مورخ ایتھی نی اس کے ذریعہ سے ہمارے پاس پہنچا ہے' یہی قصہ پہلوی کی سب

یات کار زریراں

سے پرانی داستان یات کار زریران (صفحۂ بالا ۱۸۶) کا موضوع ہے جو ۵۰۰ عیسوی کے قریب تصنیف ہوئی تھی یہ کتاب ضخامت میں چھوٹی لیکن اہمیت میں بیش بہا ہے اور فارسی زبان میں قدیم ترین ہے لیکن اس میں "قومی افسانہ" کے سچے اجزا پائے جاتے ہیں' اگرچہ وہ اس کے صرف ایک قصے سے بحث کرتی ہے لیکن وہ سر بسر ناظرین سے توقع کرتی ہے' وہ "قومی افسانہ" کے پورے سلسلے سے آشنا ہیں' نولڈیکی نے لکھا ہے — :

"یا تو ہم سر تا پا دھوکے میں ہیں یا اس کتاب میں ایک بات نظر آئی ہے جس کا ظہور ہم مختلف قوموں کے تاریخی فسانوں میں بھی دیکھتے ہیں: قصے سب کو معلوم ہوتے ہیں' انکے بعض حصوں کی فصاحت و تخیل کی مدد سے

طول دیا جاتا ہے ؛ پھر حذف و تغلیط،
انتخاب و پیوندادر اصلاح و ترمیم کی
بدولت ان واقعات سے ایک مربوط اور
جامع داستان طویل پیدا کی جا سکتی
ہے۔ افسانۂ زیر کی ضروری خصوصیات
طبری کے مختصر ترجمہ عربی میں
دوبارہ نمودار ہوتی ہیں اور طبری
کا بیان شاہنامے کے بالمقابل حصے سے
تمام و کمال مطابق ہوتا ہے بلکہ بعض
مقامات پر لفظی مطابقت بھی موجود
ہے ، لہذا افسانۂ مذکور کا ماخذ عام
قدیم روایات ہیں جو " افسانۂ اعظم"
کی بنیاد میں بھری ہوئی ہیں " —

اصلاح و ترمیم سے جیسا کہ نولدیکی خود بیان کرتا ہے
ایسی تبدیلیاں مقصود ہیں جو ایک طویل افسانے کے
مختلف قصوں کو باسلوب احسن آپس میں ضم کرنے کے لئے کی
گئیں۔ فردوسی کے شاہنامے اور اسی افسانے کی دوسری صورتوں
میں ان تبدیلیوں میں ایسے الفاظ اور خصوصیات کا حذف بھی
شامل ہے جو مسلمان ناظرین کے لئے ناگوار خاطر تھی —

" قومی افسانے" کے ساسانی حصے کا ایک پہلوی قصہ کارنامک
ارتخشتر پاپکان کے نام سے باقی ہے ، یہ کتاب اب شائع ہوگئی
ہے ، اصل اور اس کا جرمن ترجمہ (۱۸۶ صفحہ بالا) دونوں
متداول ہیں۔ شاہنامہ سے اس کا مقابلہ ، جو آئندہ باب میں

کیا جاے گا ' فردوسی کی دیانت کے متعلق ھماری راے بہت بلند کردیتا ھے' اس نے اپنے ماخذوں کی ایسی اچھی طرح پیروی کی ھے کہ سر بسر واقعہ سے ملتا چلاجاتا ھے کار نامک غالباً ۶۰۰ عیسوی کے قریب تالیف ھوئی ھوگی' ساسان ' پاپک اور اردشیر کے بیان میں مورخ آگے تھی اس (۵۸۰ ع) نے جو فارسی زبان میں لکھی ھوئی تاریخ بادشاھی کا حوالہ درج کیا ھے اس سے مزید ثبوت ملتا ھے کہ اس دور کے پہلوی ادبیات میں " قومی افسانہ " کے کم از کم انفرادی قصے ضرور موجود تھے —

شاھنامہ کی پہلوی میں آخری نظر ثانی

تیمور کے پوتے بیسنغر (۱۴۲۵ ع) کے حکم سے شاھنامہ فردوسی کے شروع میں ایک مقدمہ منسلک کیا گیا تھا ' اس میں لکھا ھے کہ ساسانیوں کے آخری بادشاہ یزد گرد سوم کے عہد میں دھقان دانشور نے کیومرث سے خسرو پرویز تک (۶۲۷ ع تک) " قومی افسانہ " کا مکمل اور صحیح شدہ پہلوی متن تیار کیا تھا ' نولدیکی نے اس پر یہ تنقید کی ھے کہ بجاے خود اس بیان کی قیمت خواہ کچھہ قرار دی جاے لیکن خسرو پرویز کے واقعہ وفات تک عرب مورخین اور شاھنامے کے بیانات کی باھمی مطابقت اور اس واقعہ کے بعد سے ان کا باھمی سخت اختلاف یہ ثابت کرتا ھے کہ اس خاص لحاظ سے مقدمہ صحیح ھے ' مزید براں اس میں قوم پرستی کا جوش اور جائز حقوق کی حمایت کا رنگ پھیلا ھوا ھے اور ان باتوں سے کافی طور پر عیاں ھوتا ھے کہ یہ کتاب سرکاری

نگرانی اور شاهی سرپرستی میں تدوین هوئی تهی —

اس پہلوی کتاب کا نام خداے نامه (نامک) هے ' خمرہ اور مؤلف فهرست جیسے عرب مصنفوں نے اس کا جگه جگه حواله دیا هے اور آتهویں صدی عیسوی کے وسط میں ابن المقفع نے اس کا عربی میں بهی ترجمه کیا ' اسطرح وہ ادبیات کے عرب کے دائرہ میں عام طور پر معروف هو گئی لیکن شومی بخت سے ابن المقفع کا ترجمه آج ناپید هے - اسی طرح اور فارسی نثر کا وہ ترجمه بهی هم تک نہیں پہنچا جو (۹۵۷ - ۹۵۸) میں ابو منصور معمري نے حاکم وقت ابو منصور بن عبدالرزاق کے لئے هرات ' سیستان ' شاپور اور طوس * کے چار زر تشتیوں سے کرایا تها ' - فارسی کے منظوم شاهنامه کا قالب زیادہ تر اسی کتاب سے تیار هوا هے ' شاهنامه سب سے پہلے دقیقی نے سامانی شهزادہ نوح بن منصور (۹۷۶ - ۹۹۷ ع) کے لئے شروع کیا تها لیکن عهد گشتاسپ اور ظهور زرتشت کی نسبت صرف ایک هزار شعر لکهنے پایا تها که اس کو ایک ترکی غلام نے قتل کردیا ' یه فردوسی کی قسمت میں تها که جس کام کو دقیقی نے شروع کیا تها چند سال کے بعد وہ اس کو پورا کرے اور دقیقی کے اشعار ملا کر تقریباً ساتهه هزار بیتوں میں " قومی افسانه " کا مرقع تکمیل اور خاتمه

پہلوی شاهنامه کے عربی اور فارسی ترجمے

---

* دیکهو آثارالباقیه البیرونی مترجمه زخاؤ ' صفحه ۱۱۹ اور ۱۲۵ ' " مثنوی عجم " ازنولدیکي صفحه ۱۴ - ۱۵

کو پہنچا دے - جدید ادبیات ایران کی بحث میں ہم دقیقی اور فردوسی کی طرف دوبارہ متوجہ ہوں گے اس لئے باب ھذا میں ان کے متعلق زیادہ صراحت کی ضرورت نہیں ' صرف اتنا یاد رکھنا چاھئے کہ شاھنامہ قومی افسانہ کی آخری اور رزمیہ مثنوی کی صورت ہے —

چوتھا باب

دور ساسان (۲۲۹ - ۶۵۲ ء)

اس باب میں نہ تو یہ مناسب ہے اور نہ ممکن کہ ساسانیوں کی مفصل تاریخ بیان کی جائے لیکن ان کا زمانہ اس قدر اہم اور دلچسپ ہے کہ اس کو بالکل نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس دور کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں ملک پرانی حالت سے نکل کر نئی حالت میں داخل ہوتا ہے ' مگر دونوں حالتوں سے بخوبی روشناس رہتا ہے - فرّ ہخامنشی کو اپنے آغوش میں لئے ہوے ہے لیکن تاریخی روشنی اس دور سے کہیں زیادہ اس پر پڑتی ہے اور یہ وہ روشنی ہے جس کا منبع صرف اُس زمانے کے کتبات ' سکے ' مہر اور ملکی مرقومات (جو عرب اور ایرانی مورخ اور افسانہ نگاروں کے ہاں محفوظ ہیں) ہی نہیں بلکہ بزنطنی' شامی ' ارمنی اور یہودی تحریریں بھی ہیں - آل ساسان وہ فرمانروا تھے جن کو یونانیوں نے خسرو اور عربوں نے کسری (جمع اکاسرہ) کا لقب دیا تھا ' جو ایران کی دولت قدیم اور زرتشت کے

" به دین " کو زندہ کرنے والے تھے اور جن کی نسبت مسعودی (۹۵۶ ع) اپنی کتاب التنبیه والاشراف کے دیباچه صفحه ۶ میں لکھتا ھے :—

" ھم اپنی اس کتاب میں ان ممالک
کے بیان پر ھی اکتفا کرتے ھیں کیو نکه
شاھان عجم کی مملکت نہایت وسیع '
ان کی حکومت نہایت قدیم اور بادشاھت
مسلسل تھی ' ان کا نظم و نسق اعلی '
ان کا اصول عمل باقاعدہ اور ان کا علاقه
خوش حال تھا ' وہ اپنی رعایا کی
خبر گیری کرتے تھے اور سلاطین عالم ان
کے حلیفان اطاعت شعار تھے ' اور
ان کو خراج ادا کر تے تھے ' اسی طرح
ان کا تسلط اقلیم چہارم پر بھی تھا
جو بابل کی اقلیم اور کرۂ زمین کا وسط ھے
اور ھفت اقالیم میں سب سے عمدہ ھے "

کتاب مذکور کے صفحه ۳۷ میں ایک شاعر کے اشعار نقل ھیں جو مسعودی کی طرح رطب اللسان ھے ' اگر چه یه شاعر تصنیف میں عربی زبان سے کام لیتا ھے لیکن اپنے آپ کو فخریه طور پر ایران کے شاهی خاندان سے منسوب کرتا ھے ' اشعار یه ھیں :—

و قسمنا ملکنا فی دھرنا اپنے زمانه میں ھم نے اپنی سلطنت
کی تقسیم کی —

قسمة اللحم علی ظهر الوضم جس طرح تم ھڈی پر گوشت کے ٹکڑے بناتے ھو

فجعلنا الشام والروم الي یونان اور شام ان ملکوں تک

مغرب الشمس سلم جہاں سورج دیر میں غروب ھوتا ھے سلم کو دیا

و لطوج جعل الترک لا اور طوج کو ترکوں پر حکمراں بنایا جہاں

فبلاد الترک یحو یہا ابن عم ھمارا ابن عم ابھی تک فرمانروائی کرتا ھے

و لایران جعلنا عنوۃ اور فارس کو ھم نے بزور ایران کا ملک بنا دیا

فارس الملک وفزنا (ورنا) بالنعم جہاں سے ھم کو ابھی تک برکتیں حاصل ھوتی ھیں —

ساسانی بادشاھوں کا ربانی وجود

ذکر کیا جا چکا ھے کہ ساسانی بادشاہ اپنے آپ کو " دیوتا " یا " ربانی وجود" (پہلوی بغ ' کلدانی الاھا اور یونانی تھیاس) کہتے تھے اور قدیم کیانی خاندان کی اولاد ھونے کے علاوہ اپنے آپ کو حکومت و " فرکیانی " کا جایز وارث سمجھتے تھے اور اپنا علو ' منصب ھر ممکن ذریعے سے رعایا کے دلوں میں جاگزیں کرتے تھے۔" فرکیانی " ایک طرح کا " سکینہ " یا "اسمانی حق" کی ایک مادی صورت تھی اس کی وجہ سے صرف آل ساسان کو عجمی تاج پہننے کا حق حاصل تھا - ساسانیوں کے خاندان میں اس کے منتقل ھونے کی نسبت ھم عنقریب ایک عجیب

روایت درج کریں گے ' یہاں سیرت رسول اللہ مرتبہ ابن ہشام (مرتبہ وستن فیلڈ کا صفحہ ۴۲) سے ایک اقتباس نقل کرتے ھیں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ اپنا دبدبہ کس طرح قایم رکھتے تھے —

ساسانی شکوہ

" کسریٰ (یہاں خسرو انوشیروان مراد ھے) اپنے تخت والے " ایوان عام میں جلوہ آرا ہوتا جہاں اس کا تاج تھا ' لوگ بیان کرتے ھیں کہ تاج ایک بڑے قنقل کی مانند تھا اور اس میں یاقوت زبرجد اور موتی سونے چاندی میں جڑے ہوے تھے - یہ تاج شاہی نشست گاہ کی ایک محراب سے سونے کی زنجیر کے ذریعہ لٹکتا رہتا تھا - بادشاہ کی گردن تاج کا بوجھ سہار نہ سکتی تھی اس لئے وہ کپڑوں میں لپٹ کر دیوان میں جاتا اور تاج کے نیچے بیٹھ کر جہاں اس کی نشست گاہ تھی تاج میں اپنا سر داخل کرلیا کرتا تھا - جب بادشاہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتا تو کپڑے ہٹا دئے جاتے ' جس شخص نے بادشاہ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ اس کو دیکھتے ھی

مرعوب هوکر گھٹنوں کے بل تعظیم
بجا لاتا تھا"۔

"آسمانی حق" کا مسئلہ ایران میں

ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے "آسمانی حق" کا عقیدہ جس تعمیم اور شد و مد کے ساتھہ ایران میں پالا گیا ہے غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی' شاہی خاندان کے علاوہ کسی متنفس کی مجال نہ تھی کہ وہ شاہی لقب اختیار کرلیتا' اس کی جرأت زعم و شرارت کا ایک ایسا فعل سمجھا جاتا تھا جو بالاے فہم بلکہ بالاے وہم ہوتا' نولڈیکی نے باغی سردار بہرام چوبین اور غاصب شہر براز کے حوالوں میں اس خیال کی تصریح* کی ہے - دنیوری نے (صفحہ ۹۸) خسرو پرویز اور اس کے معاونان بزنطینی کے مقابلے میں بہرام چوبین کی شکست و فرار کا ایک قصہ لکھا ہے جس میں خاص طور پر اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ "آسمانی حق" کی بابت اہل ایران کا خیال کیا تھا:—

بہرام چوبین کا قصہ

"اور بہرام چوبین سر پر پاؤں رکھکر بھاگا' راستے میں اسے ایک بستی ملی یہاں وہ اُتر پڑا' اور اپنے همراهیوں مروان سینہ و یزداں گشتاسپ کے ساتھہ ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں ٹھہرا' اس کے بعد انھوں نے کچھہ کھانا

---

* تاریخ عہد ساسانی صفحہ ۳۸۸ اور حاشیہ ۷ صفحہ ۴۷۷ اور حاشیہ ۲ وغیرہ—

نکالا جو اُن کے ساتھہ تھا، خود کھایا اور بچا کُچا، بڑھیا کو دیدیا، پھر شراب نکالی اور بڑھیا سے کہا، "بڑی بی تمہارے پاس پینے کا کوئی برتن نہیں ھے"۔ اس نے جواب دیا "ایک چھوٹا سا کھپا تو ھے"۔ چنانچہ وہ کھپا لائی، انھوں نے اس کا ایک سرا کاٹ کے شراب کا پیالہ بنایا اور اس میں مے نوشی شروع کردی۔ پھر کچھہ نقل اور میوہ نکالا، اور بڑھیا سے کہا، "بڑی بی تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ھے جس میں میوہ رکھکر کھائیں"۔ بڑھیا ایک چھاج اُٹھا لائی، جس میں انھوں نے اُلٹ دیا، بہرام نے حکم دیا کہ بڑھیا کو بھی شراب دی جاے، پھر بہرام بولا "کہو بڑی بی کیا خبریں ھیں؟"۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ "آج کل تو یہ خبریں آرھی ھیں کہ کسریٰ یونانی فوج کے ساتھہ بڑھا تھا اور بہرام سے لڑا تھا، اب اس کو زیر کرکے اپنی سلطنت پر دوبارہ مسلط ھو گیا ھے"۔ بہرام نے پوچھا "بڑی بی بہرام کی بابت تمہارا کیا خیال ھے"۔

بڑھیا نے کہا "بہرام احمق ہے' شاہی
خاندان سے اسے کوئی تعلق نہیں اور
پھر بادشاہی کا دعویٰ کرتا ہے"- بہرام
بولا "جب ہی تو وہ کھپے میں شراب
پیتا ہے اور چھاج میں میوہ کھاتا ہے"-
یہ ایرانیوں کا ایک مقولہ ہوگیا اور
وہ اس کو ضرب المثل کے طور پر نقل
کرتے ہیں" -

بعد کے زمانے میں اس مسئلہ کا اثر

بذات خود ہم گوبی نیو کے اس خیال کو تسلیم کرتے ہیں کہ "آسمانی حق" کی تعلیم نے ایران کی تمام آئندہ تاریخ پر نہایت وسیع و وقیع اثر ڈالا - مذہب شیعہ یا علی کی ہمنوائی پر ایرانیوں کا اصرار اس کی نہایت بین مثال ہے' آنحضرت کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لئے تو بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت خیز تھا' راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمر سے جو اہل عجم اس سے متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمر غارت گر عجم تھے - اگر چہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دیدیا گیا ہے لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے بخلاف اس کے آنحضرت کی دختر فاطمہ اور ان کے چچا زاد بھائی علی کے چھوٹے صاحبزادے حسین کی نسبت چونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ انہوں نے

ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا اس لئے شیعوں کے دونوں بڑے بڑے فریق یعنی اثنا عشریہ جو آجکل ایران میں غالب ہیں اور سبعیہ یا اسماعیلوں کے باقی ائمہ نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں، پیغمبر عربی (رسول کریم) سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آل ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے، اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہوگیا، جسکی نسبت محقق گوبی نیو نے ذیل کی عبارت ("وسط ایشیا کا مذہب و فلسفہ" صفحہ ۲۷۵) میں اشارہ کیا ہے —

سیاست شیعی کی بنیاد

ایران میں سیاسی تعلیم کا یہ ایک نا متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ صرف بنی علی ہی جایز طور پر تاج و تخت کے مالک ہیں اور یہ اس دوہرے حق سے کہ ادھر تو وہ آخری تاجدار یزدگرد کی بیٹی بی بی شہر بانو کی طرف سے ساسانیوں کے وارث ہیں اور ادھر ملت حقہ کے سرداروں یعنے اماموں کی اولاد ہیں، بنی علی کے سوا اور بادشاہ زور بازو سے بادشاہ ہیں نہ استحقاق سے اور کامل متشرع لوگ ان کو غاصب ہی سمجھتے ہیں، اور کوئی شخص ان کو سلطنت کا جایز وارث

تسلیم نہیں کرتا' ہم یہاں اس حتمی
اور قطعی رائے کے متعلق مطول گفتگو
نہیں کریں گے جسکو ہمیشہ دستورالعمل
نہیں بنایا گیا' ہم نے ایک دوسری کتاب
میں اس مسئلے پر کافی مفصل بحث
کی ہے' لیکن یہی وہ بنیاد ہے جس پر
سیاسیات بابی کی ساری عمارت تعمیر
کی گئی'' —

امام حسین اور شہر بانو کی یہ شادی واقعتاً ہوئی یا نہیں ہوئی لیکن صدیوں سے اہل تشیع اس کو ایک تاریخی واقعہ مانتے چلے آئے ہیں - متقدمین میں جن مصنفوں نے اس کا حوالہ دیا ہے ایک نام یعقوبی (مرتبہ ہوتس ما جلد دوم صفحہ ۲۹۳) کا بھی ہے جو عربی مورخ تھا اور نویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہوا ہے-اس نے امام حسین کے دردناک قتل کا بیان ان سطرون سے ختم کیا ہے —

,, امام حسین کے صاحبزادوں میں ایک
علی اکبر تھے ' طف* میں قتل ہوے ''
انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی' ان
کی والدہ کا نام لیلیٰ تھا جو ابو مرہ
بن عروۃ بن مسعودالثقفی کی بیٹی
تھیں' اور دوسرے علی اصغر جن کی

* یعنی عربستان کا وہ کنارہ جو سواد عراق کے متصل ہے—

والدہ یزد گرد کی بیٹی حرار*تھیں اور
جن کو امام حسین غزالہ کہا کرتے تھے“ -

شہر بانو فارسی تعزیوں میں

بی بی شہر بانو چوتھے سے بارھویں امام تک نو اماموں کی والدہ ھیں' ان کے ابنائے وطن آج تک ان کی محبت کا دم بھرتے ھیں - ان کے نام سے ایک پہاڑ (کوہ بی بی شہر بانو) بڑی مشہور ھوگیا ھے' جو طہران سے جنوباً تین یا چار میل کے فاصلے پر ھے' یہاں مردوں کے ناپاک قدم نہیں پہنچ سکتے' اور صرف وہ مستورات جاتی ھیں جو اپنی منتوں کے لئے اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ چاھتی ھیں' اس کے سوا شہر بانو ان دلسوز اور رقت انگیز ماتمی نقاوں' تعزیوں کی خواتین میں سے ایک ھیں' جن کا تماشہ ھر سال بلاد و دیہات ایران میں اشکبار انبوہ کو دکھایا جاتا ھے - تعزیہ غائب شدن شہر بانو“ ایک ڈراما (مطبوعہ طہران سنہ ۱۳۱۴ ع) کا نام ھے جس کے صفحہ ۱۹ پر شہر بانو کی زبان سے یہ ادا کرایا جاتا ھے :-

ز نسل یزد جرد شہریارم	میں بادشاہ یزد گرد کی نسل
ز نو شیرواں بود اصل نزارم	اور نوشیرواں کی پشت سے ھوں
دران وقتیے کہ بختم کامران بود	جب کہ میرا نصیبہ زور پر تھا
بدان شہر ریم اندر مکان بود	میں شہر رے میں تھی

* سوائے شہر بانو کے جو موجودہ ایرانیوں میں سب سے زیادہ مشہور ھے اور مضمون نے ان کو اور ناموں سے بھی یاد کیا ھے مثلاً السلافہ اور شاہ زنان ھیں —

شبے رفتم بسوے قصر بابم	ایک شب کو میں اپنے باپ کے قصر میں سو رہی تھی
بیامد حضرت زھرا بخوابم	که حضرت فاطمه زھرا مرے خواب میں آئیں
بگفت اے شہر بانو با صدآئیں	خواب میں آواز آئی که اے شہر بانو
ترا من بر حسین آرم بکابیں	میں تجھه کو حسین کی عروسی میں دیتی ھوں
بگفتم من نشسته در مدائن	میں نے کہا میں مدائن میں ھوں
حسین اندر مدینه هست ساکن	اور حضرت امام حسین مدینه* میں
محال ست ایں سخن فرمود زھرا	یه بات ناممکن معلوم ھوتی ھے حضرت زھرا نے فرمایا
حسن آید بسرداری درایںجا	حضرت امام حسن مدائن پر لشکر کشی کریں گے
تو گردی اسیر اے بے قرینه	اے بے قرینه تو اسیر ھو گی
برندت از مدائن در مدینه	اور تجھکو مدائن سے مدینه لیجائنگے

---

* مدینه کے معنی شهر اور مدائن اسکی جمع ھے - مدینه کا قدیم نام یثرب تھا ' اس شهر نے جب ھجرت نبی سے مشرف پایا تو اس کا نام مدینة النبی یا صرف مدینه ھوگیا ' یہاں مدائن سے طیسفون مراد ھے ' جو کالڈیا میں ساسانیوں کا دارالحکومت تھا ' عرب جغرافئہ‌دان کا بیان ھے که مدائن اس لئے مدائن کہلاتا ھے که وہ سات شهروں سے ملاکر بنایا گیا تھا دیکھو " فرھنگ پارس " بربرتے میتارق ......

بفرزندم حسین پیوند سازی	تو ان کے نکاح میں آجائے گی
مرا ازنسل‌خود خرسند سازی	اور مجکو اپنی اولاد سے خوش کرے گی
زنسلت نو امام آید بدوران	تیری نسل سے ایسے نو امام دنیا میں آئیں گے
کہ‌نبود‌مثل‌شان‌در‌دار‌دوران	کہ جن کا نظیر صفحۂ هستی پر کوئی نہ هوگا

چند سطر آگے چل کر ایک مقام آتا ھے جس سے حضرت عمر کے خلاف ایرانیوں کی نفرت اور حضرت علی کے ساتھہ ان کی الفت اس قدر عیاں ھے کہ هم اس کو یہاں نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے ' بہادر حضرت امام حسین شہر بانو کو بنفیس میں شاهانہ احترام کے ساتھہ لاتے هیں اور اس کے بعد شہزادی کی مصائب کا آغاز هوتا ھے :—

ولے چون شد مدینہ منزل ما	لیکن جب میں مدینہ پہنچی
غم عالم فزون شد بر دل ما	تو مجھہ پر مصیبت کا آسمان توٹ پڑا
یکے گفتہ‌کہ‌این‌دختر‌کنیز‌است	ایک نے کہا کہ یہ کوئی کنیز ھے
یکے گفتہ بشہر خود‌عزیز‌است	دوسرے نے کہا نہیں اپنے وطن میں معزز ھے
بہ مسجد مرد‌و‌زن در‌بام‌محضر	مسجد میں مرد اور کوتھوں میں عورتیں جمع هوگئیں
مرا نزد عمر بردند مادر	اور هاےری اماں ! مجھکو لوگ حضرت عمر کے پاس لے گئے

کلامے گفت کا زو در خروشم — انھوں نے ایسے کلمے کہے کہ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی

بگفت این بیکساں را می فروشم — کہنے لگے ان لاوارثوں کو نیلام کروں گا

چوتھے باب کی فصیل " شہر بانو فارسی تغریوں میں " ایک نظم پر ختم ہوتی ہے جس کے پانچویں چھٹے شعر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو " دون " " نادان " " ملعون " " غدار کہا ہے — استغفراللہ من ذالک

علی جدت چوبر آمد خروشاں — لیکن پھر علی موقع پر آئے تو چلائے

بگفت لب بہ بندائے دون نادان — کہ اے دون نادان زبان بند کر!

نہ شاید برون ای ملعون غدار — اے.........یہ منا سب نہیں کہ

بزرگاں را سر عریاں بہ بازار — شریف زادیوں کو بے پردا کر کے بازار میں کھڑا کیا جاے

پس ازاں خواری اے نور دو عینم — اے میری آنکھوں کے نور اس ذلت کے بعد

بہ بخشیدند بر بابت حسینم — انھوں نے مجھہ کو تیرے باپ حضرت حسین کے حوالہ کردیا

حسین کردہ وصیت بر من زار — امام حسین نے مجھہ کو وصیت کی

نہ مانم درمیان آل اطہار — کہ میرے بعد آل اطہر کے درمیان تمھارا رہنا ٹھیک نہیں

اگر مانم اسیر و خوار گردم — ورنہ ذلت اور اسیری کا منہ دیکھنا پڑے گا

برهنه سر بهر بازار گردم	سر کھلا ہو گا اور ماری ماری پھرو گی
توچون هستی امام وشهر یارم	اب تم ھی میرے لئے امام هو اور میرے سر تاج هو
بدست تست مادر اختیارم	اے اماں میں اپنا اختیار آپ کو دیتی هوں
اگر گوئی روم دردت بجانم	میں تم پر قربان ! اگر تم کہوتو میں چلی جاؤں
صلاحم گر نمیدانی بهانم	اگر تم اس میں میری بهتری نہیں سمجھتے تو پهر میں یہیں رہ جاو نگی

ساسانیوں کے نسبت ان‌کی عسیائی رعایا اور معاصرین کی راے

عہد ساسان کی تصویر عیسائیوں خاصکر سریانی مصنفوں نے نسبتاً تاریک تر دکھا ئی هے - سریانی ماخذوں کی نسبت ذولدیکی کا یہ بیان هے کہ اس کو اکثر مستشرقین نے کافی طور پر استعمال نہیں کیا ، تاهم تاریخ ایران کے مطالعہ کرنے والوں کو جو راقم کے مثل سریانی سے نا بلد هیں اور اصل متون تک نہیں پہنچ سکتے دو کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاهئے ان میں سے ایک کتاب تاریخ نیوشع اسطوانی * کی هے

---

* اس کا متن و ترجمہ ڈاکٹر ڈبلیو رائٹ نے سنہ ۱۸۸۲ ع میں کیمبرج سے شایع کیا —

سنہ ۵۰۷ ع میں لکھی گئی تھی اس میں ایرانیوں کے اس حملے کا حال قلمبند ھے جو قباد نے ایشیائے کوچک پر کیا تھا ' اور مخصوص طور پر اھا لیان " رھاو آمد " (جن کو اب عرفہ و دیار بکر کہتے ھیں) کی وہ مصائب درج ھیں جو شروع ۶۰۰ ع میں ان پر نازل ھوئی تھیں ' دوسری کتاب کا نام " اعمال شہدائے عجم * " ھے ' جارج ھاف مان نے اس کو مختلف سریانی مخطوطات کے اقتباسوں سے مرتب کیا ھے اور جرمن میں ترجمہ کر کے اس کے ساتھ نہایت فاضلانہ حواشی لگائے ھیں ' ان دونوں کتابوں میں مذھبی و سیاسی وجوہ سے ایرانیوں کی تصویر قدرتاً بد نما کھینچی گئی ھے ' لیکن کم از کم تاریخ " نیوشع " کے پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ھوتا کہ ایرانیوں نے اپنے عیسائی دشمنوں کی نسبت زیادہ تشدد و غداری سے کام لیا ھو ' چونکہ مصنف نے کتاب کو حملہ کے دو تین سال بعد لکھا تھا اور دوران جنگ میں اس کا وطن بھی برباد کردیا گیا تھا اس لئے یہ بالکل قدرتی امر ھے کہ وہ ایرانیوں کو کہیں کہیں ان الفاظ سے یاد کرتا ھے : —

" اس شریر قوم کا سرمایہ مسرت
اس بات سے خوب واضح ھو جائے گا
کہ انھوں نے ان شخصوں پر بھی
رحم نہ کیا ' جو اُن کے حوالے کردئے

---

* اقتباسات از اعمال شہدائے عجم بزبان سریانی مرتبہ گیورگ ھوف مان (لیپزگی سنہ ۱۸۸۰)

گئے، سبب یہ ہے کہ وہ بنی آدم
کی تکالیف پر خوشیاں منانے کے
عادی ہیں "—

مذہبی تعصب کی مثالیں

عیسائی اور زرتشتیوں کے قاب مذہبی تعصب سے ہر وقت مشتعل رہتے تھے، اور رواداری کے نقطۂ نگاہ سے ایک کو دوسرے پر کوئی وجہ ترجیح نہ تھی ایک شخص کے فضائل اخلاق، اور رذائل طبع کے تعین میں جس حد تک اس کے مذہب کو دخل تھا، اس کی عمدہ مثال " یزد گرد اول " (۳۹۹ - ۴۲۰) کے حالات کے مقابلے سے ملتی ہے، اس کے حالات ایک طرف تو عرب مورخوں نے پہلوی خدائے نامہ سے جو مجوسیوں کے (یزدگردالاثیم) کے زیر اثر قلمبند ہوا تھا مرتب کئے ہیں، دوسری طرف ایک سریانی عیسائی مصنف نے جو یز دگرد کا ہم دور تھا اس کی خصلت کا خاکہ کھینچا ہے، اول الذکر نے اسکو گناہگار (فارسی، بزہگر - عربی، الاثیم) کالقب عطا کیا، اور اس کی شرارت نفس، ضد و جہالت اور وحشت و سفاکی حد بشری سے آگے بڑھا دی ہے، اور عیسائی مصنف نے اسکی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں:—

" نیک و رحم دل عیسائی بادشاہ
یزدگرد، برکت مآب سلاطین! وہ
برکتوں سے یاد کیا جائے اور اس
کا مستقبل اوائل زندگی سے بہتر
ثابت ہو، وہ ہر روز غریبوں

اور مصیبت زدوں کے ساتھہ بھلائی کرتا ہے * " —

اسی طرح خسرو اول کو نوشیروان (انوشک ربان - لافانی روح والا)

نوشیروان " عادل "
۵۳۱ - ۵۷۸ ع

کا خطاب ملا اور اب تک وہ اس ہی نام سے یاد کیا جاتا ہے ' گویا کہ وہ سلطانی شمائل اور عدل و انصاف کا مجسم نمونہ تھا ' کیوں ؟ اس لئے کہ اس نے مزدک اشتراکی کی بد عتوں کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا ' اور مطلق اعتدال و نرمی سے کام نہیں لیا ' اور یہی ایک وصف تھا جو مجوسی موبدون کی نظر میں اس کے " لافانی " ہونے کا کافی سبب تھا ' موبدون کی قدر دانی نے اس کا رتبہ یہاں تک بڑھا دیا کہ شیخ سعدی جو ایک جوشیلے مسلمان تھے ' کہتے ہیں :—

زندہ است نام فرخ نوشیروان بعدل
گرچہ بسے گذشت کہ نو شیروان نماند

عیسائیوں کی نسبت
نو شیروان کا خیال

دنیوری صفحہ ۷۳ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نو شیروان کو عیسائیوں سے بھی بدرجہ غائت تنفر تھا ' جب اُس کا بیٹا انوش زادہ اپنی عیسائی ماں کے عیسائی مذہب میں داخل ہوا ' اور باپ کے خلاف بغاوت کر بیٹھا ' تو نوشیروان نے " طیبون " کے ایرانی گورنر کو جواباً ہدایت کی کہ " اسے عیسائیوں کے کثیر غول سے ہراساں نہ ہونا چاہئے ' کیونکہ ان میں باقی رہنے والی شوکت نہیں ہے اور حقیقت میں وہ زندہ

---

* " ساسانی " از نولڈیکی صفحہ ۷۴ نوٹ ۳ وغیرہ —

نہیں رہ سکتے ' جب کہ ان کے مذہب میں لکھا ہے کہ " اگر کسی عیسائی کے بائیں گال پر طمانچہ رسید کیا جاے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا دایاں گال بھی پیش کردے "—

اس باب کا مبحث اور اس کا خاکہ

اب ہم اس باب کا موضوع بیان کرتے ہیں' چونکہ اس دور کے بعض تاریخی حالات کے سوا زیادہ قلم فرسائی ہم نہیں کر سکتے اس لئے ہم اپنی توجہ خاص طور پر اس دور کی ابتدا و انتہا تک محدود رکھیں گے ' ابتدائی دور کو جس میں زیادہ تر قصص و روایات شامل ہیں ' ہم اس لئے زیر بحث لاینگے کہ اس کے ذریعے سے ہمیں" شاہنامہ " فردوسی کے بعض قصوں کو پہلوی کے کارنامک ارتخشتر پاپکان کے مرادف قصوں سے مقابلہ کرنے کا موقعہ ملے ' انتہائی دور کے بیان کی وجہ یہ ہے کہ اس کو عربی فتوحات سے بے حد قریب کا تعلق ہے ' اور عربی فتوحات ایران کے جدید یا اسلامی عہد کا سرچشمہ ہیں ' علاوہ ازیں ساسانی دور کے اواخر میں دو مذہبی تحریکیں ' جن کا تعلق مانی اور مزدک ' کے مشہور ناموں سے ہے ' پیدا ہوتیں اور کسی قدر توجہ کی مستحق ہیں - یہ تحریک اس فکر فلسفیانہ کی قدیم مثالین ہیں' جو ایرانیوں کا خاص حصہ ہے ' کیونکہ انھوں نے مذہب میں جتنی بدعتی پیدا کئے غالباً دنیا کے کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی ' ان دونوں پیشواؤں میں

---

* آثارالباقیہ البیرونی ' مترجمہ ساشہو (لندن سنہ ۱۸۷۹) صفحہ ۱۲۱ —

جتنے بدعتی پیدا کئے ' غالباً دنیا کے کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی ' ان دونوں پیشواؤں میں سے پہلا جیسا کہ وہ خود بیان کرتا ہے * آخری حکمران پارتھید اردوان (ارتبانس) کے عہد میں پیدا ہوا تھا ' اور آل ساسان کے بانی اردشیر کا معاصر تھا ' دوسرے کی نسبت مسطور ہوچکا ہے کہ سنہ ۵۲۸ یا ۵۲۹ ' میں نوشیروان نے اس کو قتل کرایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ساسانی اقبال کا ستارہ آسمان عروج پر تھا ' گو کہ اس کے زوال کی ابتدائی علامات بھی دکھائی دینے لگی تھیں - اس باب کے چارعنوان بالفاظ ذیل پیدا ہوتے ہیں :—

۱ - اردشیر کا افسانہ اور خاندان ساسان کی ابتدا -

۲ - مانی اور تعلیم مانی -

۳ - نوشیروان اور مزدک -

۴ - آل ساسان کے آخری ایام -

(۱)

اردشیر کا افسانہ

اس افسانے کے ممتاز قصے جس ترکیب سے پہلوی کارنامک اور شاهنامے میں درج ہیں بجنسہ اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں ' اس وقت کارنامک (کا نفیس جرمن ترجمہ از قلم نولدیکی

---

* آثارالباقیہ البیرونی ' مترجمہ سخاو (لندن سنہ ۱۸۷۹ ع) صفحہ ۱۲۱ —

طبع علحدہ * صفحہ ۲۱ تا ۷۹ جس کا مقدمہ ۲۲ سے ۳۴ صفحہ تک چلا جاتا ہے) اور شاہ نامہ (میکن مطبوعہ کلکتہ جلد سوم صفحات ۱۳۶۵ تا ۱۴۱۶) ہمارے سامنے موجود ہے -

(۱) ساسان نے جو بہمن دراز دست (لونگی مے نس' دیکھو گزشتہ صفحہ ...) کی پانچویں پشت میں تھا ' شہزادہ پارس پاپک (بابک) کے پاس شبانی کی خدمت اختیار کی ' پاپک کو خواب میں آگاہی ہوئی کہ ساسان شاہی نسل سے ہے تو اس نے ساسان کو اعلی عہدہ پر ممتاز کیا اور اپنی بیٹی کو اس کے عقد میں دیدیا - اردشیر اسی رشتہ مناکحت سے پیدا ہوا ' (کار نامک † صفحہ ۳۶ : ۳۸ شاہ نامہ صفحہ ۱۳۶۵) —

(۲) پاپک نے اردشیر کو گود لے لیا' جب وہ ہوشیار ہوا تو اس کی شجاعت و فطانت اور فروسیت کا شہرہ پارتھیا کے آخری

---

* یہ ترجمہ در اصل ایک مجموعۂ مضامین میں چھپا تھا جو پروفیسر نوٹی کو ڈاکٹر کی ڈگری ملنے کی پندرھویں سالگرہ پر ان کے احباب نے اُن کو پیش کیا تھا ' پھر گوٹنجن سے ترجمے کے صفحات جو مجموعے میں ۲۱ سے ۷۹ تک تھے سنہ ۱۸۷۹ع ' میں مستقل رسالہ کی صورت میں شایع کئے گئے -

† ان حوالوں کے لئے دیکھو —

صفحہ ۵ و بعد' کارنامک کا ترجمہ انگریزی حامل المتن مرتبہ " داراب دستور شہرتھی سنجانا " (بمبئی سنہ ۱۸۹۶ع) شاہ نامہ کے اقتباسات بھی اسی کتاب میں بطور ضمیمہ شامل ہیں —

بادشاہ اردوان کے کانوں تک پہنچا - اردوان نے اس کو دارالحکومت رے میں بلا بھیجا اور عزت و احترام کے ساتھہ دربار میں جگہ دی ' ایک دن شکار میں اردشیر نے کوئی اعلی نشانہ سرکیا مگر اس کا مدعی اردوان کا ایک بیٹا بن گیا' اردشیر نے اس کو جھٹلایا تو اردوان کو غصہ آیا اور اُسے ذلت و رسوائی کے ساتھہ شاہی اصطبل میں کام کرنے کو بھیج دیا - (کارنامک صفحہ ۳۸ تا ۴۱؛ شاہنامہ (۱۳۶۲)—

۳- ایک حسین و دانشمند لڑکی نے جو اردوان کی محرم راز تھی ' اردشیر پر ترس کھایا اور دو تیز گھوڑے مہیا کرکے اردشیر کے ساتھہ پارس کا رخ کیا' اردوان بھی ان کے تعاقب میں چلا مگر جب اسکو معلوم ہوا کہ "فرّ یزدانی" ایک نفیس مینڈھے (شاہنامے میں اسے غرّم لکھا ھے) کی شکل میں اردشیر کے ساتھہ گھوڑے پر سوار جارہی ھے تو اس نے تعاقب سے ھات کھینچا اور واپس چلا آیا (کارنامک ۴۱ تا ۴۶ شاہنامہ ۱۳۷۰)—

۴- اردشیر نے پارتھیوں وغیرہ سے جنگ کی اور اردوان کو مع اس کے بیٹے کے شکست دی مگر کردوں کے مقابلے میں خود شکست کھاتا ھے (کارنامک ۴۶ تا ۴۹؛ شاہنامہ ۱۳۷۴)—

۵ - داستان ھفتان بوخت (ھفتواد) اور کرمان کے ھیبت ناک کرم کی سرگزشت جس میں متھرک (مہرک) کی لڑائی بھی شامل ھے (کارنامک ۴۹ تا ۵۷؛ شاھنامہ ۱۳۸۱) —

۶ - اردوان کس طرح اپنی بیٹی کو جو اردشیر کے عقد میں آئی تھی سزائے موت کا حکم دیتا ھے' اور وہ کس طرح موبد اعلی کی (جس کو طبری نے ابرسام لکھا ھے) اعانت سے بچ جاتی ھے-

پھر کس طرح اس لڑکی کے بطن سے شاہ پور (شاہ پُھر یعنی شاہ زادہ) پیدا ہوتا ہے اور کس طرح ارد شیر اس کو پہچان لیتا ہے (کارنامک ۵۷ تا ۶۳: شاہ نامہ ۱۳۹۲) —

۷ — ارد شیر کو جب ہندوستان کے ایک راجہ کیت یا کید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کا تخت یا تو اس کے خاندان میں رہے گا یا اس کے دشمن مہرک کے خاندان میں، تو وہ آخرالذکر کی بیخ کنی کے درپے ہوتا ہے۔ مہرک کی ایک لڑکی جنگ کے مشغلوں سے بچ کر دہقان کے گھر میں پرورش پاتی ہے۔ جب وہ جوان ہوتی ہے تو شاہ پور اس کے دام محبت میں پھنستا ہے، شادی کے بعد "ہرمزد" پیدا ہوتا ہے، مگر شادی اور لڑکے کی پیدائش دونوں کو اپنے باپ ارد شیر سے چھپاتا ہے۔ آخرش "ہرمزد" سات برس کی عمر میں چوگان بازی کے لئے میدان میں اترتا ہے اور اس کی دلیری کے سبب سے اس کا دادا ارد شیر اس کو شناخت کر لیتا ہے (کارنامک ۶۴ تا ۶۸: شاہنامہ ۱۳۹۷) —

جس شخص نے کارنامک اور شاہنامے کے ان اجزا کو پہلو بہ پہلو رکھ کر پڑھا ہوگا وہ اس بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا ہوگا کہ شاہنامے میں کارنامک کا نہ صرف بڑے بڑے واقعات میں کامل طور پر اتباع کیا گیا ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کے نقش قدم پر چلا گیا ہے۔ اسی طرح اگر ہم پہلوی داستان زریر (یات کار زریران - مترجمہ گائگر بزبان جرمن) اور شاہنامے کے بیانات کو مقابلے کر کے دیکھیں تو ہماری اس رائے کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ فردوسی نے نہایت پابندی کے ساتھ اصلی قدیم افسانوں کی اتباع کی ہے۔

محض ایک اتفاقیہ بات ہے کہ ہم اصل کے ذریعے سے ان بیانات
کی تنقیح کرسکتے ہیں ، لیکن جن مقامات کی اصل موجود
نہیں ہے اور تنقیح ہمارے اختیار سے باہر ہے ان کی نسبت ہم
آسانی کے ساتھ فرض کرسکتے ہیں کہ فردوسی نے ان میں بھی
اپنے قلب صداقت شعار کی تعمیل کی ہوگی اور قدیم روایتوں
کو اپنے قلم کی تحریف و تصرف کی ہوا نہ لگنے دی ہوگی ۔
ہمیں طوالت کا خیال ہے اس لئے ہم افسانۂ اردشیر کے صرف
ایک یا دو واقعات کے مقابلے پر بس کرتے ہیں اور پہلے اردشیر
کی پیدایش کا حال لکھتے ہیں —

کارنامک

" اسکندر رومی کی وفات کے بعد ایران
میں ۲۴۰ کتخدا (ملوک طوائف) تھے
ان میں سب سے بڑا شہزادہ " اردوان "
تھا ، جو سپاہان ، پارس اور نواح کے
اضلاع کا مالک تھا ، شہریار پاپک مرزبان
فارس تھا اور اردوان نے اسے مرزبان
مقرر کیا تھا ، اردوان ، استخر میں
رہتا تھا ، اُس کے کوئی بیٹا نہ تھا جو
اس کا نام زندہ رکھتا ، ساسان پاپک کا
شبان تھا اور ہمیشہ اپنے مویشیوں میں
اپنی زندگی بسر کرتا تھا مگر وہ

دارا ابن دارا کی نسل سے تھا ' سکندر*
کے ناپاک عہد میں وطن چھوڑ کر کرد
قوم کے شبانوں میں جا بسا تھا پاپک کو
معلوم نہ تھا کہ ساسان کا تخم دارا + '
دارا سے تھا - ایک رات پاپک نے خواب
میں دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج
چمک رہا ھے ' اور اس سے تمام عالم
روشن ھوگیا ھے ' دوسري شب کو پاپک
نے پھر خواب دیکھا کہ ' ساسان ایک
سفید آراستہ ھاتھی پر سوار ھے اور
کشور کی تمام خلقت اس کے گرد و پیش
جمع ھے ' اُس کو آداب و کورنش کرتی
ھے ' اور ستایش و آفرین کہتی ھے -
تیسری شب اس نے دیکھا کہ تینوں
قسم کی (مقدس آگ یعنی فروباگ ‡
گشسپ اور مِتھر $ ساسان کے مکان میں
شعلوں سے بلند ھورھی ھے اور اس نے
سارے عالم کو منور کردیا ھے یہ دیکھہ کر

---

* پہلوی دشخدائی اسکندریہ —
+ سنجانا ' داراب دارایان —
‡ ذولد یکی فرو با —
$ پہلوی متن میں بوزین متھرا —

پاپک کو بڑی حیرت ہوئی اور اُس
نے داناؤں اور معبروں کو طلب کر کے
تینوں رات جو کچھہ دیکھا تھا ان کو
کہہ سنایا اور اس کی تعبیر پوچھی -
معبروں نے کہا '' یا تو خود وہ شخص
جس کی نسبت تونے خواب دیکھے ہیں
یا اُس کی اولاد میں سے ایک جہاں کی
پادشاہی پائے گا ' کیونکہ خورشید اور
پیل سپید آراستہ چیرگی اور توان
وفیروزی *کی دلیل ہیں' اور آذرفروباگ†
علمائے موبدان کی دین دانائی کا
پتہ دیتی ہے ' اسی طرح آذر گشسپ
پہلوانوں اور سپہبدوں پر اور آذر
برزین مترا' جہاں کے کاشتکاروں اور
برزگیروں پر دلالت کرتی ہے' پس تاج
شاہی یا تو اس شخص کے سر پر رکھا
جائے گا یا اس کی اولاد میں کسی
ایک کے سر پر ''- جب پاپکان یہ تعبیر
سن چکا تو اس نے معبروں کو رخصت
کیا اور ساسان کو طلب کر کے دریافت

---

* متن سنجانا میں واؤ نہیں ہے —
† نولدیکی فروبا —

کیا " تو کس خاندان اور کس نسل سے
ہے ، کیا تیرے باپ داداؤں میں کوئی
حاکم یا بادشاہ ہوا ہے ؟ " - اس پر
ساسان نے زنہار خواہی کی اور کہا کہ
" مجھے گزند و زیاں سے امان ملے " -
پاپک نے اسے منظور کیا ؛ اس پر ساسان
نے سارا بھید کھول دیا ، اور بتاتا ہے
کہ وہ کون ہے - پاپک خوش ہوا اور کہا
" میں • تیرا مرتبہ بڑھاونگا " - پھر
پادشاہ نے خلعت فاخرہ طلب کی اور
ساسان سے کہا اس کو پہن لے ، ساسان
نے اس کی تعمیل کی ، اس کے بعد وہ
چند روز تک پاپک کے حکم سے عمدہ
اور مناسب غذائیں کھاتا رہا ، تاکہ
اس کے بدن میں قوت پیدا ہو پھر
پاپک نے اپنی لڑکی کے ساتھہ اس کی
شادی کردی اور جب وقت آیا تو لڑکی
حاملہ ہوئی اور اس سے ارتخشیر
پیدا ہوا " —

• سنجانا نے متن کو جس طرح پڑھا ہے وہ فارسی میں یوں ہے " تن بہ افزوں کن " یعنے بقول سنجانا اپنے تن کو (نسل سے) بلند کر - شاہ نامہ میں ہے " بہ گرما بہ شو " —

شاھنامہ

(مرتبہ میکن، جلد سوم، صفحہ ۱۳۶۵ تا ۱۳۶۷)

چو دارا بہ رزم اندروں کشتہ شد — جب دارا لڑائی میں مارا گیا تو
ہمہ دودہ را روز برگشتہ شد — تمام خاندان کا نصیبہ پلٹ گیا
پسر بد ورا در یکے شاد کام — دارا کا ایک خوش نصیب بیٹا تھا
خرد مند و جنگی و ساساں نیام — خرد مند تھا اور پہلوان، نام اُس کا ساساں تھا۔
پدر را بہ آں گوشہ چوں کشتہ دید — جب اس نے باپ کو اس طرح
سر بخت ایرانیاں گشتہ دید — مرتے اور ایرانیوں کی قسمت کا ستارہ اس طرح ڈوبتے دیکھا
ازاں لشکر روم بگر یخت روی — تو یونانیوں کے ھاتھ سے
بدام بلا در نیاویخت روے — بچ نکلا اوران کے دام بلا میں
بھندوستان در بزاری بمرد — گرفتار ھوا پھر ھندوستان
زساسان یکی کود کی ماند خورد — پہنچ کہیں مر گیا اور ایک
برین ہم نشان تا چہارم پسر — خورد سال لڑکا چھوڑتا گیا
ھمیں نام ساسانش کردے پدر — اُس کا نام بھی ساسان ھی تھا اور یہ نام چار نسلوں تک باپ سے بیٹے کو پہنچتا رھا
شبانان بدندی دگر ساردان — یہ لوگ شبانی اور
ھمہ سالہ با رنج و کارگران — ساربانی کرتے اور زندگی رنج و محنت سے کاٹتے تھے

چوں کہتر پسر سوی پاپک رسید
بدشت آمد و سرشباں را بدید

اس نسل کا آخر لڑکا جب پاپک کی طرف چلا تو جنگل میں گڈریوں کے سردار کو آملا

بدو گفت مزدورت آید بکار
کہ ایدر گزارد بہ بد روزگار

اور اس سے کہا کیا تجھ کو کسی نوکري کی ضرورت ھے میں موجود ہوں اور یہاں تکلیف کے ساتھہ بھی بسر کرنے کو تیار ہوں

بپذرفت بدبخت را سرشباں
همی داشت با رنج روز و شباں

سرشباں نے اُس کو نوکر رکھہ لیا شبانہ روز اس سے سخت محنت لینے لگا

چو شد کارگر مرد آمد پسند
شباں سرشباں گشت بر گوسپند

آدمی کام کرنے والا ہو تو پسند آتا ہی ھے وہ شباں بکریوں کا سرشباں بن گیا

شبی خفتہ بد بابک رودیاب
چناں دید روشن روانش بخواب

ایک شب کا ذکر ھے کہ بابک سو رہا تھا اور اس کی روشن روح نے خواب میں دیکھا

کہ ساسان بہ پیل ژیاں برنشست
گرفتہ یکے تیغ هندی بہ دست

کہ ساسان ایک فیل مست پر سوار اور اس کے ہاتھہ میں ایک هندی تلوار ھے

هر آنکس کہ آمد بر او در فراز
بر او آفریں کرد و بردش نماز

جو شخص اس کے پاس آتا ھے اس کی تعظیم بجا لاتا ھے اور اس کی صفت و ثنا کرتا ھے

زبان را بخوبی بیارا ستی
دل تیره از غم به پیراستی

ساسان نے اپنی دانائی اور عدل و انصاف سے دنیا کو آراستہ اور غمگین دلوں کو غم سے خالی کردیا ھے

بدیگر شب اندر چوں بابک بخفت
همی بود مغزش به اندیشه جفت

دوسرے دن شب کو جب بابک پھر سونے لگا تو اس کے دل و دماغ پر ایک قسم کی فکر طاری ھوئی

چناں دید در خواب کاتش پرست
سه آتش فروزاں ببردے بدست

اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک دستور تین قسم کی آگ کو ھاتھہ میں لئے جاتا ھے

چو آذر گشسپ و چو خراد و مهر*
فروزاں چو بهرام و ناهید و مهر

یہ آگ آذر گشسپ تھی، خراد تھی اور مہر تھی اور بہرام و ناھید و آفتاب کی مانند روشن تھیں

همه پیش ساساں فروزاں بدی
بهر آتشی عود سوزاں بدی

سب ساسان کے سامنے شعلے اُگل رہی تھیں اور ھر آگ میں عود لکڑی جل رہی تھی

سر بابک از خواب بیدار شد
روان و دلش پر ز تیمار شد

جب بابک نیند سے ھوشیار ھوا تو اس کا دل صدمے سے بیٹھا جاتا تھا

---

* ان تینوں آذرھاے مقدسہ ۳ نسبت نولڈیکی کے ترجمۂ کارنامک میں صفحہ ۳۷ اور نوٹ (۳) دیکھو - فروبا، فرونگ کی بجاے فردوسی نے لفظ خراد استعمال کیا ھے —

کسانی که در خواب دانا بدند
بدان دانش اندر توانا بدند

وہ لوگ جو تعبیر خواب میں مشق رکھتے تھے اور ان امور میں صاحب فہم و ذکا تھے

بایوان بابک شدند انجمن
بزرگان فرزانۂ و رای زن

بابک کے محل میں دانشمند بزرگ اور اهل رائے جمع ہوئے

چو بابک سخن برکشاد از نهفت
همه خواب یکسر بدیشان بگفت

ان لوگوں سے بابک نے دل کی بات کہی یعنے خواب کا ماجرا کہہ سنایا

پر اندیشه شد زان سخن رهنمای
نهاده به و گوش پاسخ سرای

خواب سنتے سنتے یہ لوگ غور میں ڈوب گئے اور ساتھ کے ساتھ جواب بھی سونچتے جاتے تھے

سر انجام گفت ای سرافراز شاه
بتاویل این کرد باید نگاه

آخرکار انہوں نے کہا اے بادشاہ عالیجاہ اب خواب کے معنوں پر متوجہ ہو

کسے را که تو دیدی زینسان بخواب
بشاهی برآرد سر از آفتاب

جس شخص کو تو نے خواب میں دیکھا ہے وہ شاہی تخت پر جلوہ آرا ہوگا

گرایدون که این خواب از و بگذرد
پسر باشدش کز جهان بر خورد

اگر اس کو تاج و تخت نہ ملا تو اس کے بیٹے کو ملے گا

چو بابک شنید این سخن گشت شاد
بر اندازه شان یک بیک هدیه داد

جب بابک نے یہ سنا تو بہت خوش ہوا اور ہر ایک کو انعام دے کر رخصت کیا

بفرمود تا سر شباں از رمہ
بر بابک آمد بروز دمہ

پھر بابک نے حکم دیا کہ سر شباں کو گلے سے لاؤ گڈریہ موسم کی تکلیف اٹھاتا ہوا حاضر ہوا

بیامد دمان پیش او با گلیم
پر از برف پشمین* و دل پر ز بیم

وہ دوڑتا ہوا شاہ کے حضور میں اس طرح آیا کہ اس کی اونی گدڑی برف سے اور دل خوف سے بھرا ہوا تھا

بپرداخت بابک ز بیگانہ جاے
بدر شد پرستندہ و رہنماے

بادشاہ نے اجنبی لوگوں سے دربار کو خالی کیا اسی طرح جاں نثار اور مشیروں میں سے کوئی نہ رہا

ز ساساں بپرسید و بنواختش
بر خویش نزدیک بنشاختش

ساسان کا حال پوچھا اور اسے نوازا اور اس کو اپنے پاس بٹھایا

بپرسیدش از گوہر و از نژاد
شباں زو بترسید و پاسخ نداد

اس سے پوچھا کہ تیری اصل و نسل کیا ہے گڈریہ سہم گیا اور اس نے کچھ جواب نہ دیا

ازاں پس بدو گفت کہ اے شہریار
شباں را بجاں گر دہی زینہار

اس کے بعد اس نے کہا کہ اے بادشاہ اگر تو میری جان بخشی کرے

---

* نولڈیکی (ترجمہ کارنامک، صفحہ ۲۶) نے اس کو خوش بیانی کی ایک خاص مثال قرار دیا ہے - اور لکھا ہے کہ فردوسی نے پہلوی اصل کے مختصر اور خشک بیان میں ان الفاظ سے رنگیلی اور جان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے —

بگویم ز گوهر همه هرچه هست چو دستم به پیماں بگیری * بدست	تو میں تجھه کو سارا حال سناؤں گا مگر شرط بھی ھے کہ تو مرا ھاتھه اپنے ھاتھه میں لے اور پختہ وعدہ کرے
که بامن نه سازي بدي در جهاں نه در آشکار و نه اندر نهاں	کہ تو میرے ساتھه کبھی کوئی برائی نہ کرے گا نہ علانیہ اور نہ در پردہ
چوں بشنید بابک زباں بر کشاد ز یزداں نیکی دهش کرد یاد	بابک نے یہ سنا تو خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا
که بر تو نسازم بچیزے گزند بدارمت شاداں دل و ارجمند	کہ میں تجھه کو ذرہ برابر گزند نہ پھونچاؤں گا اور تجھه کو ھمیشہ خوش و خرم رکھوں گا
وبابک چنیں گفت ازاں پس جواں که من پور ساسانم اے پهلواں	اس کے بعد اس نوجوان نے بابک سے کہا کہ میں ساسان کی اولاد سے ھوں
نبیره جهاندار شاه اردشیر که بهمنش خوانندی همی یادگیر	جہاں کے بادشاہ اردشیر کا پوتا ھوں رھی اردشیر جس کا دوسرا نام بہمن تھا

---

* ساسانیوں کے شجرہ نسب کا " محافظ زرتشت اور اول " حامی و معین مذھب زرتشت " شاہ گشتاسب (وشتاسپ) تک پتہ لگانا مقاصد تصنیف کا ایک رکن ھے - اس خاندان کے افراد کو قدیم ایرانی بادشاھوں کے جایز اور بلا واسطہ جانشین " بہ دین " کا " ارثاً " ناصر و معین قرار دینا اس کا مطمح نظر ھے —

سر افراز پور یل اسفندیار
ز گشتاسپ* اندر جهاں یادگار

اور پہلوان اسفندیار کی نسل سے تھا جو خود گشتاسپ کی یادگار تھا

چو بشنید بابک فرو ریخت آب
ازاں چشم روشن کدار دیدہ خواب

بابک نے یہ سنا تو اس کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے جس نے خواب دیکھا تھا

بیاورد پس جامۂ پہلوی
یکے اسپ با آلتے خسروی

اس کے بعد بابک ایک شاہی لباس نکال لایا اور ایک گھوڑا بھی جس پر شاہی زین تھا آیا

بدو گفت بابک بہ گرما بہ شو
ھمی باش تا خلعت آرند نو

گذریے کو حکم دیا کہ وہ حمام میں جاے اور لباس آنے تک وھیں رھے

یکے کاخ پرمایہ او را بساخت
ازاں سر شبانی سرش برفراخت

پھر اس کے لئے ایک بڑا محل تیار کوایا اور سر شبانی سے اس کو بلند مرتبہ پر پھونچایا

چو اورا بداں کاخ در جاے کرد
غلام و پرستندہ بر پاے کرد

جب شاہ نے ساسان کو محل میں پھونچایا دیا تو وھاں غلام اور نوکروں کو مقرر کیا

بہر آلتی سرفرازیش داد
ھمہ ازخراستہ بی نیازیش داد

اس کو ھر قسم کا سامان مہیا کیا اور مال و زر سے بے نیاز کردیا

---

† پہماں پدست گیری ''کی نسبت دیکھو دیندیداد' فرد گرد چہارم' پنجم - ۲ (دارم شتشتر کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ ایس - بی - اي کی جلد اول صفحہ ۳۵ پر)

بدو داد پس دختر خویش را — سب سے آخر میں اسے اپنی لڑکی
پسندیدہ وافر خویش را — دی جو اس کے لئے سرمایہ ناز تھی

چون نو ماہ بگذشت ازین خوب چہر — جب اس مہتاب رخ کو نو مہینے
یکی کودک آمد چو تابندہ مہر — گزر گئے تو آفتاب کے مثل ایک لڑکا پیدا ہوا

بمانندۂ نامدار اردشیر — جو اردشیر نامدار کا ہم شکل تھا
فزایندہ و فرخ و دل پذیر — فرخ و دل پذیر اور ترقی کرنے والا

ہماں اردشیرش پدر کرد نام — باپ نے اس کا نام اردشیر رکھا
کہ باشد بدیدار او شاد کام — تا کہ اس کو دیکھہ کر خوش ہوا کرے

دوسرا قصہ جو ہم نقل کرنا چاہتے ہیں وہ اردشیر کی فراری کی بابت ہوگا جب کہ وہ اردوان کے دربار بمقام رے سے پارس چلا گیا ' اس کے ساتھہ وہ خوب صورت اور عقیل لڑکی بھی تھی جو فردوسی کے اشعار میں گلنار کے نام سے مذکور ہوئی ہے اور جو اب تک اردوان کے مشیر و صلاح کار کی حیثیت رکھتی تھی لیکن اب اردشیر کی محبت سے مغلوب ہوکر اس کی شریک قسمت ہوگئی تھی —

کارنامک *

" اردوان فوراً چار هزار آدمیوں کو مسلح کر کے ارتخشیر کے تعاقب میں پارس کی سڑک پر چلا ' دوپہر کو وہ ایک مقام پر آیا جہاں سے پارس کو سیدھی سڑک جاتی تھی اور وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا " وہ دو سوار جو اس جانب کا رخ کئے ہوے تھے یہاں سے کس وقت گزرے ؟ " - لوگوں نے جواب دیا " صبح سویرے جب کہ آفتاب طلوع ہوا ' وہ ارتائی † ہوا کی مانند اُڑے ہوے جارہے تھے اور اُن کے پیچھے ایک بہت بڑا منیڈھا بھی دوڑ رہا تھا ' جو اس قدر خوبصورت تھا کہ اس سے بہتر ملنا ناممکن ہے - اب تک تو وہ کئی فرسنگ نکل چکے ہیں اور تمھارے ہاتھ نہیں آسکتے " - پس اردوان وہاں نہیں ٹھیرا اور آگے چل کھڑا ہوا ' جب وہ ایک اور مقام پر پہنچا تو وہاں بھی لوگوں سے پوچھا " وہ دونوں سوار یہاں سے کب گزرے ؟ " - انھوں نے جواب دیا ' آج دوپہر کو '

---

* سنجانا صفحہ ۱۹ وبر نولڈیکی صفحہ ۴۴ وبعد مطابق میں ترجمہ نولڈیکی وسنجانا —

† نولڈیکی (ترجمہ کارنامک صفحہ ۴۴ نوٹ) کہتا ہے کہ کارنامک کے دو نسخوں میں اس 'ہوا ' کو ارتائی اور متن میں ارتاک لکھا ہے ؛ لیکن اس کے معنی معلوم نہیں ہوسکے ' بقول سنجانا ترجمہ کارنامک صفحہ ۱۹ نوٹ ۴ اردابی پڑھنا چاہئے (یعنی لڑنے والی کش مکش کرنے والی) جو فارسی کلمۂ ' اردب ' بمعنی جنگ وجدل کے مطابق ہے —

ان کی رفتار ارتائی ہوا کی مانند تیز تھی اور ان کے پیچھے پیچھے ایک مینڈھا بھی اُڑا جا رہا تھا ' اردوان کو بڑا تعجب ہوا اور وہ بولا " ذرا سوچو * سواروں کو تو ہم جانتے ہیں لیکن ان کے ساتھہ یہ مینڈھا کیسا ہے ؟ " - پھر اُس نے دستور سے دریافت کیا ' اس نے جواب دیا " مینڈھا † شاہی جلال (خرّہ خدائیہ) ہے وہ ابھی سواروں تک نہیں پہنچا ہے اب ہمیں جلدی کرنا چاہئے' ممکن ہے ‡ کہ مینڈھے سے قبل ہم ان کو پکڑلیں - اردوان اور اس کے ساتھیوں نے نہایت تیز رفتاری سے آگے کا رخ کیا ' دوسرے دن انھوں نے ۷۰ فرسنگ طے کر لئے ' پھر انھیں ایک قافلہ ملا ' اردوان نے اهل قافلہ سے سوال کیا " وہ دو سوار تمھیں کس جگہ ملے تھے ؟ " - وہ بولے "تمھارے اور اُن کے درمیان ہنوز ۲۰ فرسنگ کا فاصلہ اور ہے ' ہم نے دیکھا ہے کہ ان دو سواروں میں سے ایک کے ساتھہ ایک کلاں و چابک مینڈھا بھی گھوڑے پر سوار تھا " - اردوان نے

---

* متن فارسی میں یوں ہے : - انگار کہ اسوار دوگانہ را دانیم —

† سنجانا - (ترجمہ انگریزی صفحہ ۱۶ نوٹ ۷) پہلی لفظ کولوک فارسی لوہ (یعنی عقاب) پڑھتا ہے اور نولڈیکی ' برک ' فارسی برہ - فردوسی اس کو غرم کہتاہے جس کی نسبت لغات الفرس اسدی (مرتبہ هارن ' صفحہ ۹۳) پر ہے " میش کوهی بود " معیار جمالی میں بھی اسی طرح - مگر فردوسی اس کی نسبت برابر کہتا ہے کہ وہ سیمرغ بال اور طاوس دم تھا اور سرو گوش و سم اس کے رخش کی طرح ہیں —

‡ سنجانا ' تاکہ ' بجائے ' ممکن ہے ' —

دستور سے پوچھا " اس مینڈھے سے جو اردشیر کے پہلو میں
گھوڑے پر ھے کیا مراد ھے ؟ " ۔ اس نے جواب دیا " اے † بادشاہ
تو ھمیشہ زندہ رھے۔ شاھی جلال (یعنے خرّک کیان = فردوسی -
فرکیانی : اوستا میں کویم هورینو) ارتخشیر کے پاس
جا پہنچا ، اب هم اس کو کسی [ایسے] طریق سے اسیر نہیں
کر سکتے ، لہذا اب تم نہ اپنے آپ کو تھکاؤ اور نہ اپنے سواروں
کو تھکاؤ ، گھوڑوں کو بھی زیادہ نہ تھکانا چاھئے ایسا نہ هو کہ
وہ تھک کر مر جائیں؛ ارتخشیر کو کسی اور ترکیب سے قابو میں
کرنے کی فکر کرو " - جب اردوان نے یہ سنا تو وہ پلٹا اور اپنے
جاے گاہ میں واپس آیا —

شاہ نامہ

(صفحہ ۷۲۵)

هم انگاہ شد شاہ را دل پذیر اب تو بادشاہ کو یقین آگیا کہ
کہ گنجور او رفت با اردشیر اس کی خزانہ دار (کنیز) بھی
اردشیر کے ساتھہ چلدی

دل مرد جنگی برآمد ز جای' وہ طیش میں بھر آیا اور فوراً
بباﻻی بور اندر آورد پای ' گھوڑے پر سوار هوا

سواران جنگی فراوان ببرد اپنی کثیر جنگ آزما سپاہ کو
توگفتی همی پارہ آتش سپرد ساتھہ ﻻیا اور آگ کی طرح
روانہ هو گیا

---

† پہلوي ' انوشک بیزی —

برہ بریکی نامور دید جائی — راستے میں اس کو ایک
بسی اندر او مردم و چار پائی — بستی ملی جہاں بے شمار
آدمی اور مویشی تھے

بپرسید از ایشان کہ شبگیر ہور — اس نے اہل قریہ سے پوچھا کہ
شنید ایچ کس بانگ نعل ستور — صبح کے وقت کسی نے ٹاپوں
کی آواز سنی تھی

دو تن بر گزشتند پویان براہ — یاکسی نے دو سواروں کو جاتے
یکی بارہ خنگ ودیگر سیاہ — ہوے دیکھا ایک سفید اور
دوسرا سیاہ گھوڑے پر سوار
تھا ایک شخص بولا کہ ہاں

یکی گفت کہ ایدر برہ بر گزشت — اس راستے سے دو سوار آئے
دوتن بردہ و اسپ اندر آمد بدشت — اور میدان کی جانب چلے گئے
سواروں کے پیچھے پیچھے

بدم سواران یکی غرم پاک — ایک نورانی مینڈھا بھی تھا
چو اسپی ہمی بر پر اگند خاک — جو گھوڑوں کی طرح خاک
اڑاتا ہوا جا رہا تھا

بدستور گفت آن زمان اردوان — اردوان نے دستور سے پوچھا
کہ ایں غرم یاری چرا شد رواں — کہ یہ مینڈھا ان کے پیچھے
کیوں بھاگ رہا ہے

چنین داد پاسخ کہ ایں فر اوست — انھوں نے جواب میں کہا کہ
بشاہی زنیک اختری بر اوست — وہ فر کیانی ہے اپنے اقبال سے
اردشیر کو بادشاہ بنا ے گی۔

گزین غرم دریابد اورا بتاز
اگر اس مینڈھے نے اردشیر کو

همه کار گردد بما بر دراز
پکڑ لیا تو ہمارے کر و فر سب خاک میں مل جائینگے

فرود آمد آن جایگاه اردوان
اردوان اس مقام پر اُتر پڑا

بخورد و بر آسود و آمد دوان
کچھ کھایا کچھ آرام لیا اور پھر روانہ ہو گیا

همی تاختند از پس اردشیر
یہ لوگ اردشیر کے تعاقب میں

به پیش اندرون اردوان با وزیر
برابر گھوڑے دوڑاتے رہے اردوان وزیر کے ساتھ آگے آگے تھا

[پندرہ اشعار (۱۰ تا ۲۴) محذوف کردیئے گئے]

بدانگه که بگذشت نیمی ز روز
جب آدھا دن ڈھل گیا اور آفتاب

فلک را به پیمود گیتی فروز
نصف النہار پر پہنچا

یکی شارسان دید با رنگ و بوی
تو شاہ کو ایک اور گلزار آبادی

بسی مردم آمد به نزدیک اوی
نظر پڑی وہاں کے لوگ اس کے نزدیک جمع ہوگئے

چنین گفت با موبدان نامدار
بادشاہ نے وہاں کے موبدوں سے

که کی بر گذشتند آن دو سوار
سوال کیا کہ دو سوار اس طرف سے کس طرح گزرے تھے

چنین داد پاسخ بدو رهنما
انھوں نے......... کہا .... کہ

که ای شاه نیک اختر و پاک را
اے خوش نصیب وفہمیدہ سلطان

بدانگه که خورشید برگشت زرد
جب آفتاب غروب ہونے لگا اور

بگسترد شب چادر لاجورد
شب نے اپنی تاریک چادر پھیلائی

برین شهر بگذشت پویان دوتن	تو دو سوار یہاں سے سرپٹ گزرے
پر از گرد و بی آب گشته دهن	ان کا بدن خاک آلود اور ان کا دهن خشک تها
یکی غرم بود از پس یک سوار	ان میں سے ایک سوار کے پیچهے
که چون او ندیدم بایوان نگار	ایک مینڈها سوار تها که محلوں کے نقش و نگار بهی ویسے خوب صورت نہیں هوتے
چنین گفت با اردوان که خدائی	اردوان کے صلاح کار نے اس سے
کزاید ر مگر باز گردی بجای	کہا اب یہاں سے واپس لوٹ جانا چاهئے
سپه سازی و ساز جنگ آوری	اور لڑائی کا سامان کرنا چاهئے
که اکنون دگر گونه شد داوری	کیونکه اب حالات کا رخ بدل گیا هے
که بخت ش پس پشت او در نشست	ارتخشیر کا نصیب بلند اس کے
ازین تاختن یاد باشد بدست	ساتهه اس کی پشت پر هے پس همارى کد و کاوش بے سود هوگی
یکی نامه بنویس نزد پسر	اپنے پسر کو ایک خط لکها اور
بنامه بگو این سخن در بدر	اس میں اس واقعه کا تمام وکمال حال قلمبند کر
نشانی مگر یابد از اردشیر	ممکن هے که تیرا بیٹا ارتخشیر
نباید * که او دو شد غرم شیر	کا پته چلاے لیکن وه مینڈهے کا دوده نه پینے پاے اور هاتهه آجاے

---

*نبایدکه گردون همان غرم شہر (کارنامک مرتبه سنجانا - اقتباسات شاهنامه صفحه ۹) —

چو بشنید زو اردوان این سخن   اردوان نے جو یہ مشورہ سنا تو
بدانست کان کار او شد کہن   اس کو یقین ہوگیا کہ مرے ایام گردش میں آگئے

ہمان شارسان اندر آمد فرود   پھر اردوان اُسی آبادی میں
ہمی داد نیکی دہش را درود   اُتر پڑا اور خدا کے سامنے گڑ گڑایا

چو شب روز شد بامداد پگاہ   جب شب تمام ہوئی اور دن نکلا
بفرمود تا باز گردد سپاہ   تو اس نے سپاہ سے کہا کہ وہ واپس ہو جاے

بیامد او رخسارہ ہمرنگ نی   وہ خود بھی اپنے افسردہ چہرہ
چو شب تیرہ گشت آندر آمد بہ ري   کے ساتھ شب تک شہر رے میں پہنچ گیا

داستان ہفتان بوخت ہفتواد اور سر گزشت کرم کرمان اس قدر دلچسپ ہے کہ قلم انداز نہیں کیا جاسکتا ' تاہم طوالت کے خیال سے ہم اس کے وہ اجزا نقل کرتے ہیں جن میں اس خطرناک جانور کي ہلاکت کا ذکر ہے ' اس کرم کا شہر کرمان سے تعلق لفظی اشتقاق عامیانہ پر نہیں ہے ' مگر اس سے یہ نکتہ حل ہوجاتا ہے کہ بعض لوگ جو کرمان کو بافتح کاف (کَرمان) لکھتے ہیں ایسے ہجے کو استعمال کرتے ہیں جو کم سے کم گزشتہ دو صدیوں میں ایرانیوں نے کبھی استعمال نہیں کیا' اس سے پہلے خواہ اس کی صورت کچھہ ہو' اس قسم کا حسن لفظی بوستان سعدی میں بھی وارد ہوا ہے (مرتبہ گراف صفحہ ۸۷ سطر ۵۳۵) " ہفتان بوخت " (ساتوں نے بچا لیا) پر نولدیکی نے نہایت

پر لطف نوٹ لکھا ھے (ترجمہ کارنامک صفحہ ۴۹ حاشیہ ۴) جس میں اس نے بتایا ھے کہ لفظ " بوخت " (بچالیا) سے بہت نام مرکب ھوے ھیں، خصوصاً عیسا ئیوں کے مثلاً " مارا بوخت " خدا نے* بچالیا - " یشوع بوخت یا بوخت دشوع" عیسی نے بچالیا؛ زرتشتیوں میں" سہ بوخت " تین † نے (یعنے نیک خیالات ، نیک اقوال اور نیک اعمال) بچا لیا؛ " چہار بوخت" چار نے بچالیا کہتے ھیں ' اس کے بعد نولدیکی لکھتا ھے کہ " ھفت " اردشیر کے مد مقابل کے نام میں سات سیاروں کے لئے آیا ھے جو اھرمن ناپاک کی تخلیق سے ھیں، پس یہ نام ایسے وجود کے لئے بے حد موزوں ھے جو دوزخ کی قوتوں اور شیاطین کے سحر پر مدار رکھتا ھو ' فردوسی نے شاید ضرورت بحر سے اس کو " ھفتواد " (شاھنامے کی فرھنگوں میں اس کے معنی " سات بیٹوں والا " درج ھے ‡) بنا لیا اور یہ صورت ھفتان بوحت کے درمیانی تین حروف یعنے ا ن ب کو خارج کر نے سے حاصل ھوتی ھے کیونکہ آخری تین حرفوں (وخت) کو پہلوی رسم الخط میں اوخت بھی پڑھ سکتے ھیں اور وات بھی $ —

---

* مار سبختدم (سریانی) —

† ھومت ' ھوخت ' ھورشت —

‡ (کارنامک صفحہ ۵۱ سنجانا صفحہ ۲۷) میں بھی یہ لکھا ھے کہ اس کے سات بیٹے تھے—

$مگر ڈارم شٹیٹر نولدیکی کے اس گہرے خیال کو رد کرتا ھے، دیکھو " ایرانی علوم " جلد دوم صفحہ ۸۲ اور ۸۳ —

پھر اُس نے لوگوں کو کرم کے مقابلے میں بھیجا ' بُرجک اور بُرجا تُر کو اپنے رو برو بلایا اور ان سے صلاح و مشورہ کیا، پھر انھوں نے بہت سے چاندی سونے کے سکے اور کپڑے لئے، خود ارتخشیر نے خراسانیوں کا سا لباس پہن لیا اور برجک اور برجا تر کو لیکر قلعہ* گلار کے دامن میں جا پہنچا اور کہا "میں خراسان کا باشندہ ہوں اپنے خداوندان + عالی مرتبہ کی اس مہربانی کا خواستگار ہوں کہ مجھہ کو اس بارگاہ کی پرستش کی اجازت دی جاے" بت پرستوں نے ارتخشیر کو مع اس کے دو ساتھیوں کے قلعہ میں داخل کر لیا اور خانۂ کرم میں ان کو جگہ دی ' تین دن تک ارتخشیر نے اداے عبادت اور خدمت کرم میں نہایت سرگرمی دکھائی خدام کو چاندی سونے کے سکے اور کپڑے دئے ' ان چیزوں کو دیکھہ کر ساکنان قلعہ حیران رہ گئے اور سب نے ارتخشیر کو آفریں کہی، آخر اردشیر نے کہا کہ " میری آرزو ہے کہ مجھے تین دن تک کرم کو اپنے ہاتھہ سے خورش دینے کی اجازت دی جائے" خدام اور ملازم سب نے اس کی اجازت دے دی - پھر اردشیر نے سب کو رخصت کردیا اور اپنی

---

* یہ عبارت پروفیسر براون نے کسی وجہ سے حذف کردی ہے —

+ صنم‌ها نا میں واحد ہے

فوج کے چار سو هنرمند اور جانسپار والا گوهر جوانوں کو حکم دیا کہ وہ قلعہ کے سامنے پہاڑ کی ایک جھوت میں چھپ کر بیٹھہ جائیں اور فرمایا کہ " آسمان * کے دن اگر تم قلعہ کرم سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھو تو مردانگی اور هنرمندی دکھانا اور دامن قلعے میں آ کھڑے ہونا " - اس دن ارتخشیر نے پگلا ہوا پیتل + خود اٹھایا اور برجک و برجا تر نے خدا کی حمد و ثنا ‡ کہی - پھر جب کرم کی خورش کا وقت آیا تو وہ روز کی طرح چلایا - ارتخشیر نے کرم کے خادم اور دربانوں کو پہلے ہی سے کھانے کے وقت شراب پلا کر مست و بے ہوش کر دیا تھا ' پھر اردشیر خود نوکروں کے ساتھہ کرم کے پاس گیا اور همراہ کرم کا راتب یعنے بیل اور بھیڑوں کا خون جس طرح اس کو روز دیتا تھا اس کے پاس لے گیا ' لیکن جونہی کرم نے خون پینے کو اپنا منہ کھولا اردشیر نے پگلا ہوا تانبا اس کے منہ میں الت دیا اور جب یہ جسم کے اندر پہنچا تو کرم پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور اس سے اتنا شور ہوا کہ قلعے کے سب آدمی اُس

---

* مہینے کی ستائیسویں —

+ پہلوی روتی - پروفیسر براون اس کا ترجمہ کہیں پیتل کر رہے ہیں کہیں تانبا - اس لفظ پر دیکھو سنجانا کا نوت ۱۱ صفحہ ' ۳۳ کار نامک) —

‡ پہلوی مطابق " فارسی " نیرشلی و ازمایشنی یزدان نواز کردند —

جانب دوڑے اور سارے قلعے میں آشوب بپا ہو گیا، اردشیر نے شمشیر و سپر سنبھالی اور قلعے کے بہت لوگوں کو زخمی اور قتل کیا - پھر اس نے حکم دیا کہ " آگ روشن کرو تاکہ اس کا دھواں دلاوران غار کو نظر آ جائے، نوکروں نے اس کی تعمیل کی اور جس وقت ان بہادروں نے قلعہ سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھا تو وہ تیزی کے ساتھ اردشیر کی مدد کو قلعے کے دامن میں آئے اور یہ نعرہ مارتے ہوئے زبردستی اندر گھس گئے کہ " پیروز پیروز باد ارتخشیر، شاہ شاہان، پاپکانی —

شاہ نامہ

(۷۳۲)

وزان جایگہ * شد سوئے جنگ کرم وہاں سے کرم کے ساتھ
سپاہش ہمہ کردہ آہنگ کرم لڑنے کے لئے چلا ادھر کو
چلی فوج بھی

بیاورد لشکر دہ و دو ہزار بارہ ہزار فوج اس
جہاندیدہ و کار کردہ سوار جہاندیدہ و کار کردہ
نے جمع کی

---

* اقتباسات شاہنامہ ملحق بہ کارنامک مرتبہ سنجانا صفحہ ۳۲ —

پراگندہ لشکر چو شد هم گروہ بکھری هوئی فوج جب اکٹھی
بیاورد شان تا میان دو کوہ هو گئی تو وہ اس کو دو
پہاڑوں کے درمیان میں لے آیا

یکے مرد بد نام او شهر گیر فوج میں شهر گیر نام کا
خرد مند و سالار شاہ اردشیر ایک خردمند سپہ سالار تھا
چنیں گفت بس شاہ با پہلوان بادشاہ نے اس پہلوان سے کہا
که ایدر همی باش روشن روان که اے فرزانه فوج کو یہاں
روک کر

شب و روز کردہ طلایه بپائی دن رات کا پہرہ قائم کردے
سواران با دانش و رهنمائی اور اس کام کے لئے هوشیار
سواروں کو چن

هماں دیدہ‌بان دار وهم پاسبان دیدہ‌بان اور پاسباں الگ هوں
نگهدار لشکر بروز و شبان اور لشکر هر طرح سے
محفوظ رهے

من اکنون بسازم یکے کیمیا میں ایک حکمت عملی
چو اسفندیار آنکه بودم نیا * سوچتا هوں اور اپنے بزرگ
اسفندیار کی طرح ترکیب
سے کام نکالتا هوں

---

* اس شعر میں تسخیر روئین وژ کی طرف اشارہ هے جس
میں اسفندیار سوداگر کا بھیس بدل کر داخل هو گیا تھا - دیکھو
شاهنامه مرتبه میکن جلد سوم صفحه ۱۱۴۳ وغیرہ—

اگر دیدہ بان دود بیند بروز شب آتش چو خورشید گیتی فروز	اگر پہرہ والے دن کے وقت دھواں دیکھیں یا شب کو آگ مثل سورج کے روشن کرنے والی
بدانید کامد بسر کار بکرم گزشت اختر و روز بازار کرم	تو جان لینا کہ کرم کا کام تمام ہوا، اس کا ستارہ تاریکی میں آگیا اور زور شور جاتا رہا
گزین کرد ازان مہتران ہفت مرد دلیران و شیران روز نبرد	پھر فوج میں سے اس نے سات آدمی چنے جو مثل شیروں کے دلیر تھے —
ہم آنکس کہ بودے ہم آواز اوئی نگفتے بباد ہوا راز اوئی	جتنے بھی اس کے صلاح کار اور مشیر تھے وہ ہوا کو بھی راز کی خبر نہیں ہونے دیتے تھے
بسے گوہر از گنج بگزید نیز ز دیبا و دینار و ہر گونہ چیز	پھر خزانے سے اس نے بہت سے گوہر، ریشمی کپڑے، دینار اور ہر قسم کی چیز لی
بچشم خرد چیز ناچیز کرد دو صندوق پر سرب و ارزیز کرد	ہر شے کو ناچیز سمجھ کر بھرلیا اور دو صندوق سیسے اور قلعی سے بھرے
یکے دیگ روئین ببار اندرون کہ استاد بود او بکار اندروں	اپنے سامان میں اس نے ایک پیتل کی دیگ بھی رکھی کیونکہ وہ ہر کام میں استاد تھا
چو از بردنی کارہا کرد راست ز سالار آخور خر دہ بخواست	لینے کی چیزیں جب وہ لے چکا تو پھر آخور سے دس خر طلب کئے

چو خر بندها جامهاے گلیم
بپوشید و بارش همه زر و سیم

گدھوں پر گدھوں کے بورے تھے مگر بوروں میں سامان تھا زر و سیم کا

همیشه خلیده دل و راه جوے
ز لشکر سوے وژ نهادند روے

اب سوچتے سمجھتے لشکر سے قلعے کی طرف چلے

همان روستائی دو مرد جوان
که بودند روزے ورا میزبان

اس نے ان موجودہ جواں مردوں کو جنھوں نے اس کو ایک موقع پر پناہ دی تھی

ازان انجمن برد با خویشتن
که همدوست بودند وهم راے زن

همراهیوں میں سے چھانٹا کیونکہ وہ دوست بھی تھے اور صلاح کار بھی

چو از راه نزدیک آن وژ شدند
ببردند بر کوه و دم بر زدند

جب یہ لوگ قلعے کے قریب پہنچے تو پہاڑی پر چڑھ کر ذرا سستانے لگے

پرستنده کرم بد شصت مرد
نه پرداختے یک تن از کار کرد

کرم کی خدمت پر ۶۰ آدمی مامور تھے اور ہر وقت اس کے پاس حاضر رہتے تھے

نگه کرد یک تن بآواز گفت
که صندوق را چیست اندر نهفت

ان میں سے ایک آدمی نے اردشیر کی جماعت کو دیکھا اور پوچھا کہ صندوق میں کیا ہے

چنیں داد پاسخ بدو شهر یار
که هر گونهٔ چیز دارم ببار

اردشیر نے یہ جواب دیا کہ مرے ساتھ ہر شے لدی ہوئی ہے

ز پیرایه و جامه و سیم و زر	لباس، کپڑے، سونا، چاندی،
ز دیبا و دینار و خز و گہر	ریشم، جواھرات اور جامۂ زرنگار
بیا زار گانے خراسا نیم	میں خراسانی تاجر ھوں راحت
برنج اندرون بد* تن آسانیم	کو رنج سے بدلنے کے لئے نکلا ھوں
بسے خواستہ دارم از بخت کرم	کرم کے کرم سے بے شمار مال و
کنون آمدم شاد تا تخت کرم	دولت کا مالک ھوں اس وقت میں خوشی کے ساتھہ اس کے حضور میں آیا ھوں
اگر بر پرستش فدایم رواست	اگر میں اس کی خدمت کروں
کہ از بخت وے کار ماگشت راست	تو مجھہ کو زیبا ھے کیونکہ اس کی برکت سے میرا ستارۂ بخت چمکا ھے
پرستندۂ کرم بشنید راز	جب کرم کے محافظوں نے یہ
هم انگہ در وژ کشادند باز	عجیب بات سنی تو اسی وقت قلعہ کے دروازے کھول دیے
چون آن بارها راند اندر حصار	اور جب سامان قلعے کے اندر
بیاراست کار آن شہ نامدار	پہنچ گیا تو ارد شیر نے اپنا کام شروع کیا
سر بار بکشاد زود اردشیر	تھیلیوں کو جلد جلد کھول کر
بہ بخشید چیزے کہ بد ناگزیر	جس شخص کو جو چیز مطلوب تھی دی

---

* (ن) بہ (سلجھانا)

یکے سفرہ پیش پرستندگان بگسترد و برخاست چون بندگان	پھر اس نے محافظوں کے سامنے کھانا چنا اور خود مثل نوکروں کے کھڑا ہوگیا
ز صندوق بکشاد بند کلید برآورد و پر کرد جام نبید	اس کے بعد اس نے قفلوں کو کھولا اور شراب سے جام بھرے
هرانکس کہ زی کرم بردے خورش ز شیرو برنج انچه به پرورش	لیکن هر اُس شخص نے جو کرم کی غذا مثلاً شیرو برنج کرم کے پاس لیجاتا تھا
به پیچید گردن ز جام نبید که نوبت بدش جاے مستی بدید	شراب کی طرف سے اپنا منہ موڑ لیا مبادا وہ بدمست ہوکر اپنے فرض سے نہ چوک جاے
چو بنشست برپاے جست اردشیر که بامن فراوان برنج است وشیر	اس پر اردشیر اپنی جگہ سے تڑپ کر اُٹھا اور کہا کہ میرے پاس برنج و شیر بہتیرا ہے
بدستوری سر پرستان سہ روز مر اورا بخوردم منم دلفروز	میں درخواست کرتا ہوں کہ تین روز تک مجھہ هی کو اجازت هو کہ میں کرم کو کھانا کھلا کر اپنا دل خوش کروں
مگر من شوم درجهان شهرۂ مرا باشد از اخترش بهرۂ	اور اس طرح سے ایک عالم میں نام پیدا کروں اور کرم کی برکت سے مزید سعادت حاصل کروں

شها سی گساریده خرم سه روز	تم لوگ مزے سے تین دن شراب
چهارم چو خورشید گیتی فروز	پیو اور چوتھے روز طلوع آفتاب پر
برآید یکی کلبه سازم فراخ	میں ایک کشادہ قیام گاہ اپنے
سر طاق برتر ز دیوار کاخ	واسطے بنا لونگا جو محل کی
	چوٹی سے زیادہ رفیع ہوگی
فروشندہ ام هم خریدار جوئی	میں سوداگر تو ہوں لیکن
فزاید مرا نزد کرم آبروئی	مجھے خدمت کا بھی شوق ہے
	اس سے کرم کی نظروں میں
	میری آبرو بڑھ جائیگی
برآمد همه کام وی زین سخن	ایسی چکنی چپڑی باتوں نے
بگفتند کورا پرستش توکن	ان لوگوں پر اثر کیا اور وہ
	راضی ہوگئے کہ تم ہی کرم کی
	خدمت کرو
براور فربندہ هر گونه رنگ	اب اردشیر اپنے مقصد کے لئے
پرستندہ بنشست با سے بچنگ	طرح طرح کے کام کرنے لگا اور
	کرم کے محافظ عیش و نشاط میں
	مصروف ہوگئے
به خوردند چیزی و مستان شدند	انھوں نے شراب پی ہی تھی
پرستندگان مے پرستان شدند	کہ محافظوں سے مے خوار بن گئے
چو از جام مے مست شان شد روان	جب وہ لوگ نشے میں بالکل
بیامد جهاندار با میز بان	چور ہوگئے تو اردشیر اپنے
	ساتھیوں کے ساتھ آیا

بیاورد ارزیز و روئیں کوید
بر افروخت آتش بروز سفید
چون آن کرم را بود گاهے خورش
ز ارزیز جوشاں بُدش پرورش

قلعی لایا اور پیتل کی دیگ پھر اس نے دن کے وقت آگ جلائی کرم کے کھانا کھانے کا وقت آیا تو اس کے لئے کھولتی ہوئی قلعی تیار ہوئی

سوے کندہ آورد ارزیز گرم
سراز کندہ برخاست ان کرم نرم

اور گرم گرم اس کے گڑھے کے پاس رکھی گئی کرم نے آہستہ سے اپنا سر اُٹھایا

زبانش بدیدند هم رنگ سنج
بدانسان کہ از پیش خوردے برنج

اس کی زبان پیتلی جھانجھ کے مانند نظر آئی ایسی حالت میں جب کہ وہ برنج کھایا کرتا تھا

فروریخت ارزیز مرد جوان
بکندہ درون کرم شد ناتوان

اردشیر نے قلعی کو اس کے جبڑوں میں الٹ دیا اور وہ اپنے گڑھے میں بے جان ہو کر تڑپنے لگا

طراقی بر آمد ز حلقوم اوی
کہ لرزان شدہ کندہ و بوم اوی

اس کے حلق سے تڑاق سے ایک آواز نکلی کہ قلعہ اور گڑھا دونوں متزلزل ہو گئے

بشد با جوانان چو باد اردشیر
کشیدند گوپال و شمشیر و تیر

اردشیر اور اس کے ساتھی پھرتی کے ساتھ گوپال و شمشیر و تیر لے کر تیار ہو گئے —

پرستندگان را که بود نه مست	محافظ شراب سے بدمست
یکی زنده‌ازدست‌ایشان‌نه‌رست	تھے ھی، کسی کو ان کے ھاتھ سے نجات نہ ملی
بر انگیخت از بام دژ تیره دود	قلعے سے سیاہ دھواں اٹھایا
دلیری به سالار لشکر نمود	تاکہ اطلاع کامرانی سالار لشکر کو مل جائے
دوان دیدبان شد بر شهرگیر	دیدبان نے جب یہ دیکھا تو
که فیروز گر گشت شاه اردشیر	شہر گیر کے پاس دوڑا اور اس کو اردشیر کی کامیابی سنائی
بیامد سبک پهلوان باسپاه	شہر گیر فورا اردشیر کے پاس
بیاورد لشکر بنزدیک شاه	مع سپاہ کے آیا اور سپاہ کو پیش کیا —

اردشیر کا تاریخی وجود افسانوں سے گھرا ھوا ھے

گزشتہ بیانات سے دو باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچتی ھیں ایک تو یہ کہ فردوسی نے پہلوی افسانوں کو کمال دیانت کے ساتھ استعمال کیا (نولڈیکی نے ثابت کیا ھے کہ ان افسانوں کو فردوسی نے پہلوی متنوں سے نہیں لیا بلکہ ان کے فارسی ترجموں سے) - اور دوسری یہ کہ " ارتخشیر ملکان ملکا ایران وان ایران بری پاپکا ملکا (یعنے اردشیر شہنشاہ ایران و غیر ایران بن شاہ پاپک) کی شخصیت کے گرد و پیش افسانوں کا کتنا زبردست جال پھیلا ھوا ھے ' حالانکہ وہ فی‌الحقیقت ایران کا بادشاہ تھا اور ایک تاریخی انسان

تھا ' اس کی تصدیق نہ صرف تاریخی نوشتوں بلکہ ان سکے اور کتبوں * سے بھی ہوتی ہے جن پر اس کے عہد کی تاریخیں ثبت ہیں - واقعہ یہ ہے کہ اردشیر ہی کے زمانے سے حالات ایران کتبات اور افسانوں کی تاریکی سے نکل کر تاریخ کی روشنی میں آنے لگے ہیں (فسانۂ سکندر جیسا کہ اوپر دیکھہ چکے ہیں خارجی افسانہ ہے) ' اس نکتے کو ابن واضح الیعقوبی نے تاریخ یعقوبی (مرتبہ ہوتسما جلد اول صفحات ۱۷۸ - ۱۷۹) جو نویں صدی عیسوی کے آخر میں گزرا ہے' بالفاظ ذیل ادا کیا ہے : —

ایرانی روایات اور ایرانی تاریخ پر یعقوبی کا خیال

" اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ شاہان ایران فوق الفطرت خصایل رکھتے تھے مگر کون شخص ہے جو ایسی لغو باتوں پر کان دھرتا ہے ' یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک انسان کے متعدد منہ اور متعدد آنکھیں نکل آئیں ' یا کسی کا منہ تانبے کا ہو † یا کسی کے شانوں پر دو ناگ ‡ ہوں اور آدمی کا بھیجا

---

* نقش رستم میں دیکھو کیر پورٹر ج اول پلیٹ ۲۳' صفحہ ۵۴۸ ؛ اور فلانڈین چہارم ۱۸۲ —

† غالباً اسفندیار روئیں تن سے مراد ہے —

‡ یہاں ضحاک کی طرف اشارہ ہے —

کھا کر جیتے ھوں، کوئی بادشاہ
صدیوں تک زندہ رھے، کوئی موت
کو انسان سے دور رکھے، وغیرہ
یہ سب مزخرافات اور محض
گھڑے ھوے افسانے ھیں، ان
کی کوئی بنیاد نہیں اور عقل ان
کو تسلیم نہیں کرتی - خود ایرانیوں
میں وہ لوگ جن کو خدا نے عقل سلیم
دی ھے علم و آگاھی بخشی ھے، جو
صاحب گوھر شاھزادے اور امیر زادے
ھیں اور جو ماھران روایت اور بہرہ
اندوز شایستگی ھیں وہ نہ تو ایسی
باتوں پر یقین لاتے ھیں، نہ ان کا
دعویٰ کرتے ھیں اور نہ اعادہ، ان
کے نزدیک دولت ایران کی تاریخ
اردشیر بابکان کے عہد سے شروع ھوتی
ھے، ...... لہذا ھم نے بھی ان افسانوں
کو بے بنیاد سمجھ کر چھوڑ دیا ھے،
کیونکہ ھمارا طریق واقعہ نگاری اس
کی اجازت نہیں دیتا" —

شاپور اول

شاپور ابن اردشیر کی پیدایش اور شناخت
کی بابت جو دل آویز افسانہ کارنامک شاہ نامے
اور عربی تاریخوں میں درج ھے اس کو ھم طوالت کے باعث

قلم انداز کرتے ہیں مگر شاپور کا نام مغربی تاریخوں میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہے ' اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے کامیاب یورشوں سے رومیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور بادشاہ ویلرین کو زندہ پکڑ لایا تھا ' نقش رستم اور شاپور * کی

شاپور کے کتبے

نقاشی † اور بت تراشی انھی واقعات کی یادگار ہیں - یونانی ترجمہ جو نقش رجب میں شاپور کے دو اسانی اور مختصر پہلوی کتبے (جس سے ساسانی اور ھخامنشی کتبات پڑھنے کی ابتدا ہوئی) کے ساتھ کندہ ہے وہ غالباً کسی یونانی اسیر جنگ کا کام معلوم ہوتا ہے - حاجی آباد کے بڑے کتبے میں ابھی بعض باتیں حل نہیں ہو سکتیں ؛ گو تھامس (۱۸۶۸) ویسٹ (۱۸۶۹)

حاجی آباد کا کتبہ

ہاگ (۱۸۷۰) اور دیگر محققین نے بڑا زور لگایا ہے اور اس کی عمدہ نقلیں (سانچے' چربے اور فوٹو) بھی موجود ہیں - تھامس نے پہلوی کے تمام معلومات کتبات کو شایع کر کے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے مگر جس قدر کامیابی کہ اس کو حروف شناسی میں ہوئی ' اس قدر معنی سمجھنے میں نہ ہوسکی' اس کا ترجمہ عجیب و غریب معانی پر مشتمل ہے کیونکہ اس نے

---

* دیکھو " پرشیا " مصنفہ لارڈ کرزن جلد دوم صفحہ ۱۲۰ اور ۲۱۱ —

† ابن البلخی فارس نامہ (مطبوعہ بربل صفحہ ۵۰ سطر ۱ ' پر اس اصطلاح کو Sculpturi کے معنوں میں استعمال کیا ہے —

بعض کتبوں کی تشریح کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان میں سلاطین ساسان نے خداے یہود و نصارا کو تسلیم کیا ہے - تھامس کے مفہوم اور دیگر محققین مذکور کے تراجم میں اتنا زبردست فرق ہے کہ لارڈ کرزن اپنی تصنیف " پرشیا " کی جلد دوم صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۷ میں لکھتا ہے :—

" کتبات حاجی آباد کے مختلف ترجموں
سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہنوز پہلوی حروف
کی شناخت محققانہ درجے تک نہیں
پہنچی ' مجھے نہ تو مسٹر تھامس کے
مائل بہ نصرانیت خیال کا یقین اور
نہ ڈاکٹر ہاگ کے تیراندازی کے مضمون
پر اعتبار ' اگرچہ آخرالذکر اکثر اہل
تحقیق کو اپنا ہم‌نوا کرچکا ہے ' میں بے
حجابانہ جہالت کو ان خیال آفرینیوں
سے زیادہ محفوظ سمجھتا ہوں "—

تاہم جس شخص کو تفحص و توازن دلائل کی ذرا بھی تمیز ہے وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہاگ اور ویسٹ کے ترجمے عام طور پر صحیح ہیں اور یہ کہ ان دونوں کو تھامس پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ کتابی پہلوی سے بہرہ‌ور تھے اور یہ بالکل نا آشنا - ساسانی پہلوی عبارت کے ایک سو پندرہ الفاظ میں سے نصف درجن الفاظ کے معنی ہنوز مشتبہ ہیں اور شومیٔ بخت سے یہ وہ الفاظ ہیں جن کے سبب سے پورا مطلب اٹکا ہوا ہے ' باقی الفاظ اور کتبے کی

ساڑھے چھہ سطریں صاف ھیں - ابہام مطلب کی بڑی وجہہ یہ ھے
کہ ھم اُس رسم کی حقیقت سے نا بلد ھیں جو کتبے میں مذکور
ھے اور نہ ھم یہ جانتے ھیں کہ بادشاہ نے اپنے چھوٹے اور سونے
غار سے جو تیر میدان میں پھینکا تھا اس کی اصل غرض کیا
تھی - تاھم ان چیزوں کی نظائر بالکل مفقود نہیں ' ساسانی
عہد میں موقعہ انتخاب کرنے کے لئے اکثر تیر پھینکا جاتا تھا -
چنانچہ طبری (مترجمہ نولڈیکی صفحہ ۲۶۳ اور ۲۶۴) اور
دنیوری صفحہ ۶۶ میں لکھتا ھے کہ ایرانی جنرل اور فاتح
گورنر یمن وھرز کا آخری وقت قریب آیا تو اس نے
تیر و کمان طلب کرکے خادموں سے کہا کہ مجھہ کو ذرا اوپر
اُٹھاو اور ایک تیر ھوا میں چھوڑکر نزدیک والوں کو حکم
دیا کہ وہ تیر گرنے کی جگہ پر نشان بنالیں اور وھاں اس کے
لئے ایک مقبرہ تیار کریں ؛ اغلب ھے کہ شاپور کا تیر بھی
جس کا حاجی آباد کے کتبے میں ذکر آتا ھے اسی مقصد کے ساتھہ
کمان سے جدا ھوا ھو ' لیکن یہ تحقیق نہ ھوسکا ورنہ کتبے
کا پورا مفہوم آئینہ * ھوجاتا —

حاجی آباد کے کتبے کا ترجمہ ایف ملر کے قلم سے

مناسب معلوم ھوتا ھے کہ اس بحث کے
سلسلے میں فریڈرک ملر کے پر مغز اور
نئے ترجمے (مطبوعہ وائنا اوری انٹل

* انتخاب موقعہ کے لئے تیر کا استعمال اسلامی دور تک رائج
تھا بلکہ عرب و ایران دونوں قومیں اس ذریعے سے کام لیتی تھیں '
دیکھو کتاب فتوح البلدان بلاذری (مرتبہ دخویہ صفحہ ۲۷۶)
نیز کتاب ثانی سلاطین باب ۱۳ ' آیات ۱۴ تا ۱۹ سے مقابلہ کرو —

جرنل مال سنه ۱۸۹۲ جلد ششم صفحه ۷۱ تا ۷۵) کا ذکر کیا جاے ' فریڈرک نے ھومر کی الیڈ (۲۳ - ۸۵۲) کے ایک مقام اور چارلس ششم (" میریه تھریسه اور جو سف دوم " از ایم برمن' صفحه ۳۸) کے ایک واقعۂ زندگی کی تمثیل و تشبیه قائم کرکے بتایا ھے که کتبے کے لفظ "مینو" (= روح بخیال ھاگ) کو ایک ایسا اعزازي و متداول شاھی لقب مان لینا چاھئے جیسے که آج کل ترکی و ایران کا لقب "عالی" اور چین کا "آسمانی" ھے ' دوسرے لفظ "چیتاک" کو (= چیدگ = پتھر کا تیر' بلوچی زبان میں ' ستون کے معنوں' میں جو بطور نشانے (= ؟ ھومر) کے کھڑا کردیا گیا ھو سمجھنا چاھئے اور لفظ "ویاک" (= ھومر) کو بمعنی پرندے کے ' اس کے بعد وہ حاجی آباد کے مبہم کتبے کے مفہوم کو یوں ترجمه کرتا ھے :—

یه میرا فرمان ھے پرستار مزد شاپور کا
جو دیوتاؤں کی صف میں ھے' ایران
اور غیر ایران کے بادشاھوں کا بادشاہ
ھے اور خدا کی آسمانی نسل سے ھے' اور
بیٹا ھے پرستار مزد ارتخ شیر کا جو
دیوتاؤں کی صف میں تھا' ایران کے
بادشاھوں کا بادشاہ اور خدا کی آسمانی
نسل سے تھا اور پوتا ھے پاپک کا جو
دیوتاوں کی صف میں اور بادشاہ تھا۔
اور جبکه ھم نے یه تیر چلایا تو
اسکو صوبه داروں شہزادوں امرا و شرفا

کی موجودگی میں چلایا' ہم نےاس پتھر*
پر قدم رکھکر ان نشانون میں سے ایک
نشانے پر تیر مارا' مگر جہان تیر پڑا
اس کے نزدیک کوئی پرندہ نہ تھا اور
اگر وہاں نشانہ سیدھا نصب ہوتا تو
تیر صاف (یا زمین میں گڑا ہوا)
نظر آتا" —

"پھر ہم نے حکم دیا کہ ایک نشانہ
اعلیحضرت کے لئے مخصوص کرکے الگ
نصب کیا جاے' آسمانی ہاتھہ (= یعنی
بادشاہ کے ہاتھہ) نے یہ لکھا :—

"خبردار نہ کوئی شخص اس پتھر
پر قدم رکھے اور نہ اس نشانے پر تیر
چلائے"۔اس کے بعد میں نے شاہی تیر سے
ان نشانوں پر نشانہ لگایا ۔
یہ (بادشاہ کے) ہاتھہ کا نوشتہ ہے" —

مانی اور پیروان مانی

مانی اور اُس کی تعلیم

جیسا کہ علامہ البیرونی (گیارھویں صدی
عیسوی) کے تصنیف آثارالباقیہ مترجمہ

---

* غالباً " اُس جگہ " سے مراد ہے کیونکہ نولدیکی (دیکھو
پرسی پولس از شتولت جلد دوم کا دیباچہ) اس لفظ کو
جواب تک دیکی یا دیکی تصور کیا گیا تھا۔دوکی (= آرامی
دوخا) بمعنی جگہ پڑھتا ہے —

زخاؤ صفحه ۱۲۱) سے پتہ چلتا ہے مانیز یا مانی مذہب مانویہ کا بانی دور پارتھوی کے اختتام اور بادشاہ اردوان (۲۱۵ - ۲۱۶ ع) کے چوتھے سال میں پیدا ہوا تھا، اس کا مذہب ابتدا سے لیکر بدبخت فرقہ البی جین سیہ کے اخراج یعنے تیرھویں صدی عیسوی تک ایشیا اور یورپ دونوں براعظموں میں بڑے بڑے مظالم کا تختۂ مشق بنا رہا، زرتشتیوں نے اس کے استیصال میں کوئی کسر نہ کی، عیسائیوں نے اس کی جڑ کاٹی، مگر باوجود اس کے وہ صدیوں تک ہزارہا دلوں پر حکومت کرتا رہا اور مشرق و مغرب کے مذہبی خیالات کو اس نے اپنے شکنجۂ اثر میں دبائے رکھا —

مانی نظام ملت خذ ما صفا کے اصول پر قایم تھا، اور اگرچہ مانی نے قدیم مذہب بابل اور بدھمت کی تعلیمات سے بہت سا مواد حاصل کیا لیکن بقول مورخ گبن اُس کی تمام تر جد و جہد کا منشا یہ تھا کہ "عیسویت اور زرتشتیت دونوں کے عقاید کو باہم بغل گیر کرادے" مگر اس کا صلہ یہ ملا کہ اُس پر ایک جانب سے نصرانی اور دوسری طرف سے ایرانی ٹوٹ پڑے تاہم چونکہ وہ یقیناً ایرانی حکومت کی رعایا تھا اور غالباً وہ کم سے کم اُس ایک جانب سے ایرانی تھا اس لئے اس کے نظام میں مسیحیت پر زرتشتیت کا رنگ غالب ہے؛ اس نے ایک کتاب بادشاہ شاپور کے لئے لکھی تھی، اسے یقین تھا کہ وہ اس ترکیب سے بادشاہ کو اپنی تعلیم کا حلقہ بگوش

● ہرمزد بہرام اول یا بہرام دوم (دیکھو "تاریخ آل ساسان") مترجمہ از طبری نولدیکی صفحہ ۴۷ نوٹ وغیرہ —

کرلے گا مگر شاپور کے جانشینوں میں سے ایک فرمانروا نے اس کو نہایت بے دردی سے قتل کرادیا * ' اس کتاب کا نام شابرقان تھا یا شاپھرکان ' اس کی نسبت البیرونی کا خیال ھے کہ " فارسی کتب میں یہی ایک وثوق کے لایق ھے " کیونکہ " مانی نے اپنے احکامات میں دروغ بیانی سے روکا ھے اور اسے کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ تاریخی واقعات کو بدل دیتا " —

حالات اور تعلیم مانی کے ماخذ

مانی کی تفصیل حیات اور تعلیم و تصنیف کا حال مشرقی اور مغربی دونوں ماخذوں سے فراھم ھوسکتاھے لیکن جب سے کہ مورخان ایشیا کی بالخصوص فہرست ' البیرونی ' ابن واضح ' الیعقوبی ' اور ' شہرستانی * کی تصنیفات ملنے لگی ھیں ' عام طور سے خیال کیا جاتا ھے کہ مشرقی بیانات اُن معلومات سے زیادہ قابل سند ھیں جو سینٹ آگستائن کی تالیف اور " اعمال آرکیلاس " وغیرہ میں

---

* فہرست (سنہ ۹۸۷ کی تصنیف) مرتبہ فلوگل صفحات ۳۲۸-۳۳۸ ' فلوگل نے مانی کے حالات فہرست سے لیکر مع ترجمہ جرمن الگ بھی شایع کئے ھیں اور اس پر مقدمہ اور حواشی لکھے ھیں (۱۸۶۲) —

آثار الباقیہ البیرونی مترجمہ زخاؤ صفحات ۲۷ ' ۸۰ ' ۱۲۱ ' ۱۸۹ ' ۱۹۱ ' ۲۲۵ اور ۳۲۹ ' ابن واضح مرتبہ ھوتسما جلد اول صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۲ ' —

شہرستانی مترجمہ ھاربرکر برتان جرمن ' جلد اول صفحہ ۲۸۵ - ۲۹۱ ' نیز دیکھو - عجم از اسپیگل جلد دوم صفحات ۱۹۵ تا ۲۳۲ علاوہ ہوائے سوبر (۱۷۳۴) موشایم ' باؤر ' اور کیسلر کے =

درج ھیں اور جن پر قدیم الایام میں یورپ کے ارباب قلم نے اس نامور شخص کے حالات لکھنے میں تکیہ کیا تھا - طوالت کا لحاظ دامن گیر ھے اس لئے ھم اس موضوع کو ' جس کی مکمل بحث کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاھئے جو نوٹ مندرجہ کے آخر میں بیان کی گئی ھیں ' چند صفحوں میں محصور رکھیں گے - مفصلہ بالا عربی کی چار کتابوں میں سے الیعقوبی کا ھنوز کسی یورپ کی زبان میں ترجمہ نہیں ھوا ھے - چنانچہ پہلے ھم اس کا بیان ترجمے کے ذریعے سے ھدیۂ ناظرین کرتے ھیں ' پھر بعض ایسے خیالات کا اضافہ کردیں گے جو خاکۂ مضمون کی مزید صراحت کے لئے ضروری ھوگا —

الیعقوبی کا بیان

زندیق مانی ابن حمّاد شاپور بن اردشیر کے عہد میں ظاھر ھوا ' اس نے شاپور کے (زرتشتی) مذھب کو باطل ٹھیرایا اور اس کو اپنی تعلیم ثنویت کی طرف بلایا ' اور شاپور مائل بھی ھوگیا - مانی کہتا تھا کہ کائنات میں متصرف دو ھیں اور ازلی و ابدی عناصر دو ھیں ' نور اور ظلمت ' خالق دو ھیں خالق خیر اور خالق شر - نور و ظلمت میں سے ھر ایک پانچ صفات یعنے رنگ ' ذایقہ ' بو ' لمس ' اور صوت سے متصف ھے ' انھی کے ذریعے سے وہ سنتے دیکھتے اور علم حاصل کرتے ھیں؛ جو کچھ اچھا اور مفید ھے اس کا منبع نور ھے اور جو کچھ برا مضر اس کا منبع ظلمت ھے —

ابتدا میں یہ دونوں (عناصر) الگ الگ تھے ' بعد میں وہ ایک دوسرے سے مل گئے؛ اور اس کا ثبوت یہ ھے کہ پہلے کچھ نہ تھا بعد

میں حوادث کا وجود ہونے لگا ۔ظلمت کی طرف سے اس آمیزش کی ابتدا ہوئی، کیونکہ پہلے وہ ایک دوسرے سے اسطرح متصل تھے جیسے سایا اور دھوپ ؛ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے بغیر وجود میں لانا ممکن نہیں - آمیزش کی ابتدا ظلمت کے طرف سے ہوئی، سبب یہ ہے کہ ظلمت و نور کی آمیزش آخرالذکر کے لئے مضر تھی، ناممکن ہے کہ ابتدا نور نے کی ہو؛ کیونکہ نور فطرتاً خیر ہے- اس بات کی شہادت کہ خیرو شر دونوں ازلی وابدی ہیں ، اس سے ملتی ہے کہ ایک شئے کا وجود تسلیم کیا جاے تو اس سے دو متضاد فعال پیدا نہیں ہو سکتے- مثلاً آگ ، گرم اور جلتی ہوی چیز ہے، اس لئے وہ چیزوں کو ٹھنڈا نہیں کرسکتی، اسی طرح جو چیز ٹھنڈا کرسکتی ہے وہ گرم نہیں کرسکتی؛ جو شے باعث خیر ہو وہ شر نہیں پیدا کرسکتی، اور جو فاعل شر ہے وہ خیر نہیں پیدا کر سکتی - اس کا ثبوت کہ یہ دونوں عنصر زندہ اور عامل ہیں یہ ہے کہ خیر ایک کا نتیجہ ہوتا ہے اور شر دوسرے کا ''—

" اس تعلیم کو شاپور نے مان لیا ، اور اپنی رعایا کو ترغیب دی کہ وہ بھی اس کی تقلید کرے - مگر اس سے رعایا کو صدمہ ہوا ، سلطنت کے دانشمندوں نے یکدل ہوکر بادشاہ کو اس اعتقاد سے ہٹانا چاہا، لیکن بادشاہ نے ان کا کہا نہ مانا اور مانی نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے نور ظلمت کے اثبات پر زور دیا ہے، اس کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام

• دیکھو "مانی از فلو گل" نوٹ ۳۲۴ —

کنزالاحیا * ھے' اس میں مصنف نے روح میں نور کے عمل حسنہ اور ظلمت کے اثر شنیعہ کا ذکر کیا ھے' اور وہ معیوب اعمال کو ظلمت سے منسوب کرتا ھے؛ اس کی ایک اور کتاب شاپرقان ھے' جس میں نجات یافتہ روح اور رفیق شیاطین' و معایب روح کا حال ھے' وہ آسمان کو ایک سطح مسطح بیان کرتا ھے' اور کہتا ھے کہ زمین ایک ڈھلواں پہاڑ پر قایم ھے جس پر چرخ بلند گردش کرتا ھے؛ اس کی ایک تصنیف کتاب الہدی والتدبیر ھے اور ایک صحف دوازدہ " ان میں سے ھر ایک کا نام تہجی کے ایک ایک حرف پر ھے' ان میں نماز اور راہ نجات کا ذکر ھے؛ ایک کتاب سفرالاسرار* ھے جس میں نبیوں کے معجزے باطل کرکے دکھائے گئے ھیں؛ ایک سفرالجبابرہ ھے ان کے علاوہ کئی اور کتابیں اور ملفوظات ھیں —

پس شاپور اس مذھب پر دس سال تک جما رھا - پھر ایک موبد آتش پرست شاہ پور کے پاس آیا' اس سے کہا "اس آدمی نے تیرا ایمان بگاڑ دیا' اسے میرے مقابلے پر لا' تاکہ میں اس سے بحث کروں"- پس ان دونوں کا مناظرہ ھوا' موبد نے مانی کا منہ بند کردیا' اور شاپور ثنویت سے مجوسیت کی طرف پھر لوٹ آیا' اس نے مانی کے قتل کا ارادہ کیا مگر وہ بھاگ نکلا' اور ارض ھند میں آ پہنچا' جہاں وہ شا پور کی وفات تک

---

* دیکھو فلوگل کتاب مذکور صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ جہاں کتاب الفہرست کے مطابق اس کتاب کے مضامین اجمالاً منقول ھیں' یہ کتاب ۱۸ بابوں پر ختم ھوئی تھی —

مقیم رہا —

''شاپور کے بعد اس کا بیٹا ہرمز سریر آرائے سلطنت ہوا' وہ بڑا دلاور تھا' اسی نے شہر رام ہرمز بسایا تھا' مگر اس کی زندگی نے وفا نہیں کی اور وہ صرف ایک سال تک عنان حکومت پر قابض رہا —

اب عنان حکومت بہرام پسر ہرمز کے ہاتھہ میں آئی' جو تفریح و معشوق کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ رکھتا تھا' مانی کے چیلوں نے اس کو ہندوستان لکھہ بھیجا کہ نیا بادشاہ نو عمر اور عیش کا دلدادہ ہے بس وہ ایران واپس آگیا اور اب اس کے کاموں کا آوازہ پھیل گیا اور اس کی قیام گاہ کا بھی پتہ لگ گیا' بہرام نے طلب کرکے اس کی تعلیم کا حال پوچھا' اور مانی نے اپنی سرگزشت بیان کی' پھر بہرام نے ایک موبد کو بلاکر اس کے مقابلے پر کھڑا کیا موبد نے اس سے بحث کی اور کہا کہ ''ہم میں سے ہر ایک پگلا ہوا سیسہ اپنے اپنے پیٹ پر ڈالے جو ضرر سے محفوظ رہےگا وہی حق پر ہوگا*'' - لیکن مانی نے

---

* ''پگلے ہوے پیتل کی آزمایش'' پہلوی اور عربی کتابوں میں اکثر مقامات پر مذکور ہے' پہلوی مقامات کے لئے دیکھو - اردا ویراف نامک مرتبہ ومترجمہ ہاگ صفحہ ۱۴۴' خاصکر دین کرت کے وہ اقتباسات جو نوٹ میں منقول ہیں' نیز شکند گومانیک ویجار مرتبہ ویسٹ کا صفحہ ۱۲ بھی' عربی مقامات کے لئے القزوینی کی آثار البلاد' صفحہ ۱۶۷ قابل دید ہے' موبد اور مانی کی یہ (تمہید) آزمایش تاریخ گزیدہ (نسخہ کیمبرج نمبر ڈی ڈی ۳' ۲۳ ایف ۱۴۵ الف) میں درج ہے —

جواب میں کہا "یہ فعل ظلمت کا ہے" اس پر بہرام نے اس کو زندان میں ڈلوادیا، اور کہا "صبح ہوگی تو میں تجھے بلاکر ایسے طریقے سے قتل کروں گا کہ اس طرح تجھ سے پہلے کوئی قتل نہ ہوا ہوگا" —

"پس تمام شب مانی کی کھال کھینچی گئی، تا آنکہ صبح سے قبل اس کا قالب عنصری بے جان ہوگیا، جب صبح ہوئی تو بہرام نے اس کو طلب کیا، لیکن اس کی روح پرواز کرچکی تھی، بہرام نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر جسم میں بھس بھر دیا جائے، پھر اس نے مانی کے معتقدوں پر تشدد کیا، ان کی تعداد کثیر کو تہ تیغ کرادیا، اور بہرام پسر ہرمز نے تین سال حکومت کی" —

کتاب الفہرست* میں مانی کا حال زیادہ مفصل درج ہے، لیکن چونکہ جرمن فان فلوگل کے جرمنی ترجمے میں اس کا مطالعہ کرسکتے ہیں، اس لئے یہاں ہم صرف چند کام کی باتیں درج کرتے ہیں، فہرست میں مانی کے باپ کا نام فُتّق آیا ہے جو غالباً فارسی "پاتک†" کا معرب ہے، اہل یورپ نے اس نام کو پاتیکی اوس، پے تیکی اس، فیتّی کی اس اور پتّیری کی اس لکھا ہے، مانی کا وطن ہمدان تھا؛ یہاں سے وہ ترک وطن کرکے بابل (بادرا یا باکُسایا) آیا اور مغتسلہ میں جا ملا، یہ فرقہ مینڈایون سے تھا، اور غالباً اسی فرقے کا اثر تھا کہ مانی یہودی مذہب

---

* الفہرست مرتبہ فلوگل صفحہ ۳۲۷ وبعد —

† دیکھو یوستی کی کتاب اعلام ایرانواں (Justis Iranisches-Namenbuch) زیرمانی —

اور بت پرستی سے بہت نفرت کرنے لگا تھا - مانی کی ماں کا
نام مختلف شکلوں میں وارد ہوا ہے وہ کہیں مار * ' مریم'
کہیں اوتاخیم اور کہیں میس ہے' کم از کم ممکن ہے کہ وہ
آشکانیوں یا پارتھیوں کے شاہی خاندان سے ہو- اگر یہ قیاس
صحیح ہے تو مانی کے خلاف ساسانی بادشاہوں کے اندیشے اور
مخاصمت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے- خود مانی کے بیان
کے مطابق جس کو شابرقان سے البیرونی نے نقل کیا ہے اس کا
سال پیدایش ۲۱۵ ' ۲۱۶ ع نکلتا ہے اور اس† کی ایک ٹانگ
میں لنگ تھا ۔ پیدایش سے پہلے توم‡ نامی فرشتہ نے ماں کو
اس کے بیٹے کے عظیم الشان مشن سے خواب میں آگاہ کردیا تھا
مگر وحی الہی بارھویں برس میں البیرونی کے خیال سے
تیرھویں برس یعنے (سنہ۲۲۷ - ۲۲۸ میں) اترنی شروع ہوئی
اور تلقین و اشاعت مذہب کا حکم اس کو ۲۴ سال کی عمر میں

---

* فہرست میں مرمریم لکھا لیکن وہاں مرمرا ہے —

† وکان احنف الرجل فہرست صفحہ ۳۲۸ سطر (۱) —

‡ فہرست میں صرف یہ ہے کہ بیٹے کے متعلق اچھے اچھے
خواب دیکھا کرتی تھی اور بیداری میں اسے ایسا نظر آتا تھا
گویا کوئی شخص اس کے بیٹے کو لیکر خلا میں چڑھ گیا ہے ' اور
اور پھر اس کو لوٹا گیا ہے ' کبھی کبھی یہ غیر حاضری دو دو دن
کی ہوتی تھی- صاحب الفہرست نے لفظ توم سریانی لفظ 'تاما' سے
لیا ہے' جس کے معنی قرین کے ہیں اور جس کو انگریزی میں
ڈبل کہتے ہیں اور جو غالباً ہماری اصطلاح میں 'ہمزاد'
کے مرادف ہے - صورت لفظی میں سریانی تاما — عربی توأم —
بابلی توآم —

ملا - مروی ھے کہ اس نے اپنے دعاوی کا باقاعدہ اعلان شاپور کے سامنے ۲۰ مارچ سنہ ۲۴۲ ع کو بادشاہ کے دربار تاج پوشی میں کیا، بظاھر ایسے اھم شاھی دربار میں اس کو شاپور کے بھائی فیروز کی وساطت سے جو اس کی تعلیم پر سر ایمان خم کرچکا تھا رسائی حاصل ھوئی ھوگی۔ غالباً جب وہ بادشاہ کی نظروں سے گرگیا تو اس نے ھندوستان اور مشرق * کے طویل سفر کئے، اس کی واپسی اور اس کا وحشیانہ قتل بھرام اول کے مختصر عہد (۲۷۳ - ۲۷۶ ع) کے واقعات ھیں جن کو البیرونی، الیعقوبی اور طبری تینوں نے لکھا ھے، البیرونی† مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۱ کا بیان یہ ھے :—

"ملت مانی کو ارد شیر، اس کے بیٹے شاپور اور شاپور کے بیٹے ھرمزد کے عہد میں بتدریج فروغ ھوتا رہا تا آنکہ ھرمزد کا بیٹا بھرام مسند نشین ھوا۔ اس نے مانی کو تلاش کرایا اور جب وہ ھاتھ آگیا تو اس نے کہا، یہ شخص لوگوں کو تخریب عالم کی دعوت دیتا ھے اس لئے ضروری معلوم ھوتا ھے کہ اس کے منصوبے بارور ھونے سے پہلے ابتدائے تخریب ھم اسی کی ذات سے کریں۔ مشہور یہ ھے کہ بھرام نے مانی

---

* فارس نامہ ابن البلخی صفحہ ۶۲ و بولایت چین رفت —

† مطابق آثارالباقیہ میں عربی صفحہ ۲۰۸ سطر ۱۵ —

کو قتل کیا، پھر اس کی کھال اُتروائی،
اس میں بھس بھروایا اور پھر اس کو
جندی شاپور کے دروازے پر لٹکایا جو
اب تک "مانی دروازہ" کہلاتا ھے -
ھرمزد نے بہت سے مقلدان مانی کو
بھی مروا ڈالا - میں نے اسپہبد مرزبان
بن رستم سے خود سنا ھے کہ شاپور
نے اس کو ملک بدر کردیا اور یہ
زرتشت کے اس حکم کی تعمیل میں
کیا گیا کہ نبوت کے جھوٹے دعویداروں
کو جلا وطن کردیا جائے اور مانی کو
اس شرط کا پابند کیا کہ وہ ایران
میں پھر قدم نہ رکھے- پس وہ
ھندوستان اور تبّت اور چین گیا اور
اپنے مذھب کی منادی کرتا پھرا، بعد
میں وہ واپس آگیا اور بہرام کے
ھاتھہ سے گرفتار ھوکر قتل ھوا، کیونکہ
وہ نقض شرط کا مرتکب ھوا، اس
لئے اس کا خون مباح ھو گیا"—

دیکھنا یہ ھے کہ مانی کے عقاید ایسے کیا تھے تو کہ پارسی ملاؤں کے دل میں بیر پڑگیا ، دیگر ممالک تو درکنار صرف مشرق میں آٹھویں صدی کے آخر تک یہ ملّا اس قدر قوت و اثر رکھتے تھے کہ عباسی خلیفہ المہدي نے ایک افسر تحقیقات

مقرر کیا جو 'صاحب' یا عارف الزنادقہ کہلاتا تھا ' تا کہ ان لوگوں کا پتہ چلا کر سزا دی جائے 'جو بظاہر مسلمان اور در پردہ مانی کے پیرو یا زندیق تھے - اس کے سوا ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ لفظ زندیق جس کا اطلاق اولاً پیروان مانی پر ہوتا تھا رفتہ رفتہ بلکہ آج تک دنیائے اسلام میں کس طرح دھریوں اور ملحدوں کے لئے استعمال ہونے لگا —

زندیق کا مفہوم

ہم آخرالذکر سوال کو پہلے چھیڑتے ہیں' کیونکہ یہ بلحاظ اختصار چند سطروں کا محتاج ہے - عام خیال* ہے کہ " زندیک" فارسی کا 'اسم صفت' ہے' اور اس کے معنی "ژند کا معتقد" ہیں' یعنے اصل متن کی بجائے تفسیر اوستا صفحہ (۱۳۹ و ۱۴۰) کا معتقد ہو اور اس کو اپنا دین و ایمان سمجھے - یہ لفظ مانیوں کے لئے اس واسطے تجویز کیا گیا تھا کہ وہ غیر مذاهب کی الهامی کتابوں کے معنے اپنی رائے کے مطابق لینے پر مائل تھے اور اپنی منشاء کے موافق ان کے معنی پیدا کرتے تھے' یہ طریقہ کچھہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلک ادریت میں "معرفت" (یونانی ناسز) اور بعد کے اسماعیلیوں کی اصطلاح میں "تاویل" کا طریقہ تھا† - لیکن پروفیسر بےون کی تشریح اس سے زیادہ قرین

---

* مثلاً دیکھو فارس نامہ ابن البلخی (گب سیریز) صفحہ ۶۲ سطر ۱۷ —

† لفظ "زندیکہ" میلو خرد میں بھی آیا ہے (مرتبہ ویسٹ بابت سنہ ۱۸۷۱. باب ۳۶' صفحہ ۳۷) اور اس کی تشریح یہ کی گئی ہے "شیاطین کو اچھا سمجھنے والا" صفحہ (۲۲ - ۲۳) —

صحت معلوم ہوتی ہے۔ فہرست ("مانی" صفحہ ۹۴ از فلوگل) اور البیرونی (مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۰) میں درج ہے کہ لفظ "سمّاع" (سننے والا) مانیوں کے اس ادنیٰ طبقے کے لئے مخصوص تھا، جو افلاس، تجرد، اور مجاہدات مذہبی کے متعلق تمام پابندیاں اپنے آپ پر عاید نہ کرنا چاہتا تھا اور صلحا و زہاد جنھیں حکم تھا کہ افلاس کو تمول پر ترجیح دیں، حرص و ہوا کو ترک کریں، زہد کو کام میں لائیں مسلسل روزے رکھیں، اور جہاں تک ممکن ہو خیرات کریں، اُن کے لئے لفظ "صدیق" (جمع صدیقوں) تجویز کیا گیا تھا، یہ لفظ عربی ہے مگر غالباً اس کی اصل آرامی زبان میں "زدّیقاے" تھی جو فارسی میں آکر "زندیک" ہو گئی۔ زدّیقاے، کی دال مشدد زندیک میں "ند" سے جس اصول پر بدل گئی اس کی ایک تمثیل "شبند" (موجودہ شنبہ) میں ملتی ہے، یعنے یہ لفظ در اصل "سبّث" تھا، فارسی میں اس کی مشدد ب "نب" سے بدل کر لفظ "شبند" ہو گیا۔ دوسری تمثیل کے لئے سنسکرت کا لفظ "سدّھانت" ملاحظہ ہو، جو اصول مذکور پر "سندھند" بن گیا ہے، اس قول کے مطابق "زندیک" (جو عربی میں زندیق بنا لیا گیا) آرامی "زدیقاے" کی محض فارسی شکل ثابت ہوتی ہے جو صرف نقویٰ شعار مانویوں کے لئے استعمال ہوتا تھا اور ابتدا میں فرقۂ مانویہ کے لئے مخصوص تھا مگر بعد کے زمانے میں عام طور پر "بدعتی" کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ پروفیسر بےون نے ایک اور دلچسپ جرمن لفظ کیٹ زر (= بدعتی) کی نظیر پیش کی ہے،

جو یونانی لفظ کتھرا ے (= پاک) سے مشتق ھے* —

مانویوں کے عقاید

ناظرین کو یاد ھوگا کہ مسلمان مصنف مانویوں کو مرقیونیہ† اور بردیصانیہ کی طرح اھل ثنویت میں شمار کرتے تھے - مگر یہاں سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ زرتشتی بھی تو حقیقتاً ثنوی ھیں، پھر زرتشتی اور مانوی مذھب میں اس قدر شدید دشمنی کس طرح پیدا ھوئی - اس کے جواب کے لئے زیادہ غور و تحقیق کی ضرورت نہیں - آتش پرستوں کے ھاں نیک و بد موجودات یعنے (ھرمزد اور انزہ مینوش = اھرمن) کی جداگانہ اقلیموں میں سے ھر ایک بجاے خود روحانی جز اور مادی جز پر مشتمل ھے - نہ صرف امشسپند اور فرشتے ھیں بلکہ عناصر مادی جملہ حیوانات و نباتات جو انسان کے لئے مفید ھیں نیز وہ لوگ جو دین با آئین یعنی زرتشتی مذھب کو سرمایۂ ایمان سمجھتے تھے اھرمزد کی طرف سے اھرمن کے لشکر دیو، درج، خرفستر‡ یعنی موذی حیوانات، ساحروں، شعبدے بازوں، بد عقیدہ لوگوں اور بدعتیوں سے لڑے - زرتشتی مذھب میں اگرچہ روحانی عہدہ داروں کا ایک باضابطہ و دقیق نظام قایم

---

* دیکھو " تاریخ و تعلیم" فرقہ کتھراے یا البی جیسیہ مصنفہ سی شمٹ (پیرس ۱۸۴۹) —

† دیکھو الفہرست صفحہ (۳۳۸ - ۳۳۹) —

‡ دیکھو پہلوی بازند فرھنگ مرتبہ ھاگ (نہ معلوم پروفیسر براون نے جو املا اس لفظ کا دیا ھے اس کی سند کیا ھے) —

کیا گیا ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی اور حقیقتاً وہ اس لحاظ سے ایک مادی مذہب ہے کہ وہ اپنے معتقدوں کو "توالد و تکاثر اور زمین کو معمور کرنے" کی تاکید کرتا ہے اور تخم ریزی اور فصلیں حاصل کرنے میں جانفشانی کا حکم دیتا ہے* - برخلاف اس کے مانی کی تعلیم میں نور و ظلمت کی آمیزش جس نے عالم مادی کو پیدا کیا سرے سے بری چیز تھی اور محض قوائے ظلمت کا نتیجۂ عمل تھا، آمیزش کو اگر اچھا کہہ سکتے ہیں تو صرف اس اعتبار سے کہ اس میں نور کے ان ان اجزا کے لئے جو ظلمت میں اٹک کر رہ گئے تھے، اپنے مناسب مقام کی طرف واپسی اور نجات حاصل کرنے کے ذرائع (عیسیٰ حساس؟ دیکھو "عجم" از اسپیگل، دوم صفحہ ۲۲۶) موجود ہیں، جب ان اجزا کو حتی الامکان نجات حاصل ہوجائے گی تو وہ فرشتے جن پر زمین و آسمان قایم ہیں، اپنی اپنی گرفت کو ڈھیلا کردیں گے اور عالم مادی درہم و برہم ہوجائے گا، آخر کار کائنات جل کر خاک ہوجائے گی تب لافانی اور ناقابل تسخیر ظلمت سے نور کی علیحدگی اور اس کی نجات کا آخری وقت آئے گا۔ قبل اس کے یہ حالت رونما ہو، عمودالسبح† (یعنی پرہیزگاروں کی نماز و تسبیح تقدیس اور اعمال صالحہ سے جو آسمان کی طرف

---

* مقابلہ کرو دارم شٹیٹر کے انگریزی ترجمہ اوستا سے، مطبوعہ ایس بی ای جلد اول صفحہ ۴۶ اور نوٹ نمبر ۱ سے جو فرد گرد چہارم صفحہ ۴۷ پر لکھا گیا ہے —

† الفہرست صفحہ ۳۳۰ سطر ۲۴۔

چڑھتے ھیں اور کہکشاں * بن کر صاف نظر آتے ھیں) کے ذریعے نور کے تکڑے ظلمت کی قید سے آزاد ھوکر اوپر بلند ھوتے ھیں اور بالآخر آفتاب و مہتاب کی کشتیوں میں سوار ھوکر " جنان النور " میں جو اُن کا اصلی مستقر ھے پہنچ جاتے ھیں ؛ لہذا مانویوں کے نزدیک ھر وہ فعل جو اس نور و ظلمت کی آمیزش کا معاون ھو - مثلاً مناکحت و تناسل ' مذموم اور قابل گرفت ھے - اب ھم سمجھہ سکتے ھیں کہ ھرمز کا ان الفاظ سے " اِس شخص نے تخریب عالم کی لوگوں کو دعوت دی ھے " کیا مطلب تھا - الغرض زرتشتیت میں عصبیت اور جنگ جوئی ' مادیت اور شہنشاھی (Imperialism) اقتدار و تسلط کی تعلیم ھے ؛ مانویت میں عدم عصبیت ' تسلیم و رضا اور زھد و بے نفسی کی ھدایت ھے ؛ اصولاً دونوں فرقوں میں بعدالمشرقین ھے ' با وجود ظاھری مماثلت کے جیسے اسپیگل نے " عجم " جلد دوم صفحہ ۱۹۵ - ۲۳۲ میں تفصیل سے بیان کیا ھے - درحقیقت دونوں میں لزوماً اور اصولاً تضاد موجود ھے ' یہودی مذھب اور روایتی (Orthodox) عیسویت و اسلام سے بھی مانی کی تعلیم اسی قدر متضاد ھے ' اس میں شک نہیں کہ دوسرے تین مذاھب کی نسبت یہود نے مانویہ کو کم تکلیفیں دیں ' لیکن اس کا سبب یہودیوں کا اجتناب ایذا رسانی نہ تھا بلکہ ان کی بے بسی اور بے مائگی تھی ' کیونکہ اوپر مذکور ھوچکا ھے کہ مانی کے دل میں یہودیوں سے

---

* دیکھو مانی از فلوگل صفحہ ۲۳۱ "عجم" از اسپیگل جلد دوم صفحہ ۲۱۷ —

خاص طور پر نفرت تھی —

اس فرقے کے بعض مسائل مثلاً نور و ظلمت کی آمیزش کے اسباب 'ملک جنان النور اور اس کے متعلق خیالات ' انسان اول' شیطان ' نور کو قید سے رہا کرنے کے لئے عالم مادی کے اسباب' حضرت آدم و حوا اور ھابیل و قابیل کی بابت مانویوں کے مضحک اعتقادات ' حکیمۃ الدھر ' ابنۃالحرص ' روفریاد ' برفریاد ' اور شاثل (شیث) وغیرہ کی تفصیل اس مقام پر ناممکن ھے - مانی نے انبیاء عبرانی کو اپنے نظام سے خارج کیا مگر ان کے عوض نہ صرف زرتشت اور بدھ کو نبی مرسل تسلیم کیا بلکہ حضرت عیسیٰ کو بھی مان لیا ' تاھم " وہ مسیح صادق " کو جو عالم نور کا ایک خیال * اور لباس طیفی میں ملبوس تھا ' مسیح مصلوب سے الگ بتاتا ھے ' جو اس کا مثیل اور دشمن اور " ابن ارملہ " تھا ' اور عجیب بات ھے کہ حضرت مسیح کی بابت مانی کا یہ عقیدہ (حضرت) محمد (صلعم) نے اختیار کرلیا † ' قرآن (سورہ ۴ آیت ۱۵۶)

---

* خیال بمعنی طیف جیسے حماسہ کے شعر میں (خیال لام السلسبیل و دونہا ' مسیرۃ شہر البرید المذبذب) —

† یہ عبارت اور اس کے ثبوت میں ایک آیت نقل کرنے سے ظاھر ھوتا ھے کہ مصنف قرآن کریم کو آنحضرت علیہ السلام کی تصنیف سمجھتا ھے —

اختیار عقیدۂ مانی غلط و خیال تصنیف غلط در غلط— مترجم

میں آیا ھے —

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ و لکن شبہ لہم و ان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ لقیناً ' بل رفعہ اللہ الیہ و کان اللہ عزیزاً حکیماً —

اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو رسول خدا تھے قتل کر ڈالا اور (حقیقت یہ ھے کہ) نہ تو انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا مگر ان کو ایسا ھی معلوم ھوا ' اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ھیں وہ اس معاملے میں شک میں پڑے ھوے ھیں ' ان کو اس کی خبر نہیں ھے اور صرف گمان کی پیروی کرتے ھیں ' یقیناً لوگوں نے عیسیٰ کو تو قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ زبردست اور حکمت والا ھے —

مشرق میں مانو یہ کی ترقی

مشرق میں مانو یہ کی تاریخ کی نسبت ہم بیان کرچکے ھیں کہ خلیفہ ھارون کے باپ المہدی کے عہد (۷۷۵ - ۷۸۵ عیسوی) کی تعداد

اس قدر کثیر تھی کہ حکومت کی جانب سے ایک خاص افسر * مامور کیا گیا تاکہ انھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دے - مصنف الفہرست (۹۸۸ ع) اکیلے بغداد میں ۳۰۰ نفوس کو جانتا تھا اور البیرونی (سنہ ۱۰۰۰ ع) ان کی تصنیفات خصوصاً شابرقان (صرف یہی کتاب ھے جس کو مانی نے فارسی میں یعنے بزبان پہلوی لکھا باقی اس کی اھم کتابوں میں سے چھہ سریانی میں ھیں) سے واقف تھا اور اس نے بعض اقتباسات نقل بھی کئے ھیں جن میں ابتدا کے یہ الفاظ † (مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۰) بھی شامل ھیں :—

مانی کی ایک کتاب کا اقتباس

" خدا کے رسول نوع انسان کے پاس وقتاً فوقتاً حکمت اور اعمال لائے ھیں چنانچہ ایک زمانے میں خدا کے رسول ان کو ھندوستان لائے ' دوسرے میں زرتشت ایران میں لائے ' پھر مغرب میں حضرت عیسیٰ ' ان سب کے بعد آخری زمانے میں یہ وحی اور یہ پیشین گوئی میری یعنی مانی رسول خدائے حق کی معرفت بابل میں اتری " —

الفہرست (صفحہ ۳۳۷) میں مانیوں کا نقل مکان اس طرح بیان کیا گیا ھے :—

" سمنیہ کے علاوہ فرقۂ مانی وہ پہلا مذھبی گروہ تھا جو بلاد ماوراالنہرمیں داخل ھوا ' اس کا سبب یہ تھا کہ جس

---

* اس کو عارف الزنادقہ کہتے تھے —

† مطابق آثارالباقیہ متن عربي صفحہ ۲۰۷ —

وقت کسریٰ (بہرام) نے مانی کو قتل و مصلوب کیا

مانویوں کا نقل مکان

اور اپنی مملکت میں مباحث مذہبی کو ممنوع قرار دیا تو اس نے پیروان مانی کو جہاں پایا وہیں قتل کرنا شروع کیا اس پر یہ لوگ بہرام کے سامنے سے بھاگ نکلے اور دریاے بلخ کو عبور کرتے ہوے ولایت خان (خاقان) میں آباد ہو گئے - خان (خاقان) ان کی زبان کا وہ لقب ہے جو ترک بادشاہوں نے اختیار کر رکھا تھا، پس یہ لوگ عرصے تک ماورالنہر میں رہے، یہاں تک کہ اقبال ساسان نحوست میں آیا اور اہل عرب کو عروج ہونے لگا، اس پر وہ ان ممالک (عراق، بابل) میں واپس لوٹے، بالخصوص جبکہ حکومت ایران کے اجزا پراگندہ ہو رہے تھے اور بنی‌امیہ کو مسند خلافت مل چکی تھی - خالد بن‌عبدالله القسري * نے ان کو اپنی حفاظت میں لے لیا لیکن اس فرقے کی امارت کا عہدہ سواے بابل کے کسی اور حصۂ ملک میں قایم نہ ہو سکا، لیکن اس کے بعد رئیس جہاں کہیں زیادہ سلامتی دیکھتا وہاں چلا جاتا - مانویہ کا آخري اخراج خلیفةالمقتدر (۹۰۸ - ۹۳۲) کے زمانے میں ہوا، جب کہ وہ جان کے خوف سے خراسان چلے گئے تھے، باقی جو پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنا مسلک چھپاتے تھے اور ان اضلاع میں

---

* یہ شخص مانویہ کا زبردست حامی تھا، خلیفہ الولید کے ہاتھہ سے ۷۴۳ میں مارا گیا، دیکھو " مانی " از فلوگل صفحہ ۳۲۰ - ۳۲۲ —

مارے مارے پھرتے تھے - ایک دفعہ تقریباً پانسو کی کی تعداد میں وہ بمقام سمرقند جمع ہوے اور ان کے عقائد کا حال کھل گیا - خراسان کے گورنر نے ان کے قتل کا ارادہ کیا مگر خاقان چین (شاید صاحب تغزغز مراد ھے) نے اس کو لکھا کہ "میرے ھم مذھب جس قدر تعداد میں وھاں ھیں اس سے دوگنی تعداد میں تیرے ھم مذھب یعنے مسلمان میری سلطنت میں ھیں" پھر قسم کھائی کہ اگر تیرے ھاتھہ سے میرا ایک ھم مذھب بھی مارا گیا تو میں انتقاماً سارے مسلمانوں کو تہ تیغ کردوں گا ' مسجدوں کو ڈھادوں گا اور اپنی باقی مملکت میں تحقیقات کراکے ھر ایک مسلمان کو نکالونگا ' اور انھیں قتل کراونگا - اس بنا پر خراسان کے والی نے اُن کو چھوڑ دیا اور صرف جزیہ لینے پر اکتفا کیا - اسلامی حدود میں ان کی تعداد گھٹ گئی ' معزالدولہ (۹۴۶ - ۹۶۷) کے عہد میں مدینۃالسلام کے اندر ان کے تین سو آدمیوں کا مجھہ کو علم تھا لیکن آج کل پایۂ تخت میں ان کے پانچ آدمی بھی نہیں اور یہ لوگ آجاری کے نام سے مشہور ھیں اور سمرقند و صغد کے دیہات خصوصاً نوي کت میں پھیلے ھوے ھیں"—

مؤلف الفہرست نے ان لوگوں کی ایک طویل فہرست درج کی ھے جو بظاھر مسلمان تھے مگر بباطن مانوی عقائد رکھتے تھے ان میں اشخاص ذیل بھی شامل ھیں:—

۱ - الجعد بن درھم *' اموي خلیفه ھشام (۷۲۴- ۷۴۳ ع) کے ھاتھه سے مارا گیا —

۲ - شاعر بشّار بن برد - سنه ۷۸۴ ع میں قتل ھوا —

۳ - برامکه کا تقریباً پورا خاندان سواے محمد بن خالد بن برمک —

۴ - خلیفه مامون رشید (۸۰۳ - ۸۳۳ ع) مگر مصنف فہرست کے نزدیک یه صحیح نہیں ھے —

۵ - محمد ابن الزّیات + وزیرالمعتصم ' سنه ۸۴۷ ع میں قتل کردیا گیا ' ان کے سوا اور لوگ —

مانویه کے مختلف طبقے اور ان کے فرائض

پیروان مانی پانچ طبقوں میں تقسیم تھے :—

۱ - معلمون اساتذہ جو ابناء العلم کہلاتے تھے —

۲ - مشمّسون (وہ جن کو شمس نے منور کیا ‡) جو ابناء العلم کہلاتے تھے —

۳ - قسّیسون (مذھبی پیشوا) جو ابناءالعقل کہلاتے تھے —

۴ - صدیقون (یا صاحبان ایمان) جو ابناء الغیب کہلاتے تھے —

---

* یہاں جناب پروفیسر سے کچھه تسامح ھوا ھے - صاحب فہرست نے جعد کو رؤساء منانیه میں تو شمار کیا ھے مگر اس کی نسبت یه نہیں لکھا که وہ بظاھر مسلمان تھا —

+ و قیل کان محمد بن عبدالملک الزیات زندیقاً الفہرست صفحه ۳۳۸ —

‡ دیکھو " مانی " از فلو گل صفحه ۲۹۴ - ۲۹۹ اس کے معنی مشتبه ھیں —

۵ - سمّاعون (سننے والے) جو ابناءالفطنہ کہلاتے تھے—

ان کے لئے نماز چہارگانہ یا ہفت‌گانہ فرایض میں داخل تھی ' اور بت پرستی ' جھوٹ ' بخل ' قتل ' زنا ' چوری اور تعلیم حیل و سحر ' ریا فی‌الدین اور فرائض میں سستی سے بچنے کا حکم تھا - ان احکام عشرہ کے علاوہ دیگر معتقدات یہ تھے:— چار حقایق اعلیٰ کا یقین یعنی خدا کا جو جنان نور کا بادشاہ ہے اور خدا کے نور کا ' اس کی قدرت اور اس کی حکمت کا ' ہر ماہ میں سات دن کے روزے ' اور " مواہیر ثلاثہ " کا ایمان ' سینٹ آگسٹائن اور دوسرے عیسائی مصنفوں نے ان " مواہیر ثلاثہ " کو منہ ' ہاتھ اور قلب کی مہریں (نشانات) لکھا ہے ور ان سے مراد یہ ہے کہ انسان کو برے الفاظ ' برے کام اور برے خیال سے بچنا چاہئے ' یہ اصول پارسیوں میں بھی ہخت (الفاظ نیک) ہورشت (اعمال نیک) ' ہُمت (خیالات نیک) کے نام سے رائج ہے - صوم و صلواۃ اور بعض ارکان صلواۃ کی تفصیل کتاب‌الفہرست میں منقول ہے ' اسی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مانی کے بعد روحانی افضلیت کی بنا پر اس مذہب میں کتنے فرقے پیدا ہوے اور دو خاص فرقوں میں ایک - مِہریّہ کہلاتا تھا اور دوسرا مقلاصیّہ - بیان ہوچکا ہے کہ مانی کی کتابوں میں سے چھ سریانی اور ایک پہلوی میں تھی ' لیکن ان کا رسم‌الخط جسے مصنف نے خود ایجاد کیا تھا ' نہایت عجیب و غریب تھا ' فہرست میں اس کا نمونہ درج ہے مگر یہ نمونہ موجودہ نسخوں میں بہت حد تک مسخ اور بدنما ہو چکا ہے (موجودہ بابیوں نے بھی ایک جدید

طرز کی تحریر نکالی ھے جس کو وہ خط بدیع کہتے ھیں)
مگر بظاھر مانیوں نے اپنے رسم الخط اور عموماً فن کتابت
پر بہت کاوش اور توجہ کی ھے' چنانچہ الجاحظ (نویں صدی ع)
نے اس خط کے سلسلے میں ابراھیم السندی کا ایک قول نقل
کیا ھے کہ "اگر وہ نہایت سفید' بہتر سے بہتر کاغذ اور نہایت
کالی روشنائی اور کاتبوں کی ترتیب پر اس قدر جان کاھی
نہ کرتے تو اچھا ھوتا"- اس قول سے جیسا کہ پروفیسر بے و ن
استدلال کرتا ھے ایران میں یہ خیال پیدا ھو گیا تھا کہ مانی*

ارژنگ مانی کا افسانہ

ایک اعلی درجے کا مصور تھا' آج بھی اھل
ایران کا عام عقیدہ ھے کہ مانی نے ارژنگ یا
ارتنگ نام کی ایک کتاب التصاویر تیار کی تھی اور اس کو
وہ اپنی فوق البشر طاقت اور ربانی سفارت کے ثبوت میں
پیش کرتا تھا†—

---

(۳)

نوشیرواں اور مزدک

سیرت نوشیرواں

بیان کیا جاتا ھے کہ رسول خدا حضرت محمد
(صلعم) نے فرمایا کہ "میں نوشیرواں عادل

---

* خان نے کاق نے طرفان (وسط ایشیا) کے کھنڈروں سے مانویہ
کی کتابوں کے اوراق یا پرچوں کے ٹکڑے اور دیگر مواد حاصل کیا ھے
جس سے ثابت ھوتا ھے کہ مانویہ کو حقیقتاً اپنی کتابوں وغیرہ کو
مصور اور رنگین کرنے کا خاص شوق تھا ' - مترجم

† دیکھو شاہ نامہ جلد سوم صفحہ ۱۴۵۳-۱۴۵۴ مترجمہ میکن -

کے عہد میں پیدا ہوا تھا" (ولدت فی زمن ملک العادل) آپ کی مراد خسرو انوشک روباں (لافانی روح کا) سے ہے، اہل ایران آج تک نوشیرواں کو عادل کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور شاہانہ صفات کا کامل نمونہ سمجھتے ہیں لیکن اوپر تصریح ہو چکی ہے کہ یہ فیصلہ بلا تامل منظور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نوشیرواں نے اپنا لقب معدلت و انصاف (جس طرح کہ ان الفاظ کو ہم سمجھتے ہیں) کی بدولت حاصل نہیں کیا تھا بلکہ اہل بدعت کے قتل و استیصال کے صلے میں مجوسی پیشواؤں نے اس کو عطا کیا تھا، جن کے متعصب ہاتھوں سے قومی تواریخ کا مرقع تیار ہوا تھا؛ اسی طرح یزدگرد اول (بزہ گر گنہگار) کا وہ داغ بدنامی ہے جو اس کی زندگی کے کسی مذموم فعل سے علاقہ نہیں رکھتا بلکہ اس کی وسیع القلبی اور مذہبی رواداری بلکہ اُس بے اعتنائی کا نتیجہ ہے جو فرمانروائے مذکور نے اپنے زرتشتیوں کے ساتھ برتی۔ تاہم کوئی شخص نوشیرواں کی نسبت، جو اگر چہ سیاسی ضرورت سے خوارج و اہل بدعت کے لئے اپنا خنجر تیز رکھتا تھا، یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مذہب کے معاملے میں اشد متعصب اور دیوانہ تھا بلکہ برعکس اسکے وہ مذاہب غیر کی باتیں اور مسالک فلسفہ کی حکایتیں شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنتا تھا۔ اس لحاظ سے وہ خلیفہ مامون اور شہنشاہ اکبر کا جو افکار فلسفہ اور مباحث مذہب کے شیدائی تھے ہم مذاق معلوم

ہوتا ہے - نولدیکی ("تاریخ آل ساسان" صفحہ ۱۶۰ * نوٹ نمبر۳) جو اہل ایران کو پسند کرنے کی طرف مائل نہیں نوشیرواں کے خصائل کی نہایت موافق تلخیص کرتا ہے اور اپنے بیان کا خاتمہ ان الفاظ کے حوالے کرتا ہے :—

" بہ حیثیت مجموعی خسرو
(نوشیرواں) یقیناً ایران کے سب سے
بڑے اور سب سے بہتر بادشاہوں میں
ہے لیکن اس کی عظمت و خوبی اُس
کو اندھا دھند بے رحمی سے نہ روک سکی
اور حق و راستی کا اسے اس قدر پاس
تھا جس قدر اہل ایران کو (جن میں
ان کے بہترین افراد بھی شامل ہیں)
ہوا کرتا ہے [یعنی بہت کم]"

نفس واقعہ یہ ہے کہ مزدکیوں کے استیصال' رومیوں (بزنطینوں) کی سرکوبی' اس کے دانشمندانہ آئین' قومی اغراض کی نگہداشت اور اس کے عہد (۵۳۱ - ۵۷۸) کی سرسبز اور مرفہ حالت ان تمام چیزوں نے ایشیا میں اس کے نام کو چار چاند لگا دئے ہیں اور وہ سلاطین کے لئے بہترین نمونہ خیال کیا جاتا ہے' لیکن یورپ میں اس کی شخصیت نے اس سبب سے اپنا رنگ جمایا ہے کہ اس نے یونانی فلاسفروں کا جو شاہنشاہ جستنین نے ان کی

* نولدیکی کا نوٹ جس کا حوالہ دیا گیا ہے صفحہ ۱۶۰ سے شروع ہوتا ہے نہ کہ ۱۵۰ سے' خاتمہ کے الفاظ صفحہ ۱۶۲ پر ہیں —

فلسفیان یونان یا افلاطونین جدید (نیو پلیٹونسٹ فلاسفرز)

مذھبی تنگ طرفی سے تنگ آکر اپنے وطنوں سے بھاگ نکلے تھے، اپنے دربار میں خیر مقدم کیا اور رومیوں کو شکست دے کر جب صلح نامہ مرتب کیا تو اس میں یہ مخصوص دفعہ رکھی کہ یہ علما اپنے ملک کو واپس جائیں تو ان کو نہ چھیڑا جاے، اور آزادیء خیال دی جاے، دوسرے وہ علم و فن کا عاشق اور ارباب فضل کا قدر داں تھا، اس نے جندی شاپور میں ایک زبردست طبیہ مدرسہ قایم کیا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ سنسکرت اور یونانی کتابوں کو پہلوی میں ترجمہ کرایا ھے، ان وجوہ سے اس کی نسبت اھل یورپ کا یہ اعتقاد ھوگیا تھا کہ "ایران کے تخت پر افلاطون کا شاگرد جلوا آرا ھے*" —

افلاطونیات جدید (نیو پلے ٹونسٹ آئڈیاز) کی ایران میں اشاعت

ھمارے نزدیک افلاطونین جدید یا مذکورالصدر یونانی فلسفیوں کی دربار عجم میں باریابی اور اس کی اھمیت پر کافی توجہ نہیں کی گئی ھے، اھل یورپ کو اب کچھہ کچھہ خیال ھو چلا ھے کہ اھل ایران کے متاخر تصوف یا تعلیم صوفیہ کو جس کا مفصل ذکر اواخر کتاب میں آئے گا افلاطونیت جدید نے کہاں تک متاثر کیا ھے اور اگر دارم شتیٹر کا خیال صحیح ھے تو خود پیروان زرتشت نے بھی

* گبن کی مشہور قلم کا نوشتہ نوشیرواں کا حال تاریخ گبن "انحطاط و زوال" جلد دوم کے صفحہ ۲۹۸ - ۳۰۷ میں دیکھو، ایڈیشن سنہ ۱۸۱۳ ع —

اس چشمے سے مستفید ہونے میں دریغ نہیں کیا' اس مسئلے پر ہمارے دوست اور سابق شاگرد آر۔ اے نکلسن' فیلو ترینٹی کالج' کیمبرج نے اپنی تالیف "انتخاب دیوان شمس تبریز" (کیمبرج سنہ ۱۸۹۸) میں حسن اسلوب کے ساتھ بحث کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ تاریخی زمانے میں یونان کے فلسفی اور علمی خیالات سے اہل مشرق زیادہ تر آل عباس کے ابتدائی دور حکومت میں روشناس ہوے۔ مامون بن ہارون رشید (۸۱۳ تا ۸۳۳) کا عہد اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا جس میں یونان کا مایۂ علوم منتقل کرلیا گیا تھا لیکن گمان غالب ہے (گو پہلوی خصوصاً غیر مذہبی کتب کے ناپید ہوجانے سے اس گمان کو ثابت نہیں کیا جاسکتا) کہ یہ در آمد علوم نوشیروانی عہد یعنی چھٹی صدی عیسوی میں شروع ہوچکی تھی اور دیگر خیالات کے مثل عقاید صوفیہ کا آغاز اسلامی دور سے پہلے ساسانی ایام میں ہوا تھا۔ نوشیروانی حکومت میں عیسائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا تھا اور اگرچہ دین مسیحی کی امن دوست تعلیم کو نوشیروان نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس کے عیسائی بیٹے' نوش زادہ نے بغاوت کرکے (صفحہ بالا ۱۳۶) اس کو برہم بھی کردیا تھا مگر یہ امور خطرناک اور سرکش مانوفی‌سائٹ* (وحدت مسیح کے ماننے والے) عیسائیوں کو نوشیروان کے ہاتھ سے حقوق دلوانے میں حائل اور رومیوں سے صلح کرتے وقت صلح نامے میں

---

* دیکھو "ساسانی" مصنفہ نولدیکی صفحہ ۱۶۲ وغیرہ

رومن کیتھولک* کو مراعات عطا کرنے میں مانع نہ ہوئے' بلکہ یواگیری اس اور سی بی اوس نے تو یہ دعویٰ کیا ھے کہ مرنے سے پہلے نوشیروان خفیہ طور پر اصطباغ سے مشرف ہوگیا تھا' یہ خیال گو بالکل غلط ھے لیکن اس سے ثابت ہوتا ھے کہ عام طور پر نوشیروان کو عیسائیوں پر مہربان سمجھا جاتا تھا' اور بخیال نولدیکی عیسائیوں نے اپنی شکر گزاری کا رقت انگیز ثبوت بادشاہ کی وفات کے ایک سو برس بعد اس وقت دیا جب کہ انہوں نے اس کے بدنصیب اور آخری جا نشین یزد گرد سوم کی لاش کا غیر مدفون پڑا رہنا گوارا نہ کیا - لیکن نوشیروان کی رواداری سلطنت کی سلامتی اور امن عامہ کے تابع تھی اور اشتراک پسند مزدک کی تعلیم جس کا ذکر اب شروع کیا جاتا ھے ان دونوں چیزوں کو صدمہ پہنچانا چاھتی تھی —

مزدک | مزدک کے متعلق جس قدر حالات ملتے ھیں ان کو نولدیکی † نے نہایت احتیاط سے جمع کرکے اپنی

---

* گبن صفحہ ۳۰۵ اور حاشیہ ۵۲ وغیرہ —

† اس محقق نے رسالہ ڈی- آر میں (بابت فروری سنہ ۱۸۷۹ صفحہ ۲۸۴ وغیرہ) اس کا زیادہ عام فہم حال لکھا ھے ' مزدک کی بابت نہایت قدیم اور معتبر حالات یا حوالہ جات ذیل میں درج کئے جاتے ھیں —

ماخذ معلومات | (۱) ویندیداد مزد گرد چہارم و پنجم صفحہ ۴۹

۱ - پہلوی | کے پہلوی ترجمے میں متن اوستا کے ان الفاظ

" یہ وہ شخص ھے جو بے ایمان اشموغہ (— شیطان ' بدعتی) کے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

معرکۃالآرا تاریخ آل ساسان (جس کے حوالے بارہا درج ہوچکے ہیں) ضمیمہ ۴ میں قلم بند کردیا ہے لیکن یاد رکھنا

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ —

خلاف جد و جہد کر سکتا ہے جو کچھ کھاتا پیتا نہیں " کی تشریح ان الفاظ " مثل مزدک ابن بام داذ " سے کی گئی ہے - بہمن یشت میں بھی " مزدک مردود " کا تذکرہ ہے مگر یہ پہلوی کتاب سب سے آخری زمانے کی ہے بلکہ حسب خیال ویسٹ اس کا موجودہ نسخہ بارھویں صدی عیسوی کا ہے ' مزدک نامک ایک اور پہلوی کتاب تھی جو ابن المقفع کے بے شمار پہلوی کتابوں کے عربی ترجموں میں سے تھی لیکن بدقسمتی سے کتاب کا کہیں پتہ نہیں ' صرف عرب مصنفین کی بعض کتابوں میں اس کے جستہ جستہ حصے باقی ہیں —

۲ - یونانی	یونانی میں مزدک کا ذکر پروکوپی اس ' تھیوپےنیز اور جان ملالاس کی تصنیفات میں آیا ہے —
۳ - سریانی	سریانی میں یھوسع اسطوانی کی تاریخ (مرتبہ و مترجمہ رائٹ دفعہ ۲۰) جس میں بادشاہ قباد

کی " مذموم روش " کا ذکر ہے کہ اس نے " ناپاک فرقہ مجوس کو جو زراوشتگان کہلاتا ہے اور عورتوں کو مال مشترک بتاتا ہے " دوبارہ زندہ کیا —

۴ - عربی	عربی میں مفصلہ ذیل مورخوں نے حوالے ثبت کئے ہیں —

۱ - الیعقوبی (قریب سنہ ۲۶۰ ھ کے مرتبہ ھوتسما جلد اول صفحہ ۱۸۶) جس کا بیان ہے کہ مزدک اور اس کا اُستاد زرتشت

(باقی بر صفحہ آئندہ)

چاھئے کہ یہ ضمیمہ تمام تر ان عیسائی اور زرتشتیوں کے بیانات پر مبنی ھے جو مزدک کی تعلیم کے سخت دشمن تھے' اگر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) —

خرگان دونوں نوشیروان کے ھاتھہ سے قتل ھوئے —

۲ - ابن قتیبہ (متوفی * سنہ ۲۷۰ -۶ ۲۷ ھ ' کتاب المعارف مرتبہ وستنفیلڈ سنہ ۱۸۵۰ ع صفحہ ۳۲۸) —

۳ - دنیوری (متوفی سنہ ۲۸۲ - ۲۹۰ ھ مرتبہ گرگاس صفحہ ۶۹) —

۴ - طبری (متوفی سنہ ۳۱۰ ھ مرتبہ ڈے خوبہ سلسلہ ۱ جلد دوم صفحات ۸۸۵ - ۸۸۶ ترجمہ نولڈیکی صفحہ ۱۴۰ - ۱۴۴ [طبری] صفحہ ۸۹۳ - ۸۹۴ نولڈیکی ۱۵۴ و ۱۵۵) —

۵ - حمزۂ اصفہانی (اوائل چوتھی صدی ھجری) —

۶ - یوتی کی آس (سعید بن بطرق) (متوفی ۳۲۸ ھجری)-

۷ - مسعودی (متوفی ۳۴۶ ھ مروج الذھب مرتبہ بی - ڈے مینارڈ جلد دوم صفحہ ۱۹۵ - ۱۹۶) —

۸ - البیرونی (متوفی ۴۴۰ ھ مترجمہ زخاو صفحہ ۱۹۲) (آثار الباقیہ من عربی صفحہ ۲۰۹) —

۹ - شہرستانی (متوفی ۵۴۸ ھ کتاب الملل مرتبہ کیورٹن صفحہ ۱۹۲ - ۱۹۴ ترجمہ ھاربرکر صفحہ ۲۹۱ - ۲۹۳) —

۱۰ - ابن الاثیر (متوفی سنہ ۶۳۰ ھ) —

۱۱ - ابوالفدا (متوفی سنہ ۷۳۲ھ مرتبہ فلایشر صفحہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

* دیکھو ابن خلکان مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۰ ھ ج ۱ :/۲۵۱ - ابن قتیبہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ھے - بعض ۲۷۰ بعض ۲۷۱ بعض ۲۷۶ اس کی تاریخ وفات بتاتے ھیں مگر ۲۷۶ والے قول کو ابن خلکان نے اصح الاقوال بتایا ھے —

صفائی کے بیانات بھی آج محفوظ ہوتے تو ہمیں اس کی بعض پاکیزہ خصوصیات یا کم از کم تردیدی عذرات نظر آسکتے جن کا اب ہمیں مطلق علم نہیں - اگر مثال کے طور پر ہم جدید زمانے کی نظیر پر غور کریں تو بغض و عناد کے کرشموں پر ہمیں انگشت بدندان ہونا پڑے گا - بابیوں کی تعلیم و اصول معلوم کرنے کے لئے اگر ہم سرکاری تاریخ نویس مثلاً درباری مورخ لسان الملک کی ناسخ التواریخ یا رضا قلی خاں جیسے قابل شخص کے ذیل روضۃ الصفا یا غیر متعصب اہل یورپ کے بیانات پر جن کا ماخذ رائج دربار قصص تھے پورا پورا تکیہ کرلیں تو ہم جان سکتے ہیں کہ اس قسم کے مبالغہ امیز اور عناد آلود حالات سے بابیوں کی نسبت ہمارا فیصلہ کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا - اس سلسلے میں یہ پہلو ذکر کے لایق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں مزدکیوں اور انیسویں میں بابیوں دونوں کے خلاف ان کے دشمنوں نے یہ مشہور کیا کہ ان کے ہاں اشتراک پسندی اور اباحت * خصوصاً عورتوں کے معاملے میں عین دین

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

(۸۸ - ۹۱) نیز دیگر مورخین —

۵ - فارسی | فارسی میں شاہنامہ فردوسی (مرتبۂ میکن جلد سوم صفحہ (۱۶۱۱ - ۱۶۱۹) اور سیاست نامہ نظام الملک (مرتبہ شیفر صفحہ ۱۶۶ - ۱۸۱) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں —

* اصل میں ہے " اینٹی نومین ازم " یعنی " ناموس شکنی " اینٹی نومین جرمنی کا ایک فرقہ تھا جو ۱۵۳۵ کے قریب

باقی بر صفحہ آئندہ

وایہان ہے لیکن چونکہ اس وقت ثابت ہوچکا ہے کہ اشتراکیت کا اصول جس حد تک شروع زمانے کے عیسائیوں کی طرح ابتدائی بابیوں میں رائج تھا وہ محض اتفاقی تھا اور اس کو کسی معنی میں بھی بانیء مذہب کی خصوصیت قرار نہیں دے سکتے ' اس لئے ہمارا یہ گمان بیجا نہ ہوگا کہ مزدک اور اس کے پیروؤں کی اشتراکیت بھی کسی حد تک بشرح صدر اتفاقی تھی ؂

تعلیم مزدک

یہ امر مشتبہ ہے کہ جو اعتقادات مزدک سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ درحقیقت اسی کے دماغ کا نتیجہ ہیں کیونکہ بعض ماخذوں میں لکھا ہے کہ ان کا اصل بانی زرادشت بن خرگان ہے جو فسا علاقۂ فارس کا رہنے والا تھا - بہر نوع اس تعلیم کی علمی بنیاد سے ہم اس قدر بھی واقف نہیں جس قدر کہ اس کے عملی نتایج سے روشناس ہیں ' نولدیکی نے خوب کہا ہے کہ " موجودہ اشتراکیت اور سوشلزم (جہاں تک ان ملکوں کو اشخاص کے تخیلات سے نہیں بلکہ ان کے معمول * سے علاقہ ہے) سے تعلیم مزدک کو جو چیز جدا کرتی ہے وہ آخرالذکر کا مذہبی رنگ ہے " - مزدک کے خیال میں ہر ایک بڑے فعل کا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

وجود میں تھا ' کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک نصاریٰ کے لئے نوامیس اخلاق کی پابندی ضروری نہ تھی - " ناموس " بمعنی قانون ' عربی میں یونانی سے مستعار لیا گیا ہے ' اسلامی اصطلاح میں ایسے لوگ اباحی کہلاتے ہیں (مترجم)—

* Practice

سر چشمہ یا تو حسد ھے ' غصہ ھے یا لالچ اور یہی تین رذائل ایسے ھیں جنھوں نے خدا کی مرضی اور حکم کے خلاف مساوات انسانی فنا کر رکھا ھے ؛ اس مساوات کا از سر نو قایم کرنا اس کا مقصد تھا - رھبانیت کا عنصر جو مانی کی تعلیم کے اجزاے کبار میں تھا اور جس پر زرتشتیوں کو اس قدر اعتراض تھا ' مزدک کے مذھب میں بھی اس حد تک موجود تھا کہ اس میں خونریزی اور گوشت سے لوگوں کو منع کیا گیا ھے - فی الحقیقت جیسا کہ ھم اوپر لکھہ آئے ھیں (صفحہ ۲۹۸ نوٹ (۱) وغیرہ) زرتشتی موبدوں کے نزدیک مزدک سب سے زیادہ وہ "بے دین اشموغہ تھا جو کھاتا نہیں" -

مزدکیوں کا عروج و زوال

بادشاہ کواذ (قباد) نے بعض سیاسی وجوہ سے ' جن میں بخیال نولدیکی بڑی وجھہ یہ تھی کہ امرا اور موبدوں کی زبردست طاقت کو توڑ دیا جائے ' ابتداً تعلیم نو پر التفات کیا ' مگر جب اس کی بدولت کواذ کو اپنے بھائی جاماسپ کے لئے عارضی طور پر تخت خالی کرنا پڑا تو غالباً اس کے خیالات میں بے حد انقلاب پیدا ھوگیا اور مزدکیوں کے ساتھہ اس کا طرز سلوک بدل گیا 'تاریخی شواھد کے موازنہ سے پایا جاتا ھے کہ عام روایات مزدکیوں کے

مزدکیوں کا قتل ۵۲۸ - ۵۲۹ع

جس قتل کو خسرو اول سے منسوب کرتی ھیں اور جس کے سبب سے وہ "نوشیروان" (= انوشک روبان = لافانی روح والا) کے اعزاز سے ملقب ھوا وہ قباد کے آخر عہد کا واقعہ ھے - اس کا مروج اور مشھور حال (جو پوری تفصیل کے ساتھہ سیاست نامہ نظام الملک طوسی '

مرتبہ شیفر صفحہ ۱۶۹ تا ۱۸۱ اور ترجمہ صفحہ ۲۴۵ تا ۲۶۶ میں درج ہے) یہ ہے کہ شہزادہ نوشیروان نے جب اپنے باپ بادشاہ کواذ کے سامنے مزدک کی فتنہ پردازی اور شعبدہ بازی کی قلعی کھول کر رکھ دی تو اس کے بعد مصنوعی اقرار و ایمان سے شہزادے نے مزدک کو دھوکہ دیا اور ایک خاص دن مقرر کرکے اس سے طے کیا کہ وہ تمام پیروان مزدک کے روبرو نئے مذہب کا باضابطہ اور علانیہ اقرار کرے گا - مزدکیوں کے نام دعوت نامے جاری کئے گئے تاکہ وہ شاہی باغات میں شہزادے کی ایک جلیل‌القدر دعوت کے لئے مجتمع ہوں لیکن جس وقت ایک گروہ باغ میں داخل ہوتا تو سرکاری سپاہی جو دروازے کے قریب چھپادئے گئے تھے نکل کر اس کو پکڑ لیتے ' اورہر شخص کو قتل کرکے اس طرح دفن کردیتے کہ اس کا سر اور دھڑ زمین میں اور ٹانگیں زمین سے باھر نکلی رھتیں۔ جب سارے مزدکی زمین کے پیوند ہوگئے تو نوشیروان نے مزدک کو طلب کرکے اپنے ایوان خاص میں بٹھایا ' دعوت میں ذرا دیر تھی اس لئے وقت کاٹنے کے بہانے سے وہ مزدک کو اپنے ساتھ باغ میں لے گیا ' اور باغ کی پیداوار دکھانے لگا - جب یہ دونوں باغ میں داخل ہوے تو نوشیروان نے اٹھی ہوئی ٹانگوں کی طرف اشارہ کرکے کہا " دیکھ یہ تیری مذموم تعلیم کی فصل کھڑی ہے " - پھر اس نے ایک اشارہ کیا ' سپاہی جھپٹے اور مزدک کو باندھ کر مٹی کے ایک چبوترے میں جو باغ کے بیچوں بیچ اس کے لئے خاص طور سے تیار کیا گیا تھا سرنگوں کرکے زندہ دفن کردیا —

عینی شہادت | اس قتل کا ایک بیان جو ایک عینی شاہد تی موتھی آس ' ایرانی سے مروی ہے '
تھیو فینیز اور جان ملا لاس کی کتابوں میں محفوظ ہے ۔
اس دردناک موقع پر بادشاہ کا طبیب مسیحی بشپ بے زے نیز
بھی موجود تھا ' زمانۂ حال میں اس کی ایک عجیب نظیر پائی
جاتی ہے ' یعنی آنجہانی ناصرالدین شاہ کا درباری طبیب ڈاکٹر
پولک بھی حور شمائل بابی خاتون قرۃالعین کے قتل کے ہولناک
سانحہ کے وقت موجود تھا ' جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں واقع ہوا

مزید حالات | اس قتل میں جو آخر سنہ ۵۲۸ یا شروع ۵۲۹ کا واقعہ ہے ' مزدک کے پیرو خواہ کتنی ہی کثیر تعداد
میں کام آئے ہوں لیکن یہ قرین قیاس نہیں کہ پورا فرقہ ایک
دن میں معدوم ہوگیا ہو اور ہم بربنائے وجوہ کہہ سکتے ہیں کہ
نوشیروان نے اپنی تخت نشینی پر ۵۳۱ ع میں ان کو ضرور
مصائب کا شکار کیا ہوگا ۔ اس کے بعد اس فرقے کا وجود گو
علانیہ نہ رہا لیکن غالباً اس کے افراد چھپے چوری باقی رہے۔
بعض اسلامی مصنفوں کے اقوال سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مزدکی
اصول مانوی عقائد کی طرح دور اسلام تک زندہ رہے اور
بعد کے زمانے میں بعض انوکھے اور اباحی فرقوں نے ان کو
کم و بیش ان کی اصلی صورت میں پیش کیا جن کی
تفصیل و بحث آئندہ ابواب کے لئے مخصوص ہے ' ہم اس رائے کو
غیر اغلب نہیں سمجھتے ۔ مشہور نظام الملک طوسی نے اس
خیال کی شد و مد سے تائید کی ہے اور ' سیاست نامے ' میں اس
نے وضاحت کے ساتھ دکھلایا ہے کہ اسماعیلیہ اور باطنیہ جن

سے اس کو سخت نفرت تھی (اور بجاتھی' کیونکہ ۱۴ - اکتوبر سنہ ۱۰۹۲ ع کو ایک باطنی کے خنجر سے ہلاک ہوا تھا) مزدکیوں کے بلاواسطہ جانشین ہیں—

(۴)

آل ساسان کا انحطاط و زوال

نوشیرواں کے دراز و ممتاز دور حکومت میں (جو ۵۳۱ع سے ۵۷۸ ع تک رہا) کوئی سال ایسا یادگار اور نتیجہ خیز واقعات سے لبریز نہیں گزرا جیسا کہ بیالیسواں سال (۵۷۲ - ۵۷۳ ع) جسے اہل عرب "عام فیل" کہتے ہیں - اس سال ایک طرف تو نوشیروان نے بڑے بڑے معرکوں کے بعد یمن کی شاداب اور اور قدیم حکومت کو ایران میں داخل کر کے اس زمانے کے عجمی پرستاران شہنشاہیت کے لئے ناز و مسرت کا سامان پیدا کیا اور دوسري طرف بعیدالفاصلہ مکہ میں وہ وجود پیدا ہوا جس کي تعلیم آل ساسان اور کیش زرتشت کو صفحۂ وجود سے مٹانے والي تھی' یعنی محمد رسول اللہ (صلعم) آپ کی ولادت کی شب کو ان روایتوں کے مطابق جنھیں پرہیزگار مسلمان نہایت محبوب سمجھتے ہیں' تاجدار عجم کا محل زلزلے سے ہل گیا تھا - یہاں تک کہ اس کے چودہ کنگورے زمین پر گر پڑے —

ساسانیوں کی سلطنت کے لئے بدشگونی

مقدس آگ جو ایک ہزار سال سے جل رہی تھی' بجھ گئی - ساوہ جھیل کا پانی دفعتاً خشک ہوگیا اور موبد موبدان نے خواب میں دیکھا کہ دجلے کي طرف عربی گھوڑے اور اونٹ ایران کا مغرب پامال کر رہے ہیں - ان بد شگونیوں پر نوشیروان کا دل دھڑکنے لگا

اور یہ پریشانی اس وقت بھی نہ مٹی جب کہ اس کا عیسائی قاصد قبیلۂ غسان کا عرب عبدالمسیح اپنے بڈھے چچا سطیح کا مبہم جواب لیکر جو صحرائے شام کی سرحد پر اقامت گزیں تھا واپس لوٹا - یہ جواب سجع * تھا - جس کو عربی کاہن اپنے الہامی جوابوں کے لئے موزوں و مناسب سمجھتے تھے اس کے الفاظ یہ ھیں :—

سطیح کا الہامی جواب

عبدالمسیح علی جمل یسیح الی سطیح و قد اوفی علی الضریح بعثک ملک بنی ساسان ' لارتجاس الایوان ' و خمود النیران ' و رؤیا ' الموبذان ' رای ابلاصعابا ' تقود خیلاعرابا قد قطعت دجلة و انتشرت فی بلادھا —	عبدالمسیح تو اونٹ پر سوار ھوکر سطیح کے پاس آیا ھے جو اس وقت محض چراغ سحری ھے ' تجھ کو ساسانی بادشاہ نے یہاں بھیجا ھے کیونکہ محل لرز گیا ھے ' آگ بجھ گئی ھے ' اور (موبذ) موبذان نے خواب میں دیکھا ھے کہ سرکش اونٹوں اور عربی گھوڑوں کو لیکر وادی (دجلہ) میں گھس آئے ھیں اور علاقے میں پھیل گئے ھیں —
یاعبدالمسیح اذا کثرت التلاوة و بعث صاحب الھراوة ' و فاض	اے عبدالمسیح ! جب قرات پھیل جائے گی اور صاحب

* حضرت مصنف نے تسامح سے " مقفی رجز " لکھا ھے جو صحیح نہیں ھے —

وادی السماوۃ، و غاضت بحیرۃ ساوہ، و خمدت نار فارس، فلیست الشام لسطیح شأما، یہلک منہم ملوک و ملکات، علی عدد الشرفات و کل ماھو ات$

عصا* آجاے گا، اور وادی سماوہ† میں لشکر بھر جاے گا اور ساوا کی جھیل سوکھ جائیگی، اور ایران کی آتش بزرگ کچھہ کام نہ دے گی اور سطیح کے لئے شام نہ رھے گا، تاھم کنگوروں‡ کی تعداد کے مطابق تمھارے ملوک و ملکات حکومت کریں گی اور ان کی سلطنت قائم رھے گی اگرچہ جو کچھہ شدنی ھے وہ سرعت سے سامنے آرھا ھے'' —

---

* حضرت عمر سے مراد ھے، ان کے عہد (۶۳۴ - ۶۴۴ع) میں ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی تھی —

† حیرہ کے قریب ایک مقام ھے، اس کے نواح میں قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ ھوئی تھی —

‡ چودہ کنگورے جن کو نوشیروان نے خواب میں گرتے ھوے دیکھا تھا، قیاساً نوشیروان کے چودہ جانشین مفصلۂ ذیل ھیں :— ۱ - ھرمزد چہارم؛ ۲ - خسرو پرویز؛ ۳ - شہرویہ؛ ۴ - اردشیر سوم؛ ۵ - شہربراز؛ ۶ - پوران دخت؛ ۷ - گشتسپ دہ؛ ۸ - آزرمی دخت ۹ - خسرو بن مہر گشتسپ ۱۰ - خرزاد خسرو؛ ۱۱ - پیروز بن گشتسپ دہ؛ ۱۲ - فرخ زاد خسرو؛ ۱۳ - ھرمزد پنجم؛ ۱۴ - یزدگرد سوم؛—

$ (طبری - طبع - یورپ مع حصہ اول ۱ : ۹۸۳) جزاً اختلافات متنی کے لئے دیکھو عقدالفرید طبع سنہ ۱۳۲۱ ج ۱ صفحہ ۱۰۸ و بعداو لسان العرب ۳ : ۳۱۳ —

لیکن شگون و آیندہ بینی کے ان قصوں کو تاریخی واقعات کی بجائے فرضی اور بعد کے خیالات‌شمار کرنے چاھئیں- اور اس بات کا یقین رکھنا چاھئیے کہ اور ھزاروں جلیل‌القدر واقعات کے مثل پیغمبر عربی کی ولادت اس قسم کے آسمانی نعروں سے مشتہر نہ کی گئی ھوگی، اور نہ اس نے اھل مکہ کو اپنی جانب ایک لمحے کے لئیے متوجہ کیا ھوگا ، کیونکہ "عام‌الفیل" ان کے تفکرات کے لئیے بہت کافي سامان رکھتا تھا —

چھٹی صدی میں عربوں کے سیاسی تعلقات

چھٹی صدی کے آغاز میں عربوں کی سیاسی حالت کا اجمال یہ ھے :- عرب کے مغرب میں غسان کی حکومت رومیوں کے زیر اقتدار تھی- اور مشرق میں حیرہ کی حکومت ایرانیوں کی سیادت میں - مگر وسط عرب کے اکثر باشندے لق و دق صحراؤں میں محفوظ اور باھم مخالف قبیلوں میں منقسم تھے، تقریباً موجودہ بدووں کے مانند قتل و غارت، یورش و جنگ اور شعر گوئی میں زندگی بسر کرتے تھے اور ھمسایہ حکومتوں سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے ' جنوب میں یمن کی قدیم و دولت مند حکومت اپنے تبابعہ یا ملوک کے ماتحت تہذیب و تمدن اور فراغت و تمول کے لحاظ سے نسبتاً بہتر حالت میں تھی، بدنام و رسوا اور غاصب نحیعہ ذو شناتر شہزادہ ذونواس کے ھاتھ سے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا اور چونکہ جنوب عرب میں ملکۂ سباء بلقیس کے عہد سے سلطان کُشی وراثت تخت کی بہترین دلیل خیال کی جاتی تھی ' اس لئیے ذونواس کو بانتخاب عام قدیم حمیری قوم کا بادشاہ تسلیم کرلیا گیا ' لیکن جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ھوگیا ھے ' وہ اس قوم کا آخری

بادشاہ تھا —

ذونواس اور نجران کے عیسائیوں پر مصیبت

سلطنت کا تخت حاصل کرنے کے بعد ذونواس یہودی ہوگیا اور نئے مذہب کے جوش میں اس نے نجران کے عیسائیوں پر مصائب کی ایک گھتا پھیلادی' جب انھوں نے ترک عیسویت سے انکار کیا تو ان کو تلوار کے گھاٹ اتارنا شروع کیا' ان کو آگ میں جھونکا اور گڑھوں میں؛ جو اس کام کے لئے تیار کئے گئے تھے؛ بھون ڈالا- غرض ان غریبوں کے ساتھہ بے رحمی کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا' قران شریف میں اس ہولناک واقعے کی طرف اشارہ ہوا ھے ' سورہ ۸۵ :-

اصحاب اخدود

قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود- اِذ ہم علیہا قعود - وہم علیٰ ما یفعلون بالمؤمنین شہود- و ما نقموا منہم اِلا اَن یؤمنوا باللہ العزیز الحمید —

خندقوں والے ہلاک ہوں' (اور وہ خندقیں) آگ (کی تھیں) جن میں ایندھن تھا' جب کہ وہ خود خندقوں پر بیٹھے ہوے تھے اور جو (ظلم و ستم) مؤمنوں پر کر رہے تھے وہ (اس کا تماشا) دیکھہ رہے تھے اور وہ مؤمنوں کی اس بات سے چڑے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جو زبردست اور سزاوار حمد و ثنا ھے -

حبشیوں کا یمن فتح کرنا

طبری کا بیان ھے کہ مظالم ذونواس میں (۵۲۳ع) بیس ہزار سپاہی مارے گئے تھے

مگر یہ صحیح نہیں ' بخیال اغلب مقتولین کی تعداد دو سو سے زیادہ نہ تھی ' تاہم جب اس ہولناک واقعے کی خبر کو ایک مفرور نے حبش میں پہنچایا تو یہاں اکے نصرانیوں کی آتش غضب بھڑک اُٹھی اور ان کے فرمانروا نجاشی یا نیگوس نے اپنے ہم مذہبوں کا بدلہ لینے کے واسطے یمن پر چڑھائی کردی ' حبشی فوج کے سپہ سالار ارباط اور ابرھہ تھے ' انھوں نے اهل یمن کو شکست فاش دی ' جب ذونواس نے دیکھا کہ بات بالکل بگڑ چکی ہے تو ایڑ مار کر اپنے مرکب کو سمندر میں ڈال دیا اور انسانی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہوگیا' اس واقعے کو 'ذوجدن' ایک حمیری شاعر نے اشعار ذیل میں قلمبند کیا ہے :—

ھونک - لیس یرد الدمع ما فاتا	ٹھیرو - جو چیز گزر گئی اُسے
لا تھلکی أسفاً فی ذکر من ماتا	آنسو نہیں لوٹا سکتے - جو مرگیا
أ بعد بینون لا عین ولا أثر	اُس کے ذکر میں صدمہ سے جان
و بعد سلحین یبنی الناس أبیاتا	نہ ضائع کر - جبکہ بینون اور
——	سلحین (جیسے قصروں) کا نام
دعینی لا أبالک لن تطیقی	و نشان تک باقی نہیں رھا -
لحاک الله قد أنزفت ریقی	تو کیا اِس کے بعد لوگ (ویسی)
لدی عزف القیان إذا فتشینا	عمارتیں بنا سکتے ہیں ؟ -
وإذ نسقی من الخمر الرحیق	چل دور ہو ' تیری آہ و زاری
——	بیکار ہے - خدا تیرا برا کرے '
	تیرے کو سنے نے میرا لعاب دھن

و شرب الخمر ليس علّي عاراً
إذا لم يشكني فيها رفيقي
فان الموت لا ينهاه ناه
ولو شرب الشفاء مع النشوق
ولا مترهّب في أُسطوان
يناطح جدره بيض الأنوق
وغمدان الذي حدثت عنه
بنوه مسكاً في رأس فيق
بمنهمة و آسفله جروب
وحر الموحل اللثق الزليق
مصابيح السليط تلوح فيه
إذا يمسي كتوماض البروق
ونخلته التي غرست اليه

خشک کر دیا (گزشتہ دور میں
گانے والوں کے راگ اور ستار
کے نغمے خوش گوار تھے جب کہ
ہم شراب خالص پی اور پلا
رہے تھے) - شراب نوشی ہمارے
لئے کوئی عار نہیں - اگر ہمارا
شریک مے نوشی ہم سے سرگراں
نہ ہو - اس واسطے کہ موت کو
کوئی نہیں روک سکتا - اگرچہ
وہ سونگھنے اور پینے کی دوائیں
صحت کے لئے استعمال کرتا رہے-
نہ کوئی راہب گوشہ نشین
(بھی موت سے بچ سکتا گو وہ)
ایسی اونچی خانقاہ میں
(رہتا ہو) جہاں عقاب اپنے انڈے
دیتے (اور گھونسلے بناتے ہیں)-
اور غمدان کی نسبت تو نے سنا
ہوگا- جس کی سر بفلک عمارتیں
چھوٹی جھونپڑیوں سے الگ پہاڑ
کی چوٹی پر بنائی گئی تھیں-

يكاد المبسر يهرز بالعذوق
فاصبح بعد حدّته رماداً
وغيّر حسنه لهب الحريق
وأسلم ذونواس مستهيئاً
وحذر قومه فنك المضيق

اور جس کے در و دیوار اور فرش صاف و شفاف مٹی اور پتھروں سے بنے ہوے تھے—

اور کوندنے والی بجلی کی طرح تیل کے چراغ اس میں رات کو روشن ہوتے تھے- اور کھجور کے درخت ادہ کچرے پھلوں سے ایسے لدے ہوے تھے کہ معلوم ہوتا اُن کے بوجھ سے درخت ٹوٹ پڑیں گے—

اب وہی عالیشان محل ایک خاک کا ڈھیر ہے—

آگ کے جھلسا دینے والے شعلوں نے اُس کے حسن و جمال کو مٹا دیا ہے—

ذونواس نا امید ہوکر اپنی موت سے دوچار ہوا مگر وہ اپنی قوم کو آخر دم تک موت کی ناگریز مصیبتوں سے آگاہ کرتا رہا—

(طبری طبع یورپ جلد اول حصہ اول صفحہ ۹۲۸ وبعد)

اریاط کا قتل

تاہم اریطا فاتح یمن کی عمر نے وفا نہ کی کہ فتح کے ثمر سے بہرہ اندوز ہوتا، اس کے خود غرض نائب ابرھہ نے یکایکی مقابلے میں دھوکے سے اس کا کام تمام کردیا، خود اس کے چہرے پر بھی ایک زخم آیا، جس کے سبب سے وہ الا شرم یعنی نکٹا کہلانے لگا—

مکہ کے خلاف ابرھہ کی مہم

اب ابرھہ نے سوچا کہ یمن کے پایہ تخت صنعا میں ایک پر شوکت و عظیم‌الشان معبد تیار کرنا چاہئیے۔ اس ترکیب سے وہ عرب زائرین کے سیلاب کا رخ مکہ کی مربع عبادت گاہ (یعنی کعبہ) سے پھیرنا چاہتا تھا، عربوں کو یہ جدت ناگوار گذری، یہاں تک کہ قبیلۂ فُقیم کا ایک کاھن عرب نئی عمارت میں چپکے سے گھس گیا اور اس کی بے حرمتی کی، اس پر ابرھہ سخت برھم ہوا اور اس نے مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا حلفیہ عزم کیا، بعد ازاں اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے جنگی ھاتھی اور کثیر التعداد حبشی سپاہ لیکر مکہ پر چڑہ آیا—

شہر کے قریب مغمّس میں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا کہ رسول عربی ﷺ کے دادا عبد المطلب نے اس سے ملاقات کی، جو قبیلۂ قریش کے ارباب کبار میں تھے۔ اور یہ وہ معزز قبیلہ ھے، جو معبد مقدس کا خاص محافظ تھا، ابرھہ ان بزرگوں کے انداز

عبد المطلب اور ان کے اونٹ

گفتگو اور ادب آداب سے ایسا خوش ہوا کہ اس نے مترجم کے ذریعے سے ان کو درخواست عطیات کی ھدایت کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا

" میں چاھتا ھوں کہ بادشاہ میرے وہ دو سو اونٹ واپس کر دے جو مجھہ سے چھین لئے گئے ھیں" - ابرھہ متعجب ھوکر بولا " تجھہ کو اپنے دو سو اونٹوں کی پڑی ھے جو میں نے تجھہ سے لے لئے ھیں لیکن تو اس معبد کا کچھہ ذکر نہیں کرتا جو تیرا اور تیرے بزرگوں کا عبادت خانہ ھے اور جس کو میں توڑنے کے لئے آیا ھوں" عبدالطلب - کا جواب عربی خصوصیات میں ڈوبا ھوا تھا ' انھوں نے کہا " میں اونٹوں کا مالک ھوں ' معبد کا مالک خدا ھے ' وہ خود اس کی فکر کر لے گا " جب ابرھہ نے کہا " وہ اس کو میرے ھاتھہ سے نہیں بچا سکتا " - تو وہ بولے " یہ کس نے دیکھا ھے ' مجھہ کو تو میرے اونٹ واپس دے دے " —

اونٹ لیکر عبدالمطلب تو اپنے ساتھیوں سمیت ایک پہاڑ کی چوٹی پر نتیجے کے انتظار میں جا بیٹھے ' مگر جانے سے پہلے وہ کعبے کی زیارت کو گئے اور بیرونی دروازہ کے عظیم الشان حلقۂ دستک کو ھاتھہ میں پکڑ کر آواز سے بولے :—

یا رب لا ارجو لہم سواکا	اے خدا ! غنیم کے مقابلے پر
یا رب فامنع منہم حماکا	میں تیری مدد چاھتا ھوں'
اِن عدوالبیت من عاداکا	اے خدا ! تو ان کو اپنے ارض
اِمنعہم أن یخربوا قراکا	پاک سے دفع کر - تیرے گھر
	کا دشمن تیرے مقابلے پر آیا ھے
	تو اپنے شہر کو اس کے تباہ کن
	ھاتھہ سے بچا —

(طبری طبع یورپ ۱: ۹۴۰

محمود هاتھی

دوسرا دن هوا تو ابرهه حملے کی نیت سے فوج لیکر مکه کی طرف بڑھا ' فوج کے آگے آگے محمود نامی قوی الجثه هاتھی تھا لیکن جونہی اُس هاتھی نے آگے قدم اٹھایا ' ایک عرب جس کا نام نفیل تھا ' اس کی طرف جھپٹا اور اس کا کان پکڑ کے کہا " او محمود جھک جا اور جدھر سے آیا هے اُدھر هی سیدھا واپس چلا جا کیونکه تو اس وقت خدا کی پاک زمین پر هے " - هاتھی وهیں بیٹھ گیا ' مہاوت نے بہتیرے آنکس مارے مگر وہ ٹس سے مس نه هوا ' مکه کی جانب ایک قدم نه بڑھاتا تھا ' باقی هر طرف جانے کو تیار تھا —

ابابیلیں

اس کے بعد الله تعالیٰ نے افواج حبش کے خلاف ابابیلوں کے مثل (قرآن شریف کے بیان کے بموجب) چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک لشکر پیدا کردیا * هر ایک پرند کے پاس تین تین کنکریاں تھیں ' ایک چونچ میں اور دو دونوں پنجوں میں ' اُن کو پرندوں نے حبشیوں پر پھینکا ' جس کسی کے کنکری لگ جاتی وہ فوراً مر جاتا تھا ' اس صورت سے حبشیوں کو شکست فاش هوئی ' روایت هے که ایک شخص فرار هوکر حبش پہنچا اور اس نے لوگوں سے یه واقعه بیان کیا ' جس وقت لوگوں نے اس سے دریافت کیا که وہ پرندے کیسے تھے تو اس نے اوپر ایک پرندے کی طرف

---

* " ابابیل " جماعة طیور کو کہتے هیں —

کلام الله میں نه " ابابیلوں کے مثل کا ذکر هے " نه " لشکر پیدا کرنے کا " —

اشارہ کیا جو ابھی تک اس کے سر پر منڈلا رہا تھا ' وہ اسے بتا رہا تھا کہ اس نے چونچ سے ایک کنکری چھوڑی اور وہ بھی راھی عدم ہوا —

یہ واقعات ہیں جن کی وجہ سے اس پراھمیت سال کو " عام الفیل " کہتے ہیں۔ قرآن شریف کی سورۂ فیل میں اس قصے کا حوالہ آیا ہے ' اس کے الفاظ یہ ہیں :—

الم ترکیف فعل ربک با صحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل	کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ تمہارے رب نے ھاتھی والوں کے ساتھہ کیا کیا ' کیا خدا نے ان کی ساری تدبیریں خاک
.... فجعلھم کعصف ماکول —	میں نہیں ملا دیں اور اُن کو کھاے ہوے بھوسے کي طرح کر دیا —

اس قصے کی تاریخی بنیاد

مغربی اھل تحقیق کے دائرے میں اس قصے کی بابت جو عام راے پھیلی ہوئی ہے' وہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایک اصلی واقعے پر مبنی ہے ' وہ کہتے ہیں کہ فی الحقیقت چیچک کي ایک شدید اور ناگہانی وبا نے ناپاک حملہ آوروں میں سے بہتوں کو ھلاک کر دیا اور باقیوں کو بھگا دیا ' ایسی حالت میں کچھہ تعجب نہیں کہ عربوں نے اس معجز نما رد یورش کو خدا کا جلوہ اور اس کی قدرت کا کرشمہ باور کیا اور 'عام فیل' سے ان کی قومی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا —

سیف بن ذی یزن کی شاہ ایران سے استمداد

ابرہہ تباہ ہوگیا مگر اہل یمن کو حبشی غلبے سے نجات نہ ملی، اس کے بعد اس کے بیٹے یکسوم * اور مسروق باری باری سے تخت پر بیٹھے، انھوں نے حمیر لوگوں کو بہت تنگ کیا تاآنکہ مظلوموں نے سیف بن ذی یزن کو تدارک مصائب کے لئے باہر روانہ کیا تاکہ وہ مشرقی روم یا دولت ایران سے استمداد کرے۔ کیونکہ اس وقت دنیا کا یہ حصہ ان دونوں کی سیاست و اقتدار میں تقسیم تھا لیکن جب اول الذکر طاقت نے بے اعتنائی برتی تو اس نے حیرہ کے عرب بادشاہ منذر سے درخواست کی کہ وہ اس کو ایرانی دربار میں باریاب کرا دے، نوشیرواں نے اس کو دربار عام میں طلب کیا تو وہ اپنے زرنگار تخت پر جلوہ افروز تھا اور اس کے سر پر ایک بہت بڑا قنقل † تھا تاج رکھا ہوا نہیں بلکہ چھایا ہوا تھا، وہ لعل و یاقوت اور الماس و گوہر سے چمک رہا تھا اور چھت سے زنجیر میں لٹک رہا تھا، ایک زمانے میں یہ تاج سلاطین ساسان کے لئے مایۂ ناز اور موجب ایذا تھا —

سیف ابن ذی یزن جب اس پُر شوکت ہستی کی تعظیم سے فارغ ہوچکا تو اس نے کہا "اے بادشاہ! کالے کوّوں نے ہمارا ملک چھین لیا ہے" نوشیرواں نے پوچھا "کن کوّوں نے، حبش کے یا ہندوستان کے" - سیف نے جواب دیا "حبشی کووں نے- اب

---

* اس کا ایک سکہ ہے جس کے نقوش روپل نے نکالے اور جو بقول گد شمید (بسی لی یس یکسوسی) کا قصہ ہے اور اس کے دوسرے رخ پر اس کے آقا "گیرمم" کا نام ہے۔

† خشک اشیا کے ناپنے کا پیمانہ۔ تاج خسرو کا نام —

تیرے پاس آیا ہوں کہ تو میری مدد کر اور ان کو میرے ملک سے نکال دے' پھر میرے وطن پر تیری حکومت مان لی جاے گی کیونکہ ہم تجھے ان لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں " —

بادشاہ بولا " تیرا ملک ہمارے ملک سے بہت دور ہے اور پھر وہ مفلس و نادار بھی ہے سواے بھیڑ اور اُونٹوں کے ہمارے لئے کیا رکھا ہے ' عرب میں ایرانی فوج بھیجنے کی نہ میں جسارت کر سکتا ہوں اور نہ مجھے ایسی خواہش " —

کفایت شعارانہ شاہنشاہیت

پس نوشیرواں نے اس کو دس ہزار درہم اور خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا ' لیکن حمیری سفیر جس وقت محل سے نکل رہا تھا تو اس نے غلام و خدام اور کنیزوں کی طرف جو اس کے گرد و پیش ایستادہ تھیں اشرفیوں کی مٹھیاں پھینکنی شروع کیں جن پر یہ لوگ بھوکوں کی طرح گرے ' جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے ابن ذی یزن کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ "شاہی عطیے کے ساتھ تو نے یہ کیا گستاخانہ سلوک کیا " - عرب نے جواب دیا کہ " میں ان کا اور کیا کرتا ' میرے ملک میں جہاں سے میں آرہا ہوں نرے چاندی اور سونے کے پہاڑ ہیں " - ایرانی تاجدار نے یہ سنا تو وہ اس جھانسے میں آ گیا اور سفیر کو اپنے مشیروں کے فیصلے تک روکنے کے لئے حکم دیا ایک وزیر نے کہا کہ " اے بادشاہ ! تیرے قید خانے میں ایسے مجرم ہیں جن کو تونے قتل کے لئے یا بزنجیر کیا ہے ' کیا انھیں تو اس شخص کو نہیں دے سکتا ' اگر وہ مارے گئے تو تیرا مقصد پورا ہو جاے گا اور اگر ملک پر قابض ہو گئے تو تیری حکومت وسیع ہو جاے گی" —

فوج مہم کی ترتیب

یہ عجیب تدبیر جس میں حصول دولت اور توسیع ملک دونوں مقصد ضم تھے بڑے جوش کے ساتھہ پسند کی گئی ' قید خانوں کی تفتیش پر آٹھہ سو مجرم کشتنی نکلے' ان کو ایک وظیفہ یاب سپہ سالار وھرز کی سرکردگی میں مرتب کیا گیا یہ اس قدر سن رسیدہ تھا کہ بموجب روایت اس کے پپوٹے اس کی آنکھوں پر چھائے ہوے تھے اور نشانے کے وقت انھیں اوپر باندھنا یا اٹھانا نا گزیر تھا * —

جب فوج مہم اِن مجرموں سے مرتب ہوگئی تو اس کو سیف کے ہمراہ آٹھہ جہازوں میں سوار کیا گیا ' لیکن دو جہاز راستے میں تباہ ہوگئے' باقی چھہ صحیح و سالم حضر موت کے ساحل پر پہونچے جہاں چھہ سو کی مختصر ایرانی جمعیت سے یمن کے کثیرالتعداد اعراب بھی آ ملے' اس دلیرانہ یورش کی خبر مسروق کو پہنچی تو وہ اپنا لشکر لے کر مقابلے پر آیا ' اِدھر وھرز نے اپنے ساتھیوں کے لئے ایک عظیم‌الشان دعوت تیار کی ' جس وقت یہ لوگ بادۂ و جام میں مشغول تھے وھرز نے اپنے جہازوں کو جلا دیا اور ذخائر سامان کو برباد کردیا ' پھر ایک پر جوش تقریر میں اس نے بتا یا کہ اب ہمیں فنا یا فتح میں ایک چیز انتخاب کرنی چاھئے ' ہمیں چاھئے کہ

---

* اس عجیب تفصیل کی نسبت جو ایک اور سلسلے میں وارد ہوی ہے نولدیکی کی کتاب " ساسانی " صفحہ ۲۲۶ ' حاشیہ نمبر ۱ ' ملاحظہ کرنی چاھئے —

اپنے فرائض کو مردانہ ادا کریں ' سب نے شجاعت کا وعدہ کیا' کرتے بھی کیا ' کیونکہ دوسرا چارہ نہ تھا ' لڑائی شروع ہوی' وھرز نے اپنے قریب کے آدمیوں سے کہا کہ ذرا سلطان حبش

وھرز کا تاریخی نشانہ

کو دیکھہ کر مجھے بتاؤ ' سلطان کی پیشانی انڈے کے برابر ایک یاقوت رمانی سے دھک رہی تھی اور وہ الگ نظر آتا تھا ' وھرز اپنے خچر پر سوار تھا ' اسی حالت میں اس نے ایک ساعدہ سعید انتخاب کر کے دشمن کے تیر مارا ' نشانہ سچا تھا ' تیر یاقوت کے بیچ میں پڑا ' پتھر ریزہ ریزہ ہو کر الگ جا پڑا ' اور تیر مسروق کی پیشانی میں گڑ گیا —

یمن کا الحاق

' بادشاہ کا کام تمام ہونا تھا کہ اس کی سپاہ کے قدم اکھڑ گئے ' فاتح ایرانیوں نے اس کو بے رحمی سے قتل کیا ' لیکن اس کے عرب اور حمیری ساتھیوں کی جان بخشی کی ' یمن ایران کا صوبہ ہو گیا ' اس کا پہلا حاکم ' اس کا فاتح وھرز تھا جس کی زندگی میں سیف نے بھی کچھہ دنوں فرمانروائی کی ' وھرز کے بعد اس کا بیٹا پھر پوتا اور پڑ پوتا اور سب کے آخر میں جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا ایک اور خاندان کا ایرانی امیر 'باذان' مسند حکومت پر بیٹھا ' اسلام کے زمانۂ آغاز میں بھی ان ایرانی وطن گزیندان یمن کے بہت سے قصے مشہور تھے ' اہل عرب ان کو ' بنوالا حرار ' یعنے امیر زادے کہتے تھے—

آل ساسان کی سریع الزوالی

ان واقعات کے تھوڑی مدت بعد (۵۷۸ میں) نوشیروان کا پیام اجل آپہنچا اور ساسانیوں

کا انحلال شروع ہوا ' دولت ایران کا ظاہر ' جس کو اسلام
کے سر فروشوں نے آئندہ صدی میں پاش پاش کردیا ' اگرچہ
ہیبت و افتخار کی شان رکھتا تھا لیکن اس کا باطن آخری تہ تک
سڑچکا تھا ' اور اس کے اندر سازشوں کا جال چھایا ہوا تھا ' عالمگیر
بے چینی و انتشار ' برادر کُشی اور فتنۂ و فساد نے اس کا
تار تار الگ کردیا تھا ' جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے خود
نوشیرواں کے عیسائی بیٹے انوش زاد نے اس کے خلاف سرکشی
کی ' نوشیرواں کے بعد اس کے جانشین ہرمزد چہارم نے اپنی
حماقت اور احسان فراموشی سے بہرام چوبین کو بغاوت پر
آمادہ کیا جس کے سبب سے ہرمزد اور اس کے بیٹے خسروپرویز
کے درمیان مغائرت پیدا ہوگئی ' آخرالذکر اور اس کے دو چچا
' بسطام ' اور ' بندویہ ' وطن چھوڑ کر مشرقی روم کی سلطنت
میں بھاگ گئے اور خود بادشاہ قتل ہوا ' پرویز کی حکومت
اگرچہ عرصے تک (یعنی ۵۹۰ سے ۶۲۷ ع تک) قائم رہی
مگر قتل و سازش اور فساد و شر سے اس کو بھی چین نہ ملا ۔
اور اپنے بیٹے شیرویہ کی تلوار سے مارا گیا ' برائے نام ضابطے
کی کارروائی کرکے اس کو غداری کا ملزم قرار دیا گیا اور یہ
بے دردانہ توہین اُس خلاف قدرت ظلم کا ایک ضمیمہ تھا
جو اِس کے ساتھہ روا رکھا گیا ' پدر کُش فرمانروا چند ماہ
کی مسند آرائی کے بعد جس کا افتتاح اس نے اٹھارہ بھائیوں
کے قتل سے کیا تھا بیمار ہوا اور ملک عدم کو راہی ' پھر طاعون
پھوٹ پڑا ' اس نے ایران کو ویران کردیا اور معلوم ہوتا تھا کہ
یہ وبا خدا کا قہر ہے جو نالائق ' شیرویہ ' پر نازل ہوئی ہے '

اس کا کم سن لڑکا اردشیر جو صرف سات برس کا تھا تخت پر بیٹھا لیکن غاصب شہر براز نے اس کے پایہ تخت طیسفون میں اردشیر کا محاصرہ کرکے اس کو تلوار کے گھاٹ اتاردیا ' ۴۰ دن (۹ جون سنہ ۶۳۰ ع) کے بعد شہر براز کو بھی اس کے تین محافظوں نے مار ڈالا ' اب خسرو پرویز کی بیٹی پوران دخت ' ایران کے خطرناک تخت پر متمکن ہوئی ' بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اس کی دانائی اور نیک نیتی امن و امان کا پھل لاے گی مگر سولہ ماہ کے مختصر عہد اور مشرقی روم کے بادشاہ کو " لکڑی کی اصل صلیب " (جس پر حضرت عیسیٰ مصلوب ہوے تھے اور جو اس وقت ایران میں تھی) واپس کرنے کے بعد وہ بھی جان بحق تسلیم ہوئی ' اس کا جانشین پیروز ہوا جو دور کے رشتے سے اس کے باپ کا چچیرا بھائی تھا ' اس نے ایک مہینے سے کم حکومت کی اور اس کی جگہ اس کی خوبصورت بہن آذری دخت کے قبضے میں آئی - اس ملکہ نے ایک توہین کے انتقام میں خراسان کے سپہبد خرخ ہرمزد کو تہ تیغ کردیا اور خود بھی چھہ ماہ کی مختصر حکومت کے بعد اپنے بیٹے ایرانی جرنل رستم کے ہاتھہ سے ماری گئی ' جو چار سال کے بعد (۶۳۵ ع) جنگ قادسیہ کی ہولناک شکست میں کام آیا ' آذری دخت اور اس کے باپ کے پوتے یزدگرد سوم کے درمیان چار پانچ اور فرمانروا حباب کی طرح نمودار ہوکر غائب ہوگئے ' کوئی تخت سے اتارا گیا ' کوئی جان سے مارا گیا ' بدنصیب یزدگرد اپنے شریف اور شاہی خاندان کا آخری بادشاہ تھا ' اسلامیوں کے خوف سے تن تنہا تن بتقدیر بھاگا چلا جارہا تھا '

اس کے بدن پر صرف جواہرات باقی رہ گئے تھے ' جنھوں نے اپنے برباد اور مغرور مالک کے خلاف ایک ذلیل دہقان کے دندان طمع کو تیز کیا اور اسے افسوسناک موت مرنا پڑا - نوشیرواں نے جب عبدالمسیح سے اپنے خواب کی تعبیر سنی تھی تو اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا کہ آخری تباہی کے لئے ایک زمانہ چاہئیے ' ابھی تو میرے خاندان میں چودہ بادشاہ اور ہوں گے مگر اس خاندان کے پہلے چودہ بادشاہوں نے دوسو برس سے زیادہ فرمانروائی کی تھی ' کسے معلوم تھا کہ خسرو پرویز اور یزد گرد سوم کے درمیان جو (۱۱) تاجدار گزرے ان کی حکومتیں پانچ سال بھی پورے نہ کرسکیں گی * - پھر طرفہ یہ ہے

تباہی کے آثار

کہ اس تمام عرصے میں غنیم اس سلطنت کے دروازوں پر کھڑا روز افزوں اصرار کے ساتھ گرجتا رہا جس کی قسمت کا لکھا عنقریب پورا ہونے والا تھا ' تباہی کی علامتوں میں سے مورخ طبری † نے تین کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا ہے - وہ لکھتا ہے " خدا کی طرف سے ان علامات ہی کے ذریعے خسرو پرویز کو خبر دار کر دیا گیا تھا کہ اگر اس نے رسول عربی (صلے اللہ علیہ و سلم) کے پیغام کو رد کر دیا تو اس کی سلطنت پامال ہو جائے گی - کہا جاتا ہے کہ جس خط میں یہ پیغام قلمبند تھا وہ الفاظ ذیل پر مشتمل تھا : —

---

* شیرویہ ۲۵ فروردی سنہ ۶۲۸ ع کو تخت نشین ہوا اور آل ساسان کا آخری تاجدار یزد گرد سوم ۶۳۲ کے آخر یا ۶۳۳ کے شروع میں -

† دیکھو نولڈیکی کی کتاب " تاریخ آل ساسانی " صفحات ۳۰۳ — ۳۴۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط خسرو پرویز کے نام*

بسم اللہ الرحمن الرحیم - من محمد رسول اللہ الی کسریٰ بن ھرمزد۔ اما بعد

فانی احمد الیک اللہ الذی لااله الاھو و ھو الذی اوانی و کنت یتیماً و اغنانی و کنت عائلاً و ھدانی و کنت ضالاً - ولن یدع ما ارسلت به الا من قد سلب معقوله والبلاء غالب علیه۔ اما بعد یا کسریٰ فاسلم تسلم او افذن بحرب من اللہ و رسوله ولن یعجزھا والسلام :—

ایک روایت سے پایا جاتا ھے کہ خسرو پرویز نے اس خط کو پرزے پرزے کر ڈالا ' اس پر اسلامی سفیر نے بآواز بلند کہا " اسی طرح اے ناپاک بادشاہ ! خدا تیری سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے اور تیری فوج کو تتر بتر کرے گا " - دوسری روایت میں درج ھے کہ ایرانی فرمانروا نے صوبہ دار یمن باذان کو (صفحہ ۳۲۱) لکھا کہ وہ فوراً مدینے پر چڑھائی کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کو گرفتار کرے اور مدائن میں ان کو پابہ زنجیر لے آئے —

تنبیہی واقعات جن کے ذریعے خسرو پرویز کو دولت ایران کی سریع الزوالی سے آگاہ کیا جانا منقول ھے ' تین انواع پر ترتیب پاتے ھیں :- خواب ' علامات اور حقیقی

---

* یہ متن نہایۃ الارب کیمبرج کے موجودہ نایاب نسخے سے ماخوذ ھے ' دیکھو جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابۃ ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۰ صفحہ ۲۵۱ —

† دیکھو مضمون جو آخری نوٹ میں مذکور ھے صفحہ ۲۵۱ —

واقعات تاریخ —

تنبیہی واقعات (۱) خواب	خوابوں میں ایک خواب یہ تھا کہ خسرو پرویز نے کسی فرشتے کو دیکھا جو ایک

عصا کو توڑ رہا ہے - اس عصا کی تعبیر قوت ایران تھی - اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ فرشتہ دیوار پر کچھہ لکھہ رہا ہے نہایت الارب میں اس تحریر دیوار کا خلاصہ اس طرح سے دیا ہے :—

" اے کمزور انسان ! تحقیق خدا نے
اپنے بندوں کے پاس ایک رسول بھیجا
ہے اور اس کو ایک کتاب وحی کی ہے
پس اطاعت کر اور ایمان لا ، خدا
تجکو دنیا اور آخرت دونوں میں
بھلائی دے گا لیکن اگر تونے ایسا نہ کیا
تو عنقریب تو ہلاک ہو جاے گا اور
تیری سلطنت تباہ ہو جاے گی اور
تیرا اقتدار تجھہ سے رخصت ہوگا * "۔

(۲) علامات	علامات میں پہلے تو ایک بند کا بار بار پھٹنا ہے جو بادشاہ کے حکم سے " دجلۂ عورا † "

* دیکھو طبری طبع یورپ ، ج ۱ ، صفحہ ۱۰۱۳ ، س ۷ - مترجم

† دیکھو لیسٹریدبج کی کتاب (The Lands of the Eastern Caliphate) با مداد انڈکس —

(بصرے کے قریب دجلے کی ایک شاخ) پر باندھا گیا تھا ' دوسرے اُس گنبد دار محراب کا بیٹھ جانا جس میں بادشاہ کے تخت پر پیپے کے برابر تاج لٹکتا تھا - تیسرے بجلیوں کا کوندنا جو مشرق کی طرف بڑھتی ہوئی حجاز تک پہنچ گئیں —

(۳) جنگ ذوقار

تاریخی واقعہ ذوقار کی لڑائی ہے' جو ۶۰۴ اور ۶۱۰ عیسوی کے درمیان واقع ہوئی ' یہ لڑائی بجائے خود کوئی اہم چیز نہ تھی' لیکن اس نے عربوں کو بتا دیا کہ اہل ایران با وجود اپنی قوت و شہرت اور بہتر تہذیب و تمدن کے غیر مغلوب نہیں ہیں ' آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے جب اس کا حال سنا تو کہا " آج پہلا دن ہے جب کہ عربوں کو اہل ایران کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا ہے ' میرے ہی توسط سے اِن کو نصرت ملی ہے" —

باب پنجم

اهل عرب کا حملہ

عربوں کے عروج پر دوزی کی رائے

دوزي نے اسلام پر ایک پاکیزہ * کتاب لکھی ہے اس میں وہ رقمطراز ہے کہ

" ساتویں صدي کے پہلے نصف حصے میں ایران اور دولت بائزنٹائن میں ہر ایک شے معمول کے موافق اپنی اپنی ڈگر پر جاری تھی' مغربی ایشیا کے تسلط کا جھگڑا دونوں سلطنتوں کو ہمیشہ دست و گریبان رکھتا تھا' دونوں کا ظاہر ہر ایک آنکھ کو خوشنما اور سرسبز معلوم ہوتا تھا' محصول چاروں طرف سے کثیر رقموں میں کھنچا چلا آ تا تھا اور دونوں کے پایے تخت عیش و طرب اور کر وفر کے لئے شہرۂ آفاق اور ضرب المثل تھے لیکن یہ جو کچھہ بھی تھا دیکھنے ہی دیکھنے کا تھا' ورنہ دونوں سلطنتوں کی جڑوں میں گھن لگ چکا تھا

---

* اس کا فرانسیسی ترجمہ وکٹر شوون نے کیا اور نام یہ رکھا ہے " تاریخ اسلام پر ایک مضمون " (مطبوعہ لیڈن و پیرس ۱۸۷۹)

مسند آراؤں کی فرعونیت اور مطلق العنانی کے بوجھہ نے دونوں ملکوں کو دبا رکھا تھا ' شاھی خاندانوں کے کار نامے قتل و غارت کا ایک طولانی سلسلہ اور مذھبی نزاعوں کے باعث ملک کی تاریخ ظلم و تعدی کا ایک دفتر تھا ' اس اھم موقعہ پر ایک نئی قوم گمنام صحراؤں سے دفعتاً اٹھی اور عرصہ گاہ عالم پر صف آرا ھوئی - پہلے اس قوم کے افراد بے شمار خانہ بدوش قبیلوں میں تقسیم اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مگر اس وقت وہ متحد و متفق ھو گئے تھے اور ان کے اتحاد کا یہ پہلا موقع تھا لیکن یہی قوم ایسی تھی جس کی رگ و پے میں آزادی کا جوھر جذب اور جس کے ضمیر میں شرافت و مہمان نوازی اور ذھانت و شگفتگی کا عنصر شامل تھا - ان کی غذا سادی اور لباس بھی تکلف سے بری تھا مگر اس کے ساتھہ ساتھہ ان میں غرور و تمکنت تھی ' غصہ بھی ایسا تھا کہ اس کا آ جانا غضب تھا ' مشتعل ھونے کے بعد انتقام و کینہ اور جور و تشدد کسی چیز سے ھاتھہ نہ روکتے تھے- انھوں نے ایرانیوں کی واجب‌التعظیم مگر کرم خوردہ سلطنت کو دم کے دم میں الٹ دیا ' قسطنطین کے جانشینوں سے ان کے بہترین صوبے چھین لئے ' جرمنوں کی ایک تازہ قائم مملکت کو پامال اور باقی یوروپ کو خطرے کی حالت میں کر دیا - ایک طرف تو انھوں نے یہ طوفان بر پا کیا دوسری طرف ان کا فتح مند لشکر ھمالیہ کے دامن تک گھس گیا ' لیکن بر خلاف دوسری فاتح قوموں کے یہ لوگ ایک نئے مذھب کی اشاعت بھی کرتے جاتے تھے ' ایرانیوں کی ثنویت اور بگڑی ھوی

عیسویت کے مقابلے میں انھوں نے خالص توحید کو پیش کیا اور کروڑھا مخلوق نے اس کو قبول کیا اور آج بھی اس مذھب پر نوع انسان کا $\frac{1}{10}$ حصہ ایمان رکھتا ھے " جیسا کہ ھم ذکر کر چکے ھیں اور جنگ ذوقار کے واقعات میں دیکھہ سکتے ھیں عربوں میں بے حد سکت اور عملی قوتوں کی علامتیں جنھیں اس وقت تک ان کے ھمسایے نا قابل التفات سمجھتے رھے موجود تھیں اور غلبۂ اسلام سے قبل بھی اس کی کوئی خاص کمی نہ تھی- لیکن تھذیب عالم کی تاریخ میں انھوں نے جس قدر شاندار اضافہ کیا وہ صرف اسلام کا طفیل تھا ' وہ اسلام جس کی سیدھی سادی مگر اعلیٰ تعلیم کی عظمت کو کوئی بے تعصب محقق نظر انداز نہیں کر سکتا - یورپین مورخ پیغمبر عربی پر تنقید کرتے وقت اکثر عرب کے ان حالات کو چھوڑ جاتے ھیں جن سے پیغمبر صاحب نے عربوں کو نکال کر انھیں اعلیٰ رتبے پر پھنچایا اور وہ اس امر کو بھول جاتے ھیں کہ بھت سی رسم رواج مثلاً کثیر الازدواجی اور بردہ فروشی جن کی وہ مذمت کرتے ھیں خود آنحضرت نے پیدا نہیں کیں بلکہ وہ پھلے سے ملک میں رائج تھیں اور پیغمبر صاحب نے ان کو صرف جائز رکھا- ابتدائی مسلمان ان بے شمار اصلاحات کو بخوبی محسوس کرتے تھے جو حضرت کی تعلیم سے وجود میں آئیں ؛ وہ اصلاحات کیا تھیں ؛ ھم ذیل کے بیان سے جو ابن ھشام کی سب سے قدیم (۲۱۳ ھ = ۸۲۸ - ۲۹ ع) سیرت نبوی سے ماخوذ ھیں اچھی طرح معلوم کر سکتے ھیں * :—

---

* مرتبہ وستنفیلڈ سنہ ۱۸۵۹ ع ویل کا ترجمہ ' اسٹٹ گرٹ سنہ ۱۸۶۴ ع

[نجاشی کا مہاجرین* کو اپنے روبرو طلب
کرنا اور ان سے اسلام کے متعلق سوالات کرنا
اور مسلمانوں کا جواب دینا]

"پھر اس نے (نجوش یا فرمانروائے حبش)
(خدام کو) بھیجا کہ وہ رسول خدا کے
پیروؤں کو بلا لائیں ' جب ایلچی ان
کے پاس آیا تو وہ سب اکٹھے ہو گئے ؟
اور ایک دوسرے سے کہنے لگے ' تم
بادشاہ کے سامنے جاوگے تو کیا کہوگے ' ؟
سب نے جواب دیا ' بخدا ہم وہی کہینگے
جو ہم جانتے ہیں اور جو کچھہ رسول نے
ہم کو حکم دیا ہے ' اس کا نتیجہ خواہ
کچھہ ہو - پس جب کہ وہ نجوش کے
سامنے آئے تو اس نے بڑے بڑے پادریوں
کو جمع کر رکھا تھا اور یہ بادشاہ کے
گرد و پیش کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھے
تھے ' بادشاہ نے ان سے سوال کیا ' یہ
کیا مذہب ہے جس کی خاطر تم نے اپنے
برادران ملک کو چھوڑ دیا اور جس کے

---

† لفظ مہاجرون (= ہجرت کرنےوالے) محمد (صلعم) کے ان
پیرووں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو مظالم سے تنگ آکر مکہ سے
بھاگ گئے تھے اور حبش اور دیگر مقامات میں پناہ گزین ہوئے تھے -

سبب سے نہ تم ہمارے مذہب کو اختیار
کرتے ہو اور نہ کسی دوسرے مذہب
کو؟" پھر جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی
طالب نے جواب دیا اے بادشاہ ہم
وحشی لوگ تھے جو بتوں کو پوجتے،
مردار کھاتے، شرمناک کام کرتے،
برادری کے بندھوں کو توڑتے اور ہمسایوں
سے برا سلوک کرتے تھے اور ہم میں جو
طاقت ور تھا کمزوروں کو کچل دیتا
تھا۔ ہم اس طرح سے زندگی بسر کیا
کرتے تھے کہ خدا نے ہم میں سے ہمارے
پاس ایک رسول جس کا حسب و نسب
جس کی دیانت و صداقت اور پاک
زندگی سے ہم واقف تھے بھیجا تا کہ
وہ ہم کو خدا کی طرف بلائے اور ہم
خدا کی توحید کا اعلان کریں، اس کی
پرستش کریں اور پتھروں اور بتوں کو
چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ
دادا خدا کے بجائے پوجتے تھے۔ رسول نے
ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں اور
اپنے وعدوں کو پورا کریں، برادری کی
بندشوں کو سمجھیں اور پڑوسیوں کے
حقوق کو پہچانیں، حرام چیز اور

خون سے بچیں ؛ اس نے ہمیں برے کاموں
اور دھوکے کی باتوں سے روکا ' یتیموں
کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں کی
عزت لینے سے منع کیا اور اس نے حکم
دیا کہ ہم صرف خدا کی عبادت کریں
اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں'
نمازیں پڑھیں ' خیرات دیں اور
روزے رکھیں " —

جب (حضرت) جعفر بادشاہ کو اسلام کے احکام گنا چکے تو انھوں نے کہا " پس ہم نے اس کو سچا تسلیم کیا ' اس پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لایا تھا اُس کا اتباع کیا' یعنی اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگے اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرا کیا ' جس کو اس نے حرام ٹھہرایا اُس کو حرام سمجھا اور جس کو حلال بتایا اُس کو حلال مانا ' اس پر ہماری قوم کے لوگ ہمیں ستانے اور اذائیں پہنچانے لگے اور ہمیں ہمارے اعتقاد سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے تاکہ ہمیں خداپرستی سے بت پرستی کی طرف لوٹا کر لے جائیں اور ہمیں ترغیب دینے لگے کہ ہم برے فعلوں کو جنھیں ہم پہلے جایز سمجھتے تھے پھر جایز قرار دیں ' پس انھوں نے ہمیں مجبور کرنے کی کوشش کی ' ہمیں تکلیفیں دیں ' ہمارے پیچھے پڑ گئے اور ہمارے اور ہمارے مذہب کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی ' اس لئے ہم تیرے ملک میں آ نکلے ' تیرے سوا ہر چیز پر تجھ کو ترجیح دی اور تیری حفاظت کے آرزومند ہیں

' اور اے بادشاہ! اب ہم التجا کرتے ہیں کہ تیرے سامنے ہم کو ایذائیں نہ پہنچائی جائیں ''—

اس کے بعد نجاشی نے اُن سے کہا ' کیا تیرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو تیرے نبی کو خدا کے ہاں سے پہنچی ہو؟ (حضرت) جعفر نے کہا' ہاں' بادشاہ نے کہا اچھا! تو مجھے سنا' اس پر (حضرت) جعفر نے سورہ مریم (کھیعص) ● کے ابتدائی کلمات پڑھے' نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اوروہ ایسا رویاکہ اس کی داڑھی ترہوگئی' اس کے پادری بھی یہ سن کر اُس کے ساتھ رونے لگے یہاں تک کہ ان کی کتابیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں' اس کے بعد نجاشی بولا' حقیقت میں یہ اور وہ جس کو موسیٰ لائے تھے ایک ہی شمع کا نور ہے ' اب جاؤ میں خدا کو شاہد کرتا ہوں کہ تمہاری قوم کے لوگ تمہارے پاس نہ آنے پائیں گے بلکہ آنے کا خیال تک بھی نہ لائیں گے —

آنحضرت کی عادات و خصائل اور ان کی غایت کی بحث کو اس مقام پر چھوڑا گیا تو ہم کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے بالخصوص جب کہ ان موضوعات پر ' آن حضرت کے سوانح' ان کے

● قرآن شریف سورہ ۱۹ جو زیادہ تر سورہ مریم کے نام سے مشہور ہے ' سورہ مریم اور دوسری انتیس سورتوں کے شروع میں جو پر اسرار حروف آئے ہیں ان کے متعلق دیکھو سیل کے " ابتدائی خیالات " دفعہ سوم —

تعلیم کے ارتقا اور ترقی پر جو ابتدا رفتار میں آهسته لیکن بعد میں بجلی کے مثل تھی اور خود مذهب اسلام پر سیل ' ' اسپرگز ' موئر ' کریهل ' فولڈیکیے ' بوسویل اسمتهه اور سید امیرعلی نہایت قابلیت سے اور کافی طور پر بحث کرچکے هیں۔ ان میں سید امیرعلی کی تصنیف اُن لوگوں کو خصوصیت کے ساتهه مطالعه کرنی چاهئے جو یه سمجهنا چاهتے هیں که اسلام اور اس کے پیغمبر نے آج بهی اُن مسلمانوں پر جو مغربی تعلیم اور مغربی شائستگی میں رنگے هوئے هیں کس قدر سخت گرفت کر رکهی هے کیوں که سید موصوف نے اپنی کتاب ایک ایسے مسلمان کی حیثیت سے لکهی هے جو وسعت قلب اور وسعت نظر کے لحاظ سے ممتاز اور یوروپ و ایشیا کے خیالات سے بخوبی آشنا هے - اسلام کی زبردست قوت اس کی سادگی اس کی لچک اور اس کے اعلیٰ لیکن کامل طور پر ممکن الحصول اخلاقی معیار میں مرکوز هے - اس میں شک نہیں که عیسوی اخلاق کا معیار زیادہ بلند هے مگر وہ انسان کی دسترس سے دور اور سلطنت کی دسترس سے دور تر هے ' اسلامی کامل سیاست خیال میں آسکتی هے اور آنحضرت کے قریبی جانشین خلفاے راشدین کے عهد میں کامل طور پر یا قریب قریب وجود میں بهی آچکی هے ' ان خلفا کے عهد کی بابته مورخ الفخری کا بیان هے :—

الفخری کا بیان

" واضح هو که یه سلطنت اس دنیا کی سلطنتوں کے طور پر نه تهی بلکه اس کا نظم و نسق پیغمبرانه ناموس اور اس کے

حالات عالم آخرت کے مطابق تھے ' حقیقت کو دیکھا جاے تو خلافت کے قاعدے پیغمبروں کی ہدایت یا ولیوں کے طریقوں کے مطابق تھے اور اس کی فتوحات شاہان کہار کی فتوحات تھیں۔ وہ کیا قاعدے تھے ؟ زندگی میں سختیاں' غذا موتی جھوتی اور لباس سیدھا سادہ تھا ؛ ایک خلیفہ کی یہ حالت تھی کہ وہ بازاروں میں پیدل پھرتے تھے ' بدن پر ایک شکستہ قمیص ہوتی جو بمشکل گھتنوں تک پہونچتی تھی ' پاؤں میں ان کے کھڑاؤں اور ھاتھ میں کوڑا ہوتا ' کوڑے سے ان لوگوں کو جو مستوجب ہوتے سزا دیتے تھے۔ ان کی غذا غریب سے غریب شخص کی سی ہوتی تھی ' امیرالمومنین (رضی اللہ عنہ) شہد اور عمدہ روتی کو حد درجے کا عیش و عشرت سمجھتے تھے کیونکہ انھوں نے اپنی تقریروں میں ایک بار کہا تھا " اگر میں چاھتا تو مجھ کو نہایت اچھا شہد اور جو کی نہایت نرم روتی مل سکتی تھی " —

یہ بھی واضح ہو کہ لباس اور غذا

میں ان کی سادگی کچھ اس سبب سے
نہ تھی کہ وہ نادار تھے یا زرق برق
لباس اور نہایت شیریں غذائیں ان کو
میسر نہ تھیں بلکہ ان کا یہ سادہ
طریقہ صرف اس لئے تھا کہ وہ اپنی
حالت اپنی غریب سے غریب رعایا کے
برابر کردیں اور جسم سے اس کی
خواہشات کو جدا کر دیں اور اسے ایسا
قابو میں لائیں کہ وہ اپنے بہترین
امکانات کا عادی ہو جائے؛ ورنہ ہر ایک
خلیفہ کے پاس کثیر دولت کھجوروں
کے جھنڈ کے جھنڈ باغات اور اسی نوع
کے دوسرے سامان موجود تھے - ان کا
بڑا خرچ خیر خیرات اور نذر وقربانی
کا تھا، امیرالمومنین علی (رضی اللہ عنہ)
کی ذاتی املاک کی آمدنی بہت بڑی
تھی لیکن وہ اسے غریبوں اور محتاجوں
پر صرف کرتے تھے اور خود معہ اہل
و عیال کے سوت کے موٹے کپڑوں اور
جو کی ایک روٹی پر گزارہ کرتے تھے -
رهیں ان کی جنگی مہمات اور ملکی
فتوحات سو بے شبہ ان کے رسالے افریقہ
میں پہونچے تھے اور خراسان کی آخری

سرحدوں تک پہنچ گئے تھے اور دریائے
جیحوں کو عبور کر گئے تھے " —

عربوں کے خصائل

محمد (صلعم) کا کام کچھ آسان نہ تھا، آغاز تبلیغ سے آٹھ یا دس برس بعد بلکہ در حقیقت (۶۲۲ میں) مکہ سے ھجرت کے وقت تک ان کی ھدایت و محنت ان افراد کے سوا جن کا اعتقاد نہ تو مایوسی کو راہ دیتا تھا اور نہ غیر ممکن کو خاطر میں لاتا تھا سب کو اکارت جاتی ہوئی نظر آتی تھی - کچھ یہی نہ تھا کہ اھل عرب خصوصاً صحراؤں کے بدو اپنے کہن سال دیوتاؤں اور قدیم رسموں کو چھوڑنا نہیں چاھتے تھے بلکہ وہ اسلام کے زاھدانہ مقاصد کو سرے سے نا پسند کرتے تھے وہ اسلام کی دھمکیوں اور سزا و جزا کے وعدوں کو قبر کے بعد تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس ریاضت و تربیت سے کوسوں دور بھاگتے تھے جس کی طرف انہیں بلایا جاتا تھا - صحرا کا خالص بدو آج تک سخت مشکک، اور گہرا مادہ پرست ھے : اس کی ٹھوس، صاف، تیز مگر کسی قدر محدود عقل جو اپنی اقلیم معاملات میں ھر وقت بیدار رھتی ھے غیر مادی اور فوق الحواس اشیا کو نہ تو بھولے پن سے مانتی ھے نہ ان کی ٹوہ میں لگتی ھے؛ اس کی خود سرا اور پر اعتماد فطرت میں نہ تو ایسے خدا کی گنجائش تھی اور نہ ایسے خدا کی ضرورت جو اگرچہ اس کی حفاظت کے لئے کافی تھا مگر خدمت و ایثار بھی چاھتا تھا - باقی عربوں کے لئے بھی محمد (صلعم) کا اللہ تعالیٰ ان کے نزدیک کوئی نیا انکشاف نہ تھا، اور اگر قدیم بت پرست عرب چھوٹے خداؤں کی نسبت

اس اللہ تعالیٰ پر کم متوجہ ہوتے تھے یا اس کی نذر و نیاز
میں گھٹیا چیزیں پیش کرتے تھے تو اس کا سبب یہ تھا کہ
اول الذکر ایک طرح سے قبیلے کی ملکیت ہوتے تھے، اس لئے ان
سے امید تھی کہ وہ اپنے قبیلے کے معاملات میں زیادہ سرگرمی
دکھائیں گے۔ تاہم اگر معاملات پوجنے والوں کی منشا کے
موافق انجام نہ پاتے تو ان خداؤں کی تعظیم میں فرق آجایا
کرتا تھا اور بقول توزی "وہ بات بات پر اپنے خداؤں سے
بگڑ جاتے اور ان کی سرزنش و بے حرمتی سے نہ چوکتے"۔
اگر غیبی جوابات ان کی مرضی کے خلاف ہوتے تو وہ ان کی
توہین کرتے، وہ بت جو قربانیوں کو مناسب طریقوں پر نہ
قبول کرتے گالیاں کھاتے اور پتھروں کا نشانہ بنتے۔ الغرض دیوتا
ذرا ذراسی بات پر معزول اور معتوب کردیے جاتے تھے۔ ان تمام
باتوں کے با وجود عرب کے باشندے نئے اور سختی کرنے والے
مذہب کی طرف مائل نہ ہوے، پرانے خدا گو نکمے تھے لیکن
کم از کم مانوس اور بے ضرر بھی تھے، اگر وہ بندوں کو
دیتے کم تھے تو معاوضہ کی امید بھی کم کرتے تھے، مگر
اسلام ان کی ذرا رو رعایت نہیں کرتا تھا، انھیں اور ان کے
پوجنے والوں حتیٰ کہ ان کے آبا و اجداد کو جہنمی بتاتا تھا،
اس کا بت شکن جوش ان کے نہایت محبوب بت کی بقا ایک
لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کرتا تھا، مزید بریں جیسا کہ ڈاکٹر
گولڈزیہر نے اپنی فاضلانہ اور روشن کتاب "اسلامی حالات"
کے پہلے باب میں دین و مروۃ کے عنوان سے صاف طور پر ثابت

کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام کے مطمحوں میں نہ صرف باعتبار چند در چند عدم مطابقت تھی بلکہ وہ ایک دوسرے کے سراسر خلاف تھے، شجاعت و دریا دلی، فیاضانہ مہمان نوازی و قبیلہ پرستی اور بدی کا انتقام یا توہین کا بدلہ خواہ وہ ایک شخص کے ساتھ، اس کے اعزا کے ساتھہ یا اس کے اہل قبیلہ کے ساتھہ کی گئی ہو، عروب جاہلیت میں یہ خصوصیات بدرجہ أتم موجود تھیں اور صفات عالیہ تسلیم کی جاتی تھیں؛ بخلاف ان کے رضا و توکل، صبر و تحمل، ذاتی اور قومی مفاد کو مذہب کے مطالبات کا تابع کرنا، عدم دنیا داری اور غرور و نمود سے اجتناب اور اسی قسم کی بہت سی باتیں جو اسلام اپنے ساتھہ لایا تھا عربوں کو تضحیک و حقارت پر مشتعل کرتی تھیں —

زمانہ جاہلیت اور اسلام کا مقابلہ

اس موازنے کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ہم اس اسپرٹ (حقیقت) کو پیش کرتے ہیں جو ذیل کے دو اقتباسوں سے جداگانہ طور پر نظر آتی ہے، پہلا اقتباس تو قرآن مجید سورۂ بقر (پنجم ۱۷۸) کا ہے اور دوسرا ایک نظم ہے جو ڈاکو مطرب تابطہ شراً سے منسوب کی جاتی ہے، یہ نام بھی بہت کچھہ معنی خیز ہے، اس کے معنی ہیں " اس نے گود بھرکے شرارت لی" —

پہلا اقتباس یہ ہے :—

لیس البران تولوا و جو هکم
قبل المشرق والمغرب ولکن البر
من آمن بالله و الیوم الاخر و
الملائکه و الکتاب و النبیین و
آتی المال علی حبه ذوی القربی
و الیتمی و المساکین و ابن
السبیل و السائلین وفی الرقاب
واقام الصلوة و اتی الزکوة و
الموفون بعهد هم اذا عاهد وا
و الصابرین فی الباساء والضراء
و حین الباس 'ولئک الذین
صدقوا و اولئک هم المتقون-

نیکی یہی نہیں کہ اپنا منہ
(نماز میں) مشرق یا مغرب کی
طرف کرلو بلکہ (اصل) نیکی
تو ان کی ہے جو اللہ اور روز
آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی)
کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان
لائے اور مال (عزیز) اللہ کی محبت
میں رشتہ داروں اور یتیموں'
محتاجوں اور مسافروں اور
مانگنے والوں کو دیا اور (قید
غلامی سے لوگوں کی) گردنوں
کو (چھڑانے) میں دیا اور نماز
پڑھتے اور زکواۃ دیتے رہے اور
(کسی بات کا) جب وعدہ کرلیا
تو اس کو پورا کیا نیز تنگی
میں تکلیف میں ھلا چلی کے
وقت ثابت قدم رہے یہی لوگ
سچے اور پرہیزگار ہیں *

* سر ولیم میور کی مختصر و پاکیزہ کتاب "اقتباسات قرآن" میں درج ہے (مطبوع لندن سنہ ۱۸۸۰ع) —

تابطہ شراً کا قصیدہ

دوسرے اقتباس کے متعلق بعض محققوں کا خیال ہے کہ وہ جعلی ہے اور علامہ خلف الاحمر نے جو طباع ہونے کے باوجود صدق و راستی کا زیادہ پابند نہ تھا' تصنیف کیا ہے؛ لیکن متوفی پروفیسر رابرٹسن اسمتھ کی رائے ہے اور بخیال راقم مدلل رائے ہے کہ قصیدے میں ایام جاہلیت کی خصوصیات اس قدر صاف جھلکتی ہیں کہ اسے مشکل سے جعلی کہہ سکتے ہیں یا اگر یہ واقعی خلف الاحمر کی اختراع ہے تو گویا اسے نہایت خوبی کے ساتھ ایک ایسے قالب میں ڈھالا ہے جس میں جاہلیت کا خالص رنگ موجزن ہے * —

اس میں شاعر نے اوس انتقام کا ذکر کیا ہے جو اس کے ماموں کے قتل پر قبیلہ ھذیل سے لیا گیا تھا' قصیدہ مقتول کی تعریف سے شروع ہوتا ہے :—

ترجمہ

نیچے نالے میں سلعہ ایک مقتول آدمی
پڑا ہے اس کا خون بغیر بدلے کے نہیں
چھوڑا گیا ہے وہ چلدیا اور انتقام کا بار

---

* اس نظم کا متن رائٹ کی " عربی کتاب " صفحہ ۱۸۷-۱۸۸ (مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۰ ع) میں دیکھنا چاہئے اور اس کا شگفتہ منظوم جرمن ترجمہ اُس مضمون میں جو ' بور ' نے اس شاعر پر لکھا ہے اور جو جرمن جلد دھم (بابت سنہ ۱۸۵۶ صفحہ ۷۴-۱۰۹ میں شائع ہوا ہے —

مجھے ترکہ میں دیتا گیا ، میں نے اس بار کو خوشی سے اٹھا لیا - خون کے انتقام کی فکر میں بہن کا ایک بیٹا ہے وہ ایسا شمشیر بند ہے کہ اس کی زرہ کبھی ڈھیلی نہیں ہوئی، وہ ایک خاموش سراغی ہے جس کے بدن سے پسینے کی جگہ زہر بہتا ہے اور ایک ایسے سرسرانے والے سانپ کی طرح سراغ لگاتا ہے جو زہر اگلتا ہے۔ جو خبر ہمارے پاس پہونچی وہ جان گُسل اور دردناک تھی ، اس کا اثر اتنا بڑھا کہ ہم میں سے بڑے سے بڑا چھوٹا معلوم ہونے لگا ؛ قسمت نے (جو ہمیشہ بے وفا ثابت ہوئی ہے) ہم سے ایک ایسا آدمی چھین لیا جس کے قریب جانا مشکل تھا اور جس کا موکل کبھی ذلیل نہیں ہوا - وہ موسم سرما میں آفتاب کی کرن تھا یہاں تک کہ جب شعرائے یمانی چمکا تو وہ بالکل ٹھنڈا اور سایہ کے مثل تھا ؛ اس کے پہلو دبلے تھے لیکن محتاجی کے باعث نہیں، وہ فیاض ، عقلمند اور مغرور تھا ، وہ عاقبت اندیشی کے ساتھ سفر کرتا تھا چنانچہ جب وہ ٹھیرتا تو جہاں وہ

ٹھیرتا عاقبت اندیشی بھی ٹھیر جاتی
جب وہ داد و دھش پر اترتا تو بارش
کے بادلوں کا برسنے والا مینہ بن جاتا
اور جب وہ میدان میں کودتا تو شیر
فاتح بن جاتا - قوم میں وہ سب سے
زیادہ دراز ریش تھا، سانولا اور
گھیردار اور جب وہ جنگی کوچ میں
ہوتا تو - نازک کفتار گرگ کی
طرح چلتا، اس کے پاس دو ذائقے
تھے شیرین اور تلخ اور ہر شخص نے
ان دونوں ذائقوں کو چکھا - وہ گھوڑے پر
سوار ہو کر خطرے یعنی صحرا میں
اکیلا سفر کرتا تھا کوی اس کے ساتھ
نہ ہوتا سواء اس کی دندانہ دار یمنی
تلوار کے - بہادروں کا ایک گروہ دوپہر
کی دھوپ اور پھر رات کی اندھیری
میں سفر کر رہا تھا، آخر جب صبح
کی کُھر صاف ہو گئی تو وہ اُتر پڑا، ہر
مشتاق جنگ جو کے پہلو میں ایک تیز
تلوار لٹکتی تھی اور جب وہ میاں سے
باہر نکلتی تو بجلی کی طرح چمک
جاتی - پس ہم نے ان سے خون کا بدلا
لیا اور دونوں گروہوں میں سے معدودے

چند کے سواء کوئی نہ بچا ' وہ نیند کے
جھونکوں میں تھے اور جب وہ اونگھنے
لگے تو میں نے ان کو سراسیمہ کر کے منتشر
کر دیا اور اگر صفیل نے اس کی تلوار
کا پھل توڑ دیا تو کیا ہوا اس نے بھی
تو صفیل کے کئی ایک پھل توڑ ڈالے۔
اس نے کئی بار ان کو نا ہموار جھکنے
کی جگہ جھکایا جہاں پاؤں ٹوٹ ٹوٹ
گئے اور کئی بار اس نے صبح کے وقت
ان کو ان کی پناہ گاہوں میں چھپ کے
جالیا اور اس صورت سے جب کشت و
خون ہو چکا تو لوٹ مار شروع ہوئی۔
میں نے صفیل کو بھوکا اور میں ایسا
جنگ جو ہوں جو بدی سے اس وقت
تک نہیں تھکتا جب تک کہ وہ نہ تھک
جائیں۔ اس کے نیزے کو پہلا گھونٹ کون
دیتا ہے؟ جب وہ اپنا پہلا گھونٹ پی لیتا
ہے تو وہ دوسرا گھونٹ لیتا ہے ' شراب
میرے لئے اس وقت حلال ہو گئی جب کہ
وہ حرام تھی اور کس قدر مشکل سے
یہ کبھی کبھی حلال ہو جاتی ہے۔ اے
سواد ابن عمر! لا شراب دے کیونکہ
میرے خالو کی موت سے میرا جسم

دبلا ہوگیا ہے کفتار صفیل کے مقتولوں پر
ہنستا ہے اور تم دیکھ سکتے ہو کہ
بھیڑیا ان پر اپنے چمکدار دانت نکال
رہا ہے اور شکاری پرندے صبح کو
پیٹ اٹے ہوئے اٹھتے ہیں اور ان
لاشوں کو روندتے ہیں اور اُڑ نہیں سکتے

الغرض جیسا کہ میور نے خوب کہا ہے " غیر مسلم عربوں کی انتہای نیکی " مروۃ " (" جوان مردی " یا نیکی ") کا لب لباب عزت و انتقام تھا ' حریت ' شجاعت ' سخاوت ' نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدی پیش کرنا مگر دل کھول کر مے و معشوق اور میدان جنگ کو جان کے برابر سمجھنا زندگی کو عزیز رکھنا اور موت سے نہ ڈرنا ' خود مختاری و خود اعتمادی اور غرور و غارتگری اختیار کرنا سب سے بڑھ کر یہ کہ جائز یا نا جائز ہر حالت میں اپنے بھائی بندوں کا ساتھ دینا اور رشتۂ خون کو جملہ واجبات سے افضل جاننا - قدیم عربوں کے انتہائی خیالات یہ تھے اور موجودہ وحشی بدؤں کے خیالات بھی یہی ہیں جو نام کے سوا مشکل سے کسی اور چیز کے مسلمان ہیں- آنحضرت کے چچا ابو طالب جس طرح اپنے بھتیجے کے ساتھ پیش آئے وہ بھی اس قوم کے خیالات کا نمونہ ہے اور اس سے دل پر اثر ہوتا ہے- پیغمبر کے دل کو لگی ہوی تھی کہ وہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں انھوں نے بہت کوشش کی اور انھیں سمجھایا لیکن انھوں نے جواب دیا " میں اپنے باپ داداؤں کا مذہب اور جو کچھ وہ مانتے تھے اسے نہیں

چھوڑ سکتا لیکن بخدا جب تک میں زندہ ہوں تجھہ پر کوئی ایسی بات نہ آنے دوں گا جس سے تجھے تکلیف پہنچے * —

ابو طالب آنحضرت کو نبی بر حق نہیں سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے تو وہ اپنے باپ داداؤں کی صحبت میں جہنم کی آگ کو اس جنت پر ترجیح دیتے تھے جو ایمان کے انعام میں انہیں دي جاتی مگر باوجود اس کے وہ اس کی تاب نہیں لاسکتے تھے کہ غیر ان کے بھتیجے کو ستائیں —

ھجرت نبوی (۶۲۴) سے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر کی خلافت تک کا زمانہ (۶۴۴) اسلام کی زاھدانہ زندگی کا دور زریں تھا اور یہ دور اسلام کی فلسفیانہ زندگی کے دور سے بالکل جدا چیز ھے' اگرچہ الفخری کے مذکور الصدر اقتباس میں جس بہترین " مذھبی حکومت " (تھیو کر یسی) کو بیان کیا گیا ھے وہ حضرت علی کی وفات تک (۶۶۱ع) جنہیں دنیاے اسلام کا ایک کثیر گروہ جانشینان پیغمبر میں سب سے شریف' بہتر اور لائق مانتا ھے ' قائم رھی ' لیکن خلیفہ سوم حضرت عثمان کی خلافت میں نفاق و فرقہ بندی قتل و خانہ جنگی اور آپس کے جھگڑوں نے جنم لے لیا تھا - آن حضرت اس وقت تک زندہ رھے جب تک کہ بظاھر سارے عرب نے ان کی تعلیم کے آگے سر نہ جھکا لیا لیکن جونہی ان کی آنکھہ بند ھوئی ' عربی قبائل میں اسلام کے خلاف ایک عالمگیر بغاوت نے سر اٹھایا اور جب تک کہ اس بغاوت کی آگ خون میں نہ بجھہ گئی اور تارکان دین قتل یا مطیع نہ کر لئے گئے حضرت ابوبکر نے غیر

---

* ابن هشام (مرتبہ وسٹن فلیڈ) صفحہ ۱۶۰ —

عربی ممالک کی تسخیر اور ان کو مسلمان کرنے کی طرف
کامل توجہ نہ کی؛ ان میں ہمارا تعلق صرف ایران سے ہے جس
کی تفصیل کے لئے ہم شگفتہ بیان اور مرقع نگار الفخری کے
صفحوں سے ایک بار اور استفادہ کرتے ہیں - اس نے ان علامات
اور تنبیہات کی صراحت کی ہے جن کے باعث نوشیروان اور
خسرو پرویز کو سخت فکر دامن گیر ہوگئی تھی اور اس کے
بعد یہہ لکھا ہے کہ " اس قسم کی بد شگونیوں کا تار بندھ گیا
اور ان کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ معاملے کا
تصفیہ نہ ہوگیا " پھر وہ لکھتا ہے :—

الفخری اورایران کی فتح

" اور در حقیقت جب رستم سعدبن ابو
وقاص کے مقابلہ پر آیا تو اس نے خواب
میں دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک
فرشتہ اترا اور اس نے ایرنیوں کی
کمانوں کو جمع کرکے ان پر مہر لگائی
اور انہیں اپنے ساتھہ لیکر آسمان کی
طرف چلا گیا ۔ اس پر عربوں کے سچے
اقوال، خود اعتمادی اور مصائب میں
ان کے بے حد صبر کے متعلق ایرانیوں نے
جو کچھہ باتیں دیکھی تھیں وہ مستزاد
ہیں ، اس کے سوا آخر میں شہریار کی
وفات اور یزد گرد کی تخت نشینی پر
جو اس وقت ایک نو عمر اور ناقص
التدبیر لڑکا تھاخودایرانیوں کےدرمیان

مخالف آوازیں پیدا ہوگئیں، پھر سب
سے آخری اور سب سے بڑا سانحہ یہ گزرا
کہ جنگ قادسیہ میں دفعتاً ان کے خلاف
ہوا کا رخ بدل گیا جس کی خاک نے ان
کی آنکھوں کو اندھا کردیا اور ان کے
چاروں طرف تباہی کا ایک حصار کھینچ
دیا، اس جنگ میں رستم قتل ہوا اور
ایرانیوں کی فوج تتر بتر۔ پس ان
علامتوں پر غور کرو اور جانو کہ خدا
ایک مقصد رکھتا ہے جسے وہ پورا
کرتا رہتا ہے" —

عراق پر فوج کشی اور ایران کی تسخیر

"عربوں کے خیال میں ایران کی
سرحد سب سے زیادہ مستحکم اور
خطرناک تھی اور وہ ان استحکامات
سے اس قدر ہیبت زدہ تھے کہ ان پر
حملہ کرتے ہوئے جھجکتے تھے اور وہ
سلاطین عجم کے ادب اور اُن کی اس
طاقت کے باعث جس کو وہ دیگر قوموں
کے زیر کرنے میں دکھا چکے تھے اُن
سے پہلو بچاتے تھے، یہ خیال حضرت
ابوبکر کے اواخر ایام تک قائم رہا
اور پھر صحابہ میں سے المثنٰی بن

حارثہ کھڑے ہوے ' انھوں نے لوگوں
کو ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لئے
اکسایا اور کہا یہ بات ھی کیا ھے اور انھیں
ھمت دلائی ' اس پر ایک گروہ تیار
ھو گیا اور لوگوں کو پیغمبر خدا کا
قول یاد آیا کہ انھوں نے ایرانی سلاطین
کے خزانوں پر قبضہ کرنے کے متعلق
کیا فرمایا تھا ' مگر حضرت ابو بکر
کے عہد تک اس معاملے میں کوئی
عملی کار روائی نہ ہوئی '' —

'' لیکن حضرت عمر ابن الخطاب کے
زمانے میں مثنیٰ بن حارثہ نے ان کو
لکھا کہ ایران کے حالات ابتر ھیں اور
نیا بادشاہ یزد گرد ابن شہر یار جو
ابھی کمسن لڑکا ھے تخت پر بیٹھا ھے -
واقعی تخت نشینی کے وقت یزدگرد
کی عمر ۲۱ سال کی تھی - اس خبر
پر حملۂ ایران کا شوق عربوں کے دلوں
میں زیادہ ہوا اور حضرت عمر فوج
لے کر مدینہ سے باھر آئے لیکن کسی
کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رھے
ھیں اور نہ کسی کو اتنی جرأت ہوئی کہ
ان سے کوئی بات پوچھتا - آخر کار

ایک شخص نے ایک بار ان سے پوچھا
کہ روانگی کا وقت کیا ہے مگر ایک
جھڑکی کے سوا اسے کوئی جواب نہ ملا "
" مسلمانوں کا قاعدہ تھا کہ کسی بات
سے وہ بے چین ہوتے اور اس کی نسبت
انھیں پوچھہ گچھہ کی ضرورت ہوتی
تو وہ عثمان ابن عفان یا عبدالرحمن
ابن عوف کے پاس چلے جاتے اور اگر
معاملہ بہت ہی ضروری ہوتا تو وہ
ان دونوں کے ساتھہ حضرت عباس کو
بھی شامل کر لیتے، چنانچہ عثمان نے عمر
سے کہا " اے امیرالمومنین آپ کے پاس
کیا خبر آئی ہے اور آپ کا ارادہ کیا
ہے ! حضرت عمر نے صلواۃ جامع کی
منادی کرائی اور جب لوگ ان کے
گرد و پیش جمع ہو گئے تو انھوں نے
اصل بات کا اعلان کیا، لوگوں کو نصیحت
کی اور ایرانیوں پر حملہ کرنے کی
ترغیب دی اور مہم کو ایک معمولی
سی چیز بیان کیا، لوگ نہایت خوشی
سے راضی ہو گئے - بعد ازاں انھوں نے
کہا کہ آپ بذات خود ہمارے ساتھہ
چلیں، عمر نے جواب دیا اچھا بشرطیکہ

اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہ ہوئی-
پھر انہوں نے صحابہ میں سے ان
اشخاص کو طلب کیا جو سب سے زیادہ
ممتاز صائب‌الرائے اور دور اندیش
تھے، انھیں اپنے رو برو طلب کیا اور ان
سے مشورہ چاہا۔ انہوں نے مشورہ دیا
کہ وہ جنگ میں نہ جائیں اور صحابہ
میں سے کسی بڑے آدمی کو بھیج
دیں اور خود پیچھے رہ کر کمک اور
مدد سے اسے تقویت پہونچائیں- اگر
ہماری فوجیں کامیاب ہوئیں تو ہمارا
مقصد پورا ہوگا اور ہلاک ہوئیں تو
ان کی جگہ وہ اور بھیج دیں" —

"پس جب لوگوں کو اس تدبیر پر
اتفاق ہوگیا تو حضرت عمر ممبر پر آئے
کیونکہ اُن کا دستور تھا کہ جماعت
سے خطاب کرنے کے لئے اُن میں سے ایک
شخص ممبر پر چڑھتا اور جس موضوع
پر اس کی خواہش ہوتی گفتگو کرتا -
پس جب عمر ممبر پر پہونچ گئے تو
انہوں نے کہا اے لوگو! میں تمہارے
ساتھ جانے کو بالکل تیار تھا لیکن
تمہارے عاقل اور عاقبت اندیشوں نے

مجھے اس ارادے سے روک دیا اور کہتے
ھیں کہ میں یہیں پیچھے رہ جاؤں اور
تمھارے ساتھہ کسی اور صحابی کو
بھیج دوں جو لڑائی کا اهتمام انصرام
کرے۔ پھر انھوں نے ان سے پوچھا کہ
وہ کس کو چاھتے ھیں - اس موقع پر
انھیں سعد بن ابی و قاص کا ایک خط
دیا گیا جو اس زمانے میں کسی کام
پر باھر گئے ھوئے تھے' لوگوں نے عمر
سے ان کی سفارش کی اور کہا وہ حملے
میں شیر کی طرح جھپٹتے ھیں - یہ
تجویز خلیفہ نے پسند کی' سعد کو
بلایا اور عراق کا سپہ سالار بنا کر فوج
ان کے سپرد کردی'' —

پس سعد فوج کے ساتھہ روانہ ھوے
اور حضرت عمر بھی کچھہ فرسنگ تک
اُن کے ساتھہ گئے پھر انھوں نے فوج کو
نصیحت کی اور جہاد پر آمادہ کیا'
اس کے بعد خدا حافظ کہا اور مدینے
واپس چلے آئے' لیکن سعد برابر آگے
بڑھتے رھے اور راستہ بدل کر حجاز
اور کوفہ کے درمیانی صحرا میں نکل
آئے' اس اثنا میں وہ ھر قسم کی

خبریں فراہم اور عمر (رض) کے خط پر خط
وصول کرتے ہوے چلے۔ خلیفہ ہر خط میں
تدبیر پر تدبیر لکھتے تھے اور مسلسل
کمک سے تقویت پہونچا رہے تھے'
آخرالامر سعد (رض) نے فیصلہ کیا کہ قادسیہ
کی طرف بڑھنا چاہئیے کیونکہ وہ سلطنت
ایران کا دروازہ تھا"۔ "جب سعد (رض)
قادسیہ پہونچ کر ٹھیر گئے تو انھیں اور ان
کے ساتھیوں کو سامان کی ضرورت ہوئی'
اس لئے انھوں نے چند آدمیوں کو بھیجا
اور انھیں حکم دیا کہ وہ گاے' بیل' بھیڑ
بکریاں تلاش کرکے لائیں۔ باشندگان
سواد کو ان لوگوں کے آگے بڑھنے سے خوف
ہوا مگر آخر انھیں ایک آدمی مل گیا
اور اس آدمی سے انھوں نے مویشی اور
بکریوں کے متعلق دریافت کیا' لیکن
اس نے جواب دیا کہ "میں بالکل ناواقف
ہوں" حالاں کہ وہ خود چرواہا تھا اور
اُس نے اپنے جانور ایک محفوظ مقام پر
چھپا دئے تھے۔ روایت ہے کہ ان میں سے
ایک بیل خود بخود ڈکارا اور اس نے
چرواہے کو جھٹلایا اور گویا کہا کہ ہم
یہاں ہیں' پس وہ لوگ اندر گھس گئے

اور ان میں سے کئی ایک مویشیوں کو باہر
ہانک لائے اور انہیں سعد (رض) کے سامنے
پیش کیا ۔ یہ واقعہ خدا کی مدد کی
علامت سمجھا گیا کیوں کہ اگر چہ بیل
نے زبان قال سے رکھوالے کا جھوٹ نہ
کھولا تھا مگر ایسے نازک وقت پر اس
کا ڈکارنا جس کی بدولت عربوں کو
مویشیوں کی موجودگی کا علم ہوگیا ،
بہت غنیمت ہوا ۔ اس سے چرواہے کے
بیان کی قلعی کھل گئی ۔ یہ واقعہ ان
اتفاقات میں سے تھا جنہوں نے فتح
و سلطنت کی پیشین گوئی کی اور اس
سے عربوں کا شگون نیک مستنبط
کرنا بجا تھا'' —
'' حضرت سعد (رض) اور اُن کی فوج کے
بڑھنے کی خبر ایرانیوں کو پہنچی تو
انہوں نے رستم کی سرکردگی میں
تیس ہزار مسلح سپاہ روانہ کی ۔
عربوں کی تعداد صرف سات اور آٹھ
ہزار کے درمیان تھی اگرچہ بعد میں
انہیں اور کمک پہونچ گئی تھی ۔ جب
دونو لشکر صف باندھ کر سامنے آئے تو
ایرانی غنیم کے نیزے دیکھ کر ہنسنے لگے اور

کہا یہ نیزے کیا تکلے ہیں * - اس کے
ضمن میں ہم ایک قصہ اور نقل
کرتے ہیں جس کا یہاں بیان کرنا
نا مناسب نہ ہوگا ' فلک الدین محمد
ابن آید مر نے ہم سے حسب ذیل
واقعہ بیان کیا :—
" سنہ ۶۵۶ ھ (= سنہ ۱۳۵۸ ع)
میں جس وقت دارالسلام (بغداد)
پر بلا نازل ہوئی ہے اور دویدار † اصغر
تاتاریوں ‡ کے مقابلے کے لئے فوج لے کر
شہر کے مغرب کی طرف بڑھا تو فوج

---

* دیکھو البلاذری (مرتبہ دے گیجے صفحہ ۲۵۹ - ۲۶۰)
یہاں ایرانی فوج کے ایک سپاہی کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ قادسیہ
کی لڑائی میں ایرانی عربوں کے نیزوں کا کس طرح مذاق اڑاتے تھے
اور ان کو دوک کہتے تھے —

† یہ لفظ ایک ایرانی عہدے کا نام ہے جس کے معنی دویت یا
دوات دار ہیں ' " انگریزی میں کیپر آف دی سیلز " (Seals)
کہہ سکتے ہیں' الفخری نے شروع چودھویں صدی عیسوی میں اپنی
دلفریب تاریخ لکھی تھی' یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حملۂ مغل کی
سفاکیاں دلوں سے ہنوز محو نہ ہوئی تھیں —

‡ عرب مورخ مغلوں کو اس نام سے موسوم کرتے ہیں ' اہل
یوروپ نے اس کو " تار تار " بنا دیا تاکہ " تار تارس " کے مقامات
اسفل اور اس ہیبت ناک قوم کے درمیان ایک لسانی علاقہ بھی
پیدا ہو سکے —

میں میں بھی تھا ' ہم نہر شبیر پر
دجلہ خورد کے معاونوں میں ہے ایک
دوسرے کے مقابلے میں آے؛ ہماری
صف سے دشمن سے لڑنے کے لئے ایک جوان
نکلتا جو عربی گھوڑے پر سوار اور
زرہ بکتر زیب تن کئے ہوتا گویا کہ
وہ اور اس کا گھوڑا سنگینی میں ایک
پہاڑ تھا پھر مغلوں کے لشکر میں سے
ایک سپاہی جو گدھے کے مثل ایک
گھوڑے پر سوار اور دوک کی طرح کا
ایک نیزہ ہاتھ میں لئے مقابلہ پر
آتا ' اس کے جسم پر نہ زرہ ہوتی
تھی نہ اسلام' جو کوئی اسے دیکھتا وہ
ہنس پڑتا لیکن دن ختم ہونے سے پہلے
وہ ہم پر غالب آ گئے ' انہوں نے ہمیں
شکست فاش دی جو ہماری تباہی کی
جڑ ثابت ہوی ' پھر اس معاملہ میں ہم
پر جو گذری وہ گذری"۔ بعد ازاں رستم
اور سعد نے ایک دوسرے کے پاس اپنے
اپنے سفیر بھیجے ' صحرا کے عرب
رستم کے دروازے پر جاتے تو دیکھتے
کہ رستم ایک کمرے میں طلائی تخت
پر بیٹھتا ہے' تخت پر زر تار گدے اور

کمرے میں زر بفت کا فرش بچھا ہوا
ہے: ایرانیوں کے سرپر تاج ہیں اور جسم
پر زیور' اور جنگی ہاتھی ان کے چاروں
طرف کھڑے جھوم رہے ہیں - عرب
ایلچی رستم کے قریب جاتا تو اس کے
ہاتھ میں صرف ایک نیزہ ہوتا' کمر
میں تلوار اور کندھے پر ایک کمان
لٹکتی تھی' وہ اپنے گھوڑے کو رستم
کے تخت کے قریب کسی چیز سے باندھ
دیتا' اس پر ایرانی چلاتے اور ایلچی
کو اس حرکت سے روکنے کی کوشش
کرتے مگر رستم ان کو منع کر دیتا اور
عرب اپنے نیزہ پر سہارا کئے قالین
اور گدیوں پر نیزہ کو ٹیکتا اور ان
میں کھونچے لگاتا رستم کی طرف بڑھتا.
ایرانی کھڑے ہوے اس حال کو دیکھتے
تھے اور جب وہ رستم کے پاس پہنچ
جاتا تو اسے فوراً جواب دیتا اور
رستم ان ایلچیوں کے عاقلانہ الفاظ
اور جواب سن سن کر متعجب اور
ہراساں ہوتا مثلاً سعد (رض) ہر موقعہ
پرایک نیا سفیر بھیجتا تورستم اس سے
پوچھتا " کل والا ایلچی آج کیوں

نہیں بھیجا گیا " سفیر جواب دیتا " اس وجہ سے کہ ہمارا امیر راحت و کلفت میں سب کے ساتھ یکساں برتاو کرتا ہے"۔ ایک اور دن رستم نے نیزے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا " تیرے ہاتھ میں یہ تکلا کیسا ہے؟ " عرب نے جواب دیا " چنگاری کا چھوٹا ہونا اس کا کوئی عیب نہیں "۔ پھر ایک دن کسی اور سے پوچھا " تمہاری تلوار کو یہ کیا مرض ہے کہ ایسی گھسی ہوئی ہے" عرب تڑپ کر بولا " میان سے گھس گئی ہے مگر اس کی دھار تیز ہے"۔ پس اس قطع کی باتوں سے رستم کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے رفقا و خدام سے کہا ذرا غور کرو، ان لوگوں کے دعوے یا تو غلط ہیں یا صحیح، اگر غلط ہیں تو بھی ایسے لوگ جو اس احتیاط سے اپنے رازوں کو پوشیدہ رکھتے ہیں، کسی بات میں اختلاف نہیں کرتے اور اخفاے راز میں ایسا اتفاق رکھتے ہیں کہ ان کے راز کوئی معلوم نہیں کر سکتا، ایسے لوگ فی الحقیقت نہایت قوی اور نہایت طاقتور ہیں، اور اگر ان کے

دعوے صحیح هیں تو ان کا مقابله
کوئی نهیں کر سکتا - حاضرین اس کے
گرد و پیش چلا کر بولے ' هم تجھے
خدا کا واسطه دلا تے هیں که تو نے ان
کتوں کی جو کچھه باتیں دیکھیں ان کے
اثر سے تو اپنے ارادوں میں ذرا فرق نه
آ نے دے اور ان سے جنگ کر نے کا جو
تیرا اراده هےاس پر قائم رهے - رستم نے
جواب دیا " یه میری رائے هے جو میں
نے تم سے بیان کی ورنه جو تم چا هتے
هو میں تمهارے ساتهه هوں " —

" پھر کئی روز تک وه خوب لڑتے
رهے ' آخری دن هوا ایرانیوں کے خلاف
هو گئی اور خاک نے انهیں اندھا کردیا۔
رستم مارا گیا اور اس کی فوج کو
شکست هوئی ' ان کا سارا مال و متاع
لوٹ لیا گیا ' ایرانی حواس باخته هوکر
دجله کے کناروں کی تلاش میں چلے تاکه
اسے عبور کر کے مشرقی سمت پر جا
اتریں۔ لیکن سعد نے ان کا تعا قب کیا
اور جلو له کے ۰ وقعه پر ان کے بهت سے
آ دمی پھر قتل کئے اور ان کا مال و
متاع لوٹ لیا ' قیدیوں میں ایرانی

تاجدار کی ایک لڑکی بھی پکڑلی *۔
پھر سعد نے مژدۂ فتح عمر (رض) کو
لکھکر بھیجا، اس زمانے میں عمر(رض)
لشکر کے حالات کا تردد کے ساتھ انتظار
کیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ہر روز
خبروں کی تلاش میں مدینہ سے باہر
نکل جاتے کہ شاید ادھر سے کوئی آنکلے اور
بتائے کہ عربوں پر کیا گزری - پس وہ
شخص جو سعد (رض) کے پاس سے مژدہ
لیکر چلا تھا آپہونچا تو عمر(رض) نے دیکھا
اور اس کو آواز دی- پھر پوچھا تو "کہاں
سے آتا ہے " - اس نے کہا " عراق سے "
بولے " سعد اور فوج کا کیا حال ہے ! "
قاصد نے کہا " خدا نے ان کو فتح بخشی"-
قاصد اونٹ پر سوار تھا اور عمر (رض)
زمین پر برابر برابر چل رہے تھے، قاصد کو
معلوم نہ تھا کہ وہ عمر (رض) ہیں ،
مگر جب مخلوق ان کے گرد و پیش جمع
ہونے لگی اور امیرالمومنین کے لقب سے
انہیں سلام کرنے لگی تو اس نے پہچان
لیا اور کہا " خدا کی تجھ پر رحمت!

---

* دیکھو صفحہ ۲۱۸

تونے مجھکو کیوں نہیں بتایا کہ خلیفہ
توھی ھے " عمر (رض) نے جواب دیا
کہ " اے اخی ! اس میں تیرا کیا قصور
ھے " اس کے بعد عمر (رض) نے سعد
(رض) کو لکھا کہ " جہاں ھو وھیں
ٹھیر جاؤ ' تعاقب نہ کرو ' اتنا کافی
ھے ' اور اس مقام پر مسلمانوں کے واسطے
ایک جاے پناہ اور شہر قائم کرو تاکہ
وہ اس میں رھیں اور ان کے اور میرے
درمیان کوی دریا حائل نہ کرو "۔ پس
سعد (رض) نے مسلمانوں کے لئے کوفہ
بنایا اور اس میں ایک مسجد کا نقشہ
تیار کیا ' لوگوں نے اپنے اپنے مکانوں کے
نشان قائم کئے اور سعد (رض) نے کوفہ
کو صوبہ کا مستقر قرار دیا ' پس اس
طرح اس نے مدائن * پر قابو پایا اور
اس کے خزائن و ذخائر پر قبضہ کیا " ـ

"اس موقع کے بعض عجیب واقعات کا ذکر

" ان میں سے ایک واقعہ تو یہ ھے کہ
کسی عرب کو کافور کا تھیلا مل گیا وہ
اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس اٹھا لایا '

---

* دیکھو صفحہ ۲۲۱ (حاشیہ)

انھوں نے کافور کو نمک * سمجھکر اس
کھانے میں ڈال دیا جسے وہ پکارہے تھے۔
مگر اس سے نمک کا مزہ پیدا نہوا ' نہ
انھیں یہ معلوم ہوسکا کہ وہ کیاچیزھے'
پھر ایک شخص نے جو اسے جانتا تھا
دیکھا اور تھیلا کا تھیلا اپنی شکستہ
قمیص کے بالعوض خرید لیا ' قمیص کی
قیمت دو درھم ھوگی —
" دوسرا یہ کہ صحرا کے ایک عرب کو
ایک بہت بڑا اور نہایت قیمتی یاقوت
مل گیا ' وہ اس کی قیمت سے واقف
نہ تھا۔ ایک شخص نے جو اس کی قیمت
سے واقف تھا اسے دیکھا اور ایک ھزار
درھم میں خرید لیا ' بعد میں عرب کو
اس کی اصلی قیمت معلوم ھوئی اس
کے یاروں نے لعنت ملامت کی کہ " تو
نے ایک ھزار سے زیادہ کیوں نہ مانگے"
اس نے جواب دیا مجھے ایک ھزار سے
زیادہ کی گنتی معلوم ھوتی تو میں
اس سے زیادہ مانگتا " —
تیسرا واقعہ یہ کہ ایک عرب

---

* دیکھو الھیئۃ ذریں صفحہ ۲۶۴ —

سونے کا سرخ قلا اپنے ہاتھ میں لئے
ہوئے آواز لگا رہا تھا "میرے زرد سے
کوئی اپنا سفید بدلتا ہے ' اس کا خیال
تھا کہ چاندی سونے سے بہتر
ہوتی ہے " —

یزدگرد کا انجام

" اس کے بعد یزدگرد بھاگ کر
خراسان چلا گیا اور اس کی قوت دن
بدن گھٹتی گئی یہاں تک کہ وہ سنہ
۳۱ھ (۶۵۱ - ۶۵۲ء) میں قتل کردیا گیا '
وہ سلاطین ایران میں آخری تھا

ہم نے الفخری کا یہ طویل اقتباس ترجمہ کیا ہے ' سبب
یہ ہے کہ اس نے مختصر الفاظ شگفتہ اور پر روز پیرایے میں
ایران کی عربی فتح کے نمایاں واقعات قلمبند کردئیے ہیں مگر ہے
یہ مختصر اور خاکے کی طرح کا 'کیونکہ طرح مقابلہ قادسیہ کی تباہ کن
لڑائی سے نہ تو شروع ہوا اور نہ اس پر ختم - ابتدائے
جنگ یعنی نومبر سنہ ۶۳۴ ع میں مردان شاہ اور چار ہزار
ایرانیوں نے مسلمانوں کو قسن ناطف پر سخت شکست دی '
نہ یہ بات تھی کہ نہاوند کی لڑائی میں جو قادسیہ سے
سات سال بعد واقع ہوئی ایرانیوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی
ہو ' انہوں نے علحدہ علحدہ مقامات میں نہایت سختی کے
ساتھ مقابلہ کیا اور صوبہ فارس میں جو عظمت عجم کا مرکز
اور گہوارہ تھا ' ہر شخص سر بکف ہوکر لڑا بلکہ طبرستان نے

جس کے ایک طرف دلدل اور قدرتی جنگل آگیا ہے اور دوسری طرف سلسلۂ کوہ نے اسے مرکزی سطوح مرتفع سے کاٹ دیا ہے اپنے اسپہبدوں یا ساسانیوں کے فوجی گورنروں کی ماتحتی میں ۷۶۰ ع تک اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا —

ساسانی ممالک کی عربی فتوحات کے بیان سے یہ بیان زیادہ مشکل ہے کہ حضرت محمد صلعم کے مذہب نے کس طرح زرتشت کے مذہب کو آہستہ آہستہ مغلوب کرلیا ' اکثر فرض کیا جاتا ہے کہ نبرد آزمایان اسلام نے اپنے حریفوں کے سامنے شرائط کے طور پر جو کچھہ پیش کیا وہ قرآن تھا یا تلوار ' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجوسیوں کو اجازت تھی اور ان کے ساتھہ عیسائی اور یہودیوں کو بھی کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں ' البتہ انھیں جزیہ یا ایک قسم کا " شخصی محصول " ادا کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور یہ انتظام بالکل انصاف پر مبنی تھا - کیونکہ غیر مسلم رعایا لازمی طور پر جنگی خدمات اور ادائے صدقات سے بری تھی اور مسلمانوں کے ساتھہ یہ دونوں شرطیں لگی ہوی تھیں ' چنانچہ فتوح البلدان بلاذری * کے صفحہ ۶۹ میں مرقوم ہے کہ یمن نے پیغمبر کی اطاعت قبول کی تو انھوں نے سفیروں کو بھیجا کہ وہ نو مسلموں کو آئین وار کان اسلام سکھائیں اور جو ایمان لاے اس سے صدقہ اور جو نہ لاے مثلاً عیسائی

---

* البلاذری سنہ ۲۷۹ ھجری = ۸۹۲ ع میں مرا - اُس کی تصنیف ڈے گوجے نے مرتب کی ہے (لندن ۱۸۶۶ ع)

یہودی اور مجوسی اس سے جزیہ وصول کریں ' اسی طرح عثمان کے معاملے میں انھوں نے "ابو زید کو حکم دیا کہ " مسلمانوں سے صدقہ اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا جاے " (صفحہ ۷۷)
بحرین میں ایرانی مرزبان اور اس کے چند اهل وطن نے اسلام قبول کیا مگر وهاں کے باقی لوگ بدستور مجوسی رهے اور هر بالغ آدمی ایک دنیا رفی کس کے حساب سے جزیہ ادا کرتا تها ' کتاب مذکور کے صفحہ ۷۹ میں لکھا هے کہ " مجوسی اور یہودی اسلام کے خلاف تھے اور جزیہ دینے کو ترجیح دیتے تھے ' عربوں میں جو منافقین تھے وہ یہ کہتے تھے حضرت محمد صلعم نے پہلے تو یہ کہا کہ جزیہ صرف اهل کتاب سے لینا چاهئے اور اب انھوں نے هجر کے مجوسیوں سے بهی جزیہ قبول کر لیا جو اهل کتاب نہیں هیں ' اس پر یہ آیت نازل هوئی :—

یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اهتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون —

اے مسلمانو ! تم اپنی خبر رکھو ' جب تم راہ راست پر هو تو کوئی بهی گمراہ هوا کرے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا - تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا هے ' تو جو کچھ کرتے رهے هو تم کو بتا دے گا *

---

* زرتشتیوں اور ان کے ساتھ عیسائی اور یہودیوں سے جزیہ وصول کرنے کے متعلق دیکھو " تہذیب مشرق " جلد اول صفحہ ۹۵ مصنفہ الے فان کریمر

وہ صلح‌نامہ جو حبیب بن مسلمہ نے آرمینہ کے باشندگان " وابیل " سے طے کیا تھا اس کے الفاظ یہ ھیں :- بسم‌اللہ الرحمن‌الرحیم - یہ ذمہ حبیب بن مسلمہ کا اھل " وابیل " کے نام ھے، خواہ وہ عیسائی ھوں ' مجوسی ھوں یا یہودی ' خواہ وہ حاضر ھوں یا غیر حاضر ' تحقیق کہ میں تمہاری جان و مال، تمہارے معبد اور گرجا اور تمہاری فصیلوں کی حفاظت اپنے سر لیتا ھوں ' تم اب محفوظ ھو اور ھم اس وقت تک شرائط صلح‌نامہ پر عمل درآمد رکھینگے جب تک کہ تم ان کو نہ توڑوگے اور شخصی و ارضی محصول دیتے رہوگے ' اس کا خدا گواہ ھے اور خدا کی گواھی کافی ھے " -

جیسا کہ البلاذری کے صفحہ ۲۶۷ سے ظاھر ھوتا ھے، ایک موقعے پر عمر (رض) کو کچھہ شک گزرا کہ مفتوح مجوسیوں کے ساتھہ کس قسم کا برتاؤ کرنا چاھئے ' لیکن عبدالرحمن بن عوف تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا : " میں رسول خدا کی نسبت گواھی دیتا ھوں کہ انھوں نے فرمایا تھا " اُن کے ساتھہ بھی تم وہ ھی برتاؤ کرو جو اھل کتاب کے ساتھہ کرتے ھو " --

یہ سچ ھے کہ وہ شہر اور قصبے جو مسلمانوں کے مقابلے پر کھڑے ھوے، بالخصوص وہ جنھوں نے پہلے اطاعت قبول کی اور بعد میں بغاوت ' آسانی کے ساتھہ نہ بچ سکے اور زیادہ تر باغیوں میں بالغ مرد یا کم سے کم جو نفوس مسلح پاے گئے وہ تلوار کا لقمہ بناے گئے ' اُن کی عورتیں اور ان کے بچے اسیر کئے گئے - لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ھوتا کہ

زرتشتی مذهب کے تکالیف دہ ارکان اور آداب طہارت سے دلاتا تھا ، ان تمام باتوں نے بہت سے ایرانیوں کو اس کی طرف مائل کر دیا اور کچھ شک نہیں کہ نو مسلموں کا بڑا گروہ خود بخود اور اپنی خوشی سے مسلمان ہوا - مثلاً قادسیہ پر شکست کھانے کے بعد ایران کے چار ہزار دیلمی سپاہیوں نے باہمی مشورہ کر کے اسلام اختیار کرنے اور عربوں سے جا ملنے کا فیصلہ کیا ، انھوں نے جلولہ کی لڑائی میں عربوں کا ہاتھ بٹایا اور بالآخر ان کے ساتھ کوفے میں آباد ہو گئے * - علاوہ ازیں لوگ جوق کے جوق بزمیت اسلام میں داخل ہونے لگے - فی الحقیقت ایرانی نو مسلموں اور ایرانی قیدیوں کی اس قدر تعداد کثیر عرب میں آمنڈ آئی کہ خلیفۂ عمر (رض) کو ایک فکر سی پیدا ہوگئی ، اور حسب بیان دینوری (صفحہ ۱۳۶) وہ گھبرا کے چیخ اٹھے کہ " اے خدا ! جلولہ کے قیدیوں کے بچوں سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں " -

---

(بقیۂ صفحۂ گذشتہ)

اس کو تصنیف کیا - کلام اللہ نے بہت سی باتیں اس میں سے لے لیں اور ثابت کرنا چاہا کہ آنحضرت علیہ الصلاۃ و السلام سے پیشتر ہی پیغمبران عجم کے صحف میں یہ سب کچھ موجود ہے - لیکن محققین اس فریب کی پردہ دری کر چکے ہیں اور مصنف خود اسی کتاب میں ' دساتیر ' کو جدید العہد مان چکا ہے -

پھر اسلام نے زرتشتیوں سے بھی کیا بات لی اور اس کا کیا ثبوت ہے ؟ (مترجم)

* بلاذری صفحہ ۲۸۰ - " تہذیب مشرق " مصنفۂ اے فان کریمر جلد اول صفحہ ۲۰۷ —

واقعات نے ان کی فکر کو بجا ثابت کیا ' کیونکہ ایرانی قیدیوں میں سے ایک شخص نے جسے عرب ابو لولوۂ کہتے ھیں ان کا کام تمام کردیا ۔ متعصب شیعہ اس قتل پر آج تک بغلیں بجاتے ھیں بلکہ کچھہ زمانہ پہلے تک " عمر کشان " کے نام سے اس کی برسی بھی اسی طرح کرتے تھے جس طرح انگلستان میں " گامی ناک " کادن منایا جاتا ھے —

سلمان فارسی

سب سے پہلے ایرانی نو مسلم سلمان (رض) تھے ' صحابہ میں آپ کا درجہ بہت بلند ھے ' نُصیریۂین شام ان کو اپنی صوفیانہ تثلیث کا جو حروف الم میم' سین (= علی(ض) = تصورمحمد(ص) = نام'سلمان(ض) = باب*) پر مشتمل ھے ایک جز و مانتے ھیں ' یہ اس زمانے میں ایمان لاے تھے جب کہ اسلام ابھی میدان جنگ میں نہیں اترا تھا ' انھیں فوجی انجنیری میں دخل تھا اور پیغمبر (صاحب) کو مدینے کی حفاظت میں ان سے بڑی مدد ملی تھی - ان کا حال جسے ابن ھشام نے (صفحہ ۱۳۶ سے ۱۴۳ میں) تفصیل کے ساتھہ لکھا ھے' نہایت دلچسپ ھے ؛ انھیں مذھبی باتوں کا بڑا شوق تھا ' اس شوق کی بدولت وہ نو عمری میں اصفہان کے عیسائی

---

* دیکھو الباکورۃ السلیمانیہ جس میں ایک نصیری مرتد کا اقبال درج ھے اور جو بیروت میں طبع ھوئی ھے ' اس میں تاریخ طبع درج نہیں ھے ' اس کا انگریزی ترجمہ از ای سیلسبری جرنل آف دی امریکن اورینٹل سوسائٹی بابۃ سنہ ۱۸۶۶ ع (جلد ہشتم صفحات نمبر ۲۲۷ — ۳۰۸) میں ملاحظہ کیا جاسکتا ھے ۔ نیز دیکھو جرنل ایشیا ٹک بابۃ ۱۸۷۹ صفحہ ۱۹۲ وغیرہ —

کر جاؤں میں اکثر آیا جایا کرتے تھے ' اسی کی بدولت وہ اپنے شفیق باپ اور پر آسائش گھر کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اسی کی بدولت انھوں نے اپنا پیدائشی مذہب پہلے عیسویت کے لئے ترک کیا اور پھر اسلام کے لئے۔ ان کا یہ مذہبی شوق خالص ایرانی تھا، اگرچہ ایرانیوں میں سلمان (رض) صرف ایسے شخص ہیں جنھیں اصحاب کے معزز حلقے میں جگہ ملی لیکن اسلام کے ممتاز علمائے متقدمین میں اکثر اشخاص عجمی الاصل نظر آئیں گے - اسی طرح جنگ کے بہت سے قیدی یا ان کی اولاد مثلاً شیریں (سیرین) کے چار بیٹے جو جلولہ کی لڑائی میں قید ہوے ' دنیائے اسلام کے نامور لوگ گزرے ہیں - لہذا یہ کہنا (جیسا کہ اکثر وہ لوگ کہتے ہیں جو تاریخ ادبیات فارسی میں محدود نظر رکھتے ہیں۔ جس کے خلاف ہم نے شروع کتاب میں صراحت کردی ہے) درست نہیں ہے کہ ایران کی اسلامی فتح کے بعد دو یا تین صدی تک اہل ایران کی دماغی اور علمی زندگی کا صفحہ سادہ رہا - بخلاف اس کے یہ زمانہ خاص اور بے حد دلچسپی کا زمانہ ہے ' اس میں قدیم و جدید کی آمیزش ہوئی ' اس میں زبان نے اپنا لباس اور خیالات نے اپنی جون بدلی ؛ اس زمانے کو جمود اور موت کا زمانہ کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ سچ ہے کہ سیاسی اعتبار سے ایران کا جداگانہ قومی وجود اس عظیم الشان اسلامی مملکت میں غائب ہو گیا تھا جو سیحون سے جبرالٹر (جبل الطارق) تک محیط تھی - تاہم اقلیم دانش و علم میں ایران نے بہت جلد اس فضلیت کا اظہار شروع کردیا جس کا استحقاق اس کے

باشندوں کی قابلیت اور دقت نظر کے باعث اسے حاصل تھا ' وہ چیز جس کا نام ' عربی سائنس ' (علوم عربیہ) رکھا گیا ہے ' یعنی فن تعمیر ' فن روایت ' دینیات ' فلسفۂ و حکمت ' طب ' تاریخ ' سیرت ' لغت بلکہ عربی صرف و نحو بھی۔ اگر ان میں سے ایرانیوں کا حصہ خارج کردیا جاے تو ان علوم کا بہترین حصہ غائب ہو جاےگا - اس کے علاوہ ملکی نظم و نسق کے بہت سے طریقے ایرانی نمونوں پر ڈھالے گئے تھے - الفخری (مرتبۂ اھلورڈٹ صفحہ ۱۰۱) دیوانہاے حکومت یا سرکاری دفاتر کی بابۃ لکھتا ہے * :—

" ہر مسلمان سپاہی تھا اور مسلمانوں کی لڑائیاں مذہب کے لئے تھیں ' اس دنیا کے لئے نہ تھیں - ان میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اپنی دولت کا معتد بہ حصہ خیر خیرات میں صرف کرتے تھے اور جو اپنے ایمان اور اپنے نبی کی اعانت کا معاوضہ خدا کے سوا کسی سے نہیں چاہتے تھے -

دیوانوں کا قیام و انتظام

---

* ڈوزی (" اسلام " صفحہ ۱۵۶ میں) لکھتا ہے " جس قدر قومیں مسلمان ہوئیں ان میں ایرانیوں کا مسلمان ہونا سب سے اہم چیز تھا ' انہوں نے اسلام کو استواری اور تقویت بخشی اور ایرانی ہی وہ لوگ ہیں جن میں سے اسلام کے مشہور ترین فرقے پیدا ہوے " -

پیغمبر یا ابو بکر نے ان پر کوئی مقررہ ٹیکس
نہیں لگایا تھا بلکہ جب لڑائی میں لڑتے اور غنیمت
کا مال ہاتھہ لگتا تو بس اتنا ہی لے لیتے
جتنا کہ قانوناً جائز تھا، اور مدینہ میں جب
کسی ملک کی دولت سمٹ کرآتی تو مسجد
نبوی میں اس کا ڈھیر لگا دیا جاتا اور پھر
اس کو وہ مناسب طور پر تقسیم کردیتے،
ابو بکر کی خلافت تک صورت حال یہ رہی لیکن
پندرھویں ہجری (=۶۳۶ء) میں حضرت عمر
کا زمانہ آیا اور انہوں نے دیکھا کہ کس طرح
فتح پر فتح ہوتی چلی جاتی ہے اور ایرانیوں کے
خزانے امڈے چلے آتے ہیں اور کس طرح سونے
چاندی جواہرات اور قیمتی پارچہ‌جات کے انبار
کھنچ کھنچ کر آرہے ہیں تو انہوں نے یہ
مناسب سمجھا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم
کردیں اور دولت ان کے درمیان بانٹ دیں
مگر ان کی سمجھہ میں نہ آیا کہ یہہ کریں
تو کیونکر، اتفاق سےمدینہ میں ایک ایرانی
مرزبان تھا جس نے ان کی پریشانی دیکھہ
کر کہا اے امیرالمومنین! شاہان ایران کے ہاں
ایک دفتر تھا جس کو وہ دیوان کہتے تھے،
جہاں ان کی آمد و خرچ کا سارا حساب درج کیا جاتا

تھا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی
تھی، اور جو لوگ وظیفوں کے حقدار ہوتے تھے
ان کے نام درجہ بدرجہ قلم بند کرلئے جاتے تھے
تاکہ کوئی غلطی نہ ہوسکے، عمر نے یہ سنا تو وہ
متوجہ ہوئے اور مرزبان سے کہا، اس کا پورا حال
بیان کر، پس مرزبان نے اسے بیان کیا اور عمر اسے
سمجھہ گئے اور پھر انہوں نے دیوان قائم کردئے —

مال کے محکمہ میں نہ صرف ایرانی طریقہ اختیار کیا
گیا بلکہ حجاج بن یوسف (قریب ۷۰۰ ع) کے زمانہ تک
ایرانی زبان اور حساب کی ایرانی علامتیں کام میں آتی
رہیں اور اس کے بعد جیسا کہ البلاذری نے (صفحہ
۳۰۰ - ۳۰۱) لکھا ہے سیستان کے گرفتار شدہ قیدیوں میں
سے ایک قیدی کے بیٹے صالح کاتب نے سواد (کلدان)
کے محکمہ مال کے ایرانی صدر کاتب و محاسب زادان ابن
فرخ سے فخریہ بیان کیا کہ اگر میں چاہوں تو سارا حساب
خالص عربی میں رکھہ سکتا ہوں، یہ الفاظ الحجاج تک
پہنچائے گئے تو اس نے صالح کو اس کام کے لئے حکم دیا ؛ اسپر
زادان کے بیٹے مردان شاہ نے چیخ کر کہا " خدا تیرے
خاندان کو اسی طرح نیست و نابود کردیے جس طرح تولے
ایرانی زبان کی جڑ کاٹی ہے " صالح کو ایک لاکھہ درہم
بھی پیش کئے گئے تاکہ وہ انتقال حساب سے انکار کردے
لیکن اس نے درہم لینے سے انکار کردیا، درحقیقت اس

رسالہ میں عبدالملک نے بڑا زور لگایا تھا کہ خارجی یعنی ایرانی اور بازنطینی اثرات کو جو نہایت قوت سے اپنا اپنا عمل کرنے لگے تھے دبا دے اور انہیں کم کر کے سرکاری دفاتر سے غیر عربوں کو خارج کردے ۔ اس کے لائق اور تند مزاج لفٹننٹ الحجاج نے بھی اس کوشش میں اس کا ہاتھہ بٹایا لیکن جزوی اور عارضی کامیابی کے سوا اس کا نتیجہ کچھہ نہ نکلا * —

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس درمیان میں پارسی مذہب سرکاری مذہب کی حیثیت سے ساقط تو ہوچکا تھا لیکن وہ ایران میں بالکل معدوم نہ ہوا تھا تارکان وطن کے جو گروہ عربوں کے حملہ سے بھاگ کر پہلے جزائر خلیج فارس اور پھر ہندوستان پہونچے اور یہاں پارسی نوآبادیاں قائم کیں جو بمبئی سورت اور ان کے گرد و نواح میں آج تک بستی ہیں ان کی تعداد بہت قلیل تھی ' قوم کا بڑا حصہ اس وقت تک زرتشت کو حضرت محمد صلعم اور اوستا کو قران پر ترجیح دیتا تھا ؛ جیسا کہ گذشتہ سطور میں دکھایا جاچکا ہے پہلوی ادب اس نئے عربی ادب کے پہلو بہ پہلو زندہ تھا جسے نومسلم ایرانیوں نے پیدا کیا ' مجوسی مذہب کے موبدان اعلی اب تک اہم اشخاص سمجھے جاتے تھے ۔

---

* دیکھو اے فان کریمر کی کتاب جلد اول صفحات ۱۹۹ - ۱۸۳

سرکاری حکام سے خط و کتابت میں بھی ان کی یہ اہمیت ملحوظ رکھی جاتی تھی اور ان کے ہم مذہبوں میں بھی جنہیں بہت بڑی حد تک حکومت خود اختیاری * حاصل تھی ' ان کا اثر وسیع پیمانے پر چھایا ہوا تھا آتش کدوں کے انہدام کے لئے اگر قانون نافذ بھی کئے گئے تب بھی عملاً انہیں بہت کم ہاتھ لگایا گیا اور ایسی مثالیں تو موجود ہیں کہ اگر کسی نے نامعقول جوش میں آکر ان آتش کدوں کو نقصان پہونچانا یا منہدم کرنا چاہا تو اسلامی حکام نے بعض وقت سخت سزاؤں سے کام لیا ہے † ' عربی فتوحات کے تین صدی بعد بھی ایران کے تقریباً ہر ایک صوبہ میں آتش کدے آباد تھے اگرچہ آج ہوتم شنڈلر ‡ کی تحقیقات اور اعداد و شمار کے مطابق ایران میں " آتش پرستوں " کی کل تعداد صرف آٹھ ہزار پانسو ہے ' خانی کوف (اقوام وسط ایشیا " صفحہ ۱۹۳) کا بیان ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر میں جس وقت موجودہ خاندان قاچار کے بانی آغا محمد خاں نے کرمان کا محاصرہ کیا ہے تو صرف اس شہر میں پارسیوں کے بارہ ہزار گھر آباد تھے پس ان کی تعداد میں تیزی کے ساتھ کمی آنا از منہ جدید کا واقعہ سمجھنا چاہئے گو اس مشاہدہ کرنے والوں

---

* دیکھو اے فان کریمر کی کتاب جلد اول ' صفحہ ۱۸۳

† مقابلہ کرو " دعوت اسلام " صفحہ ۱۷۹

‡ ہابسن ۱۸۸۲

کے اعداد کو جنہیں ہوتم شنڈلر نے پیش کیا ہے قابل وثوق مان لیا جائے تو پارسی ایران میں بہت زور پکڑ رہے ہیں —

آرنلڈ نے "دعوت اسلام" صفحہ ۱۸۰ — ۱۸۱ میں لکھا ہے "اس قسم کی شہادتوں کے باوجود یہ کہنا فی الحقیقت ناممکن ہے کہ اسلامی فاتحوں نے پارسیوں کو بجبر مسلمان کرکے ان کی تعداد گھٹا دی، عربوں کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں جن ایرانیوں نے مختلف وجوہ بالا سے اسلام قبول کیا ان کی تعداد غالباً بہت زیادہ تھی لیکن ان کے مذہب کا عرصہ تک باقی رہنا اور بعد کی صدیوں میں ان کا وقتاً فوقتاً تبدیل مذہب کرنا خود اس بات کی دلیل ہوسکتا ہے کہ قبول اسلام امن اور خوشی کے ساتھ عمل میں آیا: آٹھویں صدی کے آخر میں بلخ کے ایک پارسی سردار "سامان" نے خراسان کے گورنر اسد ابن عبداللہ کی مدد پہنچنے کے بعد زرتشت ترک کرکے اسلام اختیار کر لیا اور اپنے بیٹے کا نام اپنے حامی و محافظ کے نام پر اسد رکھا، یہی تو مسلم ہے جس کے نام پر سامانیہ خاندان (۸۷۴ — ۹۹۹ م) کا نام وجود میں آیا، نویں صدی

کے آغاز کے قریب قریب ابن شہر یار قابو سیہ خاندان
کا پہلا بادشاہ گذرا ہے جس نے اسلام قبول
کیا اور ۸۷۳ ع میں ناصرالحق ابو محمد کے
اثر سے دیلم کے آتش پرستوں کی ایک کثیر
تعداد نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی '
اس کے بعد کی صدی میں ۹۱۲ ع کے قریب
علی م کے خاندان کے ایک شخص حسن
بن علی نے ' جو بحیرہ خزر کے جنوبی
ساحل میں تھا اور علم و عقل سے آراستہ اور
مختلف مذاہب کے اصول احکام سے واقف تھا '
طبرستان اور دیلم کے باشندوں کو جن میں سے
کچھ تو بت پرست اور کچھ مجوسی تھے ' اسلام
لے آنے کی دعوت دی بہت سوں نے اس کی
دعوت قبول کی اور باقی اپنی غیر اسلامی
حالت پر قائم رہے ' ۳۹۴ ھجری (۱۰۰۳ -
۱۰۰۴ ع) میں ایک مشہور شاعر دیلم کا باشندہ
ابوالحسن مہیار نے جو مذھباً آتش پرست
تھا ' شریف الرضا کے ھاتھ پر جو اس سے بھی
زیادہ مشہور شاعر اور فن شعر میں اس کا
استاد تھا ' مسلمان ہوا ' * تبدیل مذہب

---

* ایک دوسرے ممتاز پارسی نومسلم مشہور ابن المقفع کی
بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۷۹)

کی یہ مثالیں اگرچہ تعداد میں زیادہ نہیں
ہیں لیکن اسلامی فتوحات کے تین ساڑھے تین
سو برس بعد تک ان مثالوں کا پایا جانا اس
امر کا بین ثبوت ہے کہ اہل ایران مذہبی
روا داری سے مستفیض تھے اور ان کی تبدیلی
مذہب با امن اور کم از کم ایک حد تک
بتدریج طریقہ سے عمل میں آئی " —

تاہم کچھہ زمانہ تک ایران اور عرب کی دماغی اور
سیاسی زندگی ایک دوسرے سے اس قدر وابستہ بلکہ ایک
ہی رہی ہے کہ آئندہ بابوں میں جہاں خلفا ے اموی و
عباسیہ کے تحت میں ارتقاء اسلام اور اسلام کے بڑے بڑے
فرقے اور مسلکوں سے بحث کی گئی ہے ان دونوں قوموں کا
ذکر ایک ساتھہ کرنا لازمی ہوگا اور بعض ایسے ملک پر
قلم اوٹھانی پڑے گی جن کا تعلق ایرانیوں کی نسبت
عربوں سے زیادہ ہے —

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۷۸)

طرح غالباً مہیار بھی کچھہ اچھا مسلمان نہ تھا ، خلیفہ مہدی
اول الذکر کی نسبت کہا کرتا تھا " زندقہ (یعنے بدعت خصوصاً
معنوی ڈھنگ کی) پر میں نے کوئی کتاب ایسی نہیں دیکھی
جسکی تہ میں ابن المقفع نہ ہو ، آخر الذکر کے مسلمان ہونے کی
خبر القاسم ابن برهان نے سنی توکہا " مسلمان ہونے سے تم جہنم
کے ایک کونے سے محض دوسرے کونے میں منتقل ہوگئے "
(ابن خلکان ، مترجمہ ڈے سلین ، جلد اول ، صفحہ ۴۳۱ ، جلد سوم
صفحہ ۵۱۷)

باب ششم

عہد بنو امیہ

(سنہ ۶۶۱ ع تا سنہ ۷۴۹ ع)

عہد خلافت سے کیا مراد ہے

عہد خلافت کا آغاز جون سنہ ۷۴۹ ع سے ہوا ' جب کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر (رض) خلیفہ ہوے ' اور اس کا خاتمہ سنہ ۱۲۵۸ ع میں اس وقت ہوا جب کہ ہلاکو خاں نے اپنی مغل فوجوں کے ساتھہ بغداد پر قبضہ کرکے ' شہر کو لوٹا اور آخری خلیفہ المستعصم با اللہ کو تہ تیغ کیا ۔ بقول سرادورڈ کریری* کے ۔ (Sir edward creary) یہ ضرور صحیح ہے کہ خلیفہ کا خطاب اس واقعہ کے کئی سو سال بعد بھی یعنی سنہ ۱۵۱۷ ع تک بنو عباس کے آوارہ جانشینوں میں باقی رہا ' جو ممالک

---

* History of the ottoman turks London 1877.

مصر کے دار الخلافة میں ظاہری شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے ' لیکن حقیقی قوت سلب ہوچکی تھی بالکل اسی طرح جس طرح کہ مغل اعظم کی اولاد برٹش انڈیا میں رہتی تھی " اسی سال (سنہ ۱۵۱۷ م) عثمانی سلطان سلیم اول نے خاندان عباسیہ کو تاخت و تاراج کردیا اور برائے نام خلیفۂ وقت کو مجبور کرکے خطاب خلافت مع لوازمات مقدسہ یعنی لوائے مبارک ' تلوار اور ردائے مبارک اپنے لئے حاصل کرلیا اس وقت سے سلاطین عثمانی اپنے آپ کو نائب رسول اللہ امیرالمومنین اور امام المسلمین کہتے ہیں ' لیکن خواہ ان القاب و خطابات سے انہیں کچھ فائدہ پہونچا ہو یا نہیں واقعہ یہ ہے کہ خلافت چھہ سو چھبیس سال تک باقی رہنے کے بعد سنہ ۱۲۵۸ ع ہی میں ختم ہوچکی تھی ۔ —

اس دور کی تقسیم ممتاز لیکن غیر مساوی حصوں میں ہوتی ہے :—

خلافت کے تین دور | (۱) خلافت راشدہ یعنی حضرت ابوبکر (رض) عمر (رض) عثمان (رض) اور علی (رض) کا زمانہ (سنہ ۶۳۲ تا سنہ ۶۶۱ ع) جسے تاریخ اسلام میں حکومت الٰہی کا نام

History of the Ottoman Turks, London 1877 —

دیا جا سکتا ہے —

(۲) خلفائے امیہ یا یوں کہنا چاہئے کہ شاہان امیہ کا زمانہ' اس لئے کہ بعد کے مسلمان مورخین انہیں خلیفہ کا روحانی مرتبہ دینے سے انکار کرتے ہیں۔ بنو امیہ نے جو کل ۱۴ تھے' سنہ ۶۶۱ ع سے سنہ ۷۴۹ ع تک حکومت کی۔ اس زمانے کو " عرب شاہنشاہیت اور کفار کے رد عمل " کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۳) بنو عباس کا زمانہ جن کی تعداد ۳۷ تھی۔ ان کے عہد کا آغاز سنہ ۷۴۹ ع سے ہوا۔ ابوالعباس عبداللہ الملقب بہ السفاح کے نام کا خطبہ کوفہ میں پڑھا گیا' اور اس عہد کا خاتمہ سنہ ۱۲۵۸ ع میں ہوا جب ہلاکو اور اس کے مغلوں نے المستعصم کو ہلاک کیا۔ اس زمانے کو ایرانی عروج' اور فلسفیانہ اور عالمگیر اسلام کا دور کہا جا سکتا ہے —

دور اول میں حکومت کا مرکز مدینہ تھا' دوسرے دور میں دمشق' اور تیسرے میں بغداد	مغلوں کے حملے سے اسلام کی ذہنی نیز سیاسی تاریخ میں انقلاب

تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں کا حملہ

---

* اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو سرولیم میور کی مصنفانہ زوبہ Caliphate, its decline & fall P. 594

نہ صرف خلافت کی تباہی کا باعث ہوا
بلکہ اس سے مشرق میں سلطنت اسلامی کے اتحاد
کا شیرازہ بھی بکھر گیا اور اسلام کا زریں عہد
ختم ہو گیا۔ ایشیائی تاریخ میں آں حضرت
صلعم کے زمانے کے بعد اگر کوئی اہم ترین واقعہ
پیش آیا ہے تو وہ یہی حملہ ہے۔
ویسے تو اس سانحہ جانکاہ کے بہت پہلے سے
خلافت کی قوت اپنی اس پہلی عظمت کی
ایک مٹی ہوئی سی یادگار رہ گئی تھی
جسے ٹینی سن (Tennyson) نے "نیک دل
ہارون الرشید کا زریں عہد سلطنت" کہا ہے' لیکن
اگرچہ خلفا کی سلطنت زیادہ تر ایسے خاندانوں
اور حکمرانوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تقسیم
ہو گئی تھی جن کی اطاعت اور انقیاد صرف
زبانی تھی لیکن شہر بغداد آخر وقت تک
اسلام کا دار الخلافہ اور علم و تہذیب کا
مرکز تھا' اور عربی صرف سیاسی اور
علمی زبان ہی نہ تھی بلکہ مہذب حلقوں
اور شستہ مجالس میں بھی رائج تھی۔
مغلیہ دور سے پہلے کے مسلمان مصنفین کی
جس تحقیق علمی اور تنقیدی نظر کے ہم
سب معترف اور مداح ہیں اس کی مثالیں

بعد کو تھوڑی کے ساتھ کم ہوتی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو ایرانی ادب (یعنی وہ ادب جو فارسی زبان میں تھا) خلافت کے آخری زمانے میں اور اس کے زوال کے بعد پیدا ہوا، وہ باوجود اپنے ظاہری محاسن کے کسی طرح سے بھی اہمیت اور دلچسپی کے اعتبار سے پہلے کے ادب سے ذکر نہیں کیا تھا جو اگرچہ عربی میں تھا، لیکن زیادہ تر غیر عربی اور خصوصاً ایرانی دماغوں کا آفریدہ تھا۔ مغلوں کا حملہ صرف سیاسی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ ذہنی حیثیت سے بھی ابتلا کے دوام تھا، اور اس سے پہلے اور اس کے بعد کے خیالات اور تصانیف میں جو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے وہ صرف کمیت ہی کا نہیں بلکہ کیفیت کا بھی ہے۔

خلفا کی مفصل تاریخ لکھنا اس موجودہ تصنیف کے موضوع سے باہر ہے خاص کر اس وجہ سے کہ یہ کام جرمن زبان میں ڈاکٹر گستاف وائل (Gustav Weil) (سنہ ۱۸۴۶ تا ۱۸۶۲) اور انگریزی میں سر ولیم میور*

---

* Annals of the early caliphate [1883]; the caliphate, its rise, decline and fall (1891 and 1892); also the life of Mahomet, Mahomet and Islam etc.

(Sir William Muir) بہت قابل تعریف طریقہ
پر انجام دے چکے ہیں۔ فرانسیزی خصوصیات
کا جو مجمل بیان ہم کریں گے، خصوصاً
مذہب، فلسفہ، تہذیب، سیاسیات اور
سائنس کے میدانوں میں ان دوروں کے ایرانی
مظاہرات سے جو بحث کی جائے گی، اس کا
مآخذ مذکورہ بالا اعلیٰ درجے کی تصانیف نہ
ہوں گی، اس مقصد کے لئے یورپین زبانوں
میں جو بہترین کتابیں لکھی گئی ہیں وہ
حسب ذیل ہیں :—

(1) A. Von Kremer's: Geschichte der herrschenden Ideen des Islams (1868)

(2) ایضاً : Culturgeschichtliche Streifzüge auf dem Gebiete des Islams (1873)

(3) ایضاً : Culturgeschichte des Orients unter dem Chalifen (2 Vols, 1875 - 1877)

(4) Dozys': Het Islam (1863)

جس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں وکٹر شاون
(Victor Chauvin) نے Essai Sur l' Histoire de
l' Islamisme (1879) کے عنوان سے کیا ہے —

(5) Dozy's Histoire des Musulmans d'Espagne,

(تاریخ مسلمانان اندلس)

(6) Goldziher's; Muhammedanische Studien (2 Vols, 1889 - 1890) — (اسلامیات)

(7) Von Volten,s Recherches Sur la domination arabe, le Chii tisme et les Croyances Messianiques Sous le Khilafat des Omayades (1894)

(8) " Opkomst der Abbasiden;

(9) T. W. Arnold's: Preaching of Islam, (1896) "تبلیغ اسلام"

ان کے علاوہ اور دوسری ایسی کتب مثلاً کاسین ڈی پرسی وال (Caussin de Perseval) شمولڈرس (Schmolders) ڈوگات (Dugat) وغیرہ کی تصانیف سے نیز متعدد بہترین مقالات سے مثلاً خارجیوں کے متعلق برونو (Brunnow) کا مضمون یا ظاہریوں کے متعلق گولڈزیہر (Goldziher) کا مقالہ یا ڈی گوئے جے (de Goeje) کے مضمون سے جو (Carmathians) پر ہے' اسٹائنر (Steiner) کا مقالہ معتزلہ پر اسپٹا (Spitta) کا مقالہ الاشعری پر بہت کچھ مدد مل سکتی ہے —

ایران کی جن دو تاریخوں سے انگریز سب سے زیادہ روشناس ہیں' وہ سرجان ملکم اور کلی منٹس مارکہم کی

کلو رکھتی ھیں - ان دونوں نے اس دور تکوین سے جو ساتویں
صدی عیسوی میں عربوں کی فتوحات ایران اور نویں
صدی میں پہلے خود مختار یا نیم خود مختار ایرانی
خانوادوں کے قیام کا درمیانی زمانہ ھے ' بہت سر سری اور
مجمل طور پر بحث کی ھے - وہ اسے بھی اس زمانے
کی طرح جو اقامنشیوں کے زوال اور ساسانی
خاندانوں کے عروج یعنی ۳۳۰ ق - م اور ۲۲۶ عیسوی
کے درمیان گزرا تھا ایرانی قومی زندگی کے عارضی تعطل
کا زمانہ خیال کرتے ھیں ' حالانکہ یہ واقعہ نہیں ھے
اور یہ دور (سنہ ۷ تا سنہ ۹ ع) نہ صرف ایک نہایت
دلچسپ دور ھے ' بلکہ ذھنی حیثیت سے ان سب دوروں سے
زیادہ عہد آفریں ھے - جن میں ایرانی تاریخ تقسیم کی
جا سکتی ھے —

اگرچہ در اصل خلافت بنو امیہ حضرت علی کی وفات
اور معاویہ کی مسند نشینی (سنہ ۶۶۱ ع) کے وقت سے شروع
ھوتی ھے لیکن جو رجحانات اور خیالات اس خلافت کے
قیام کا باعث ھوے ان کا پتہ خلیفہ سوم حضرت عثمان
(سنہ ۶۴۴ تا سنہ ۶۵۶ ع) کے زمانے تک چلتا ھے - ھم
اس سے پہلے بحث کر چکے ھیں کہ آں حضرت کی رسالت
کا سب سے بڑا اور اھم ترین کارنامہ یہ تھا کہ عربوں
میں نہ صرف ایک مشترکہ قومی احساس پیدا ھو گیا
بلکہ کفار عرب کے متعصبانہ تنگ نظری کی جگہ تمام

مسلمانوں میں ایک عام مذہبی حس بھی پیدا ہو گئی -
لیکن اس بلند اور اعلی نصب العین پر قائم رہنا شروع
ہی سے مشکل تھا ' اس لئے کہ عربوں کے قدیم قومی
خصائص جو ان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے '
اس قسم کے اصولوں سے میل نہیں کھاتے تھے - چنانچہ
خود آنحضرت صلعم کا اپنے مولد مکہ اور اپنے قبیلۂ قریش
کی طرف جو زیادہ رجحان تھا اس نے کئی موقعوں پر
انصار مدینہ کے دلوں میں جن کی بر وقت مدد آنحضرت
کے بہت کچھ مفید ثابت ہوئی تھی ' خلش اور بے
اطمینانی پیدا کر دی تھی - پھر بھی بحیثیت مجموعی
یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی مساوات کا یہ نصب العین
سنہ ۶۴۴ ء میں حضرت عمر کی وفات تک بخوبی قائم
رہا - اس کا نصب العین ہونا قرآن کی اکثر آیات نیز
احادیث سے ظاہر ہے :—

" ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم " یا " انما المومنون اخوۃ
فاصلحوا بین اخویکم " یا یہ حدیث " اے انسان خدا نے
تجھ میں سے زمانہ جاہلیت کی بے ادبی ' اور نسب
پر قدیم فخر دور کر دیا ہے ' عرب کو بربری پر بجز
اس کے کہ وہ زیادہ متقی ہو اور کوئی فوقیت حاصل
نہیں ہو سکتی - تم سب بنی آدم ہو اور آدم خود اہل
ارض میں سے ہیں " - اگرچہ اس وقت ایسے غیر عرب '
یا بربری جو ایمان لائے ہوں معدودے چند ہی تھے اور

نبی کریم کو زیادہ سے زیادہ امید افزا لمحات میں بھی اس کی توقع بمشکل ہو سکتی تھی کہ دین اسلام کی اشاعت جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے آگے بڑھ سکے گی ' لیکن مذکورہ بالا آیات میں ہمیں مومنین کی باہمی مساوات ' اور ولادت یا نسب پر نہیں بلکہ ایمان پر فخر کرنے کا تصور نہایت صحیح طور پر بیان کیا ہوا نظرآتا ہے۔

لیکن حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی قدیم قبیلہ واری اختلافات پھر ابھر آئے۔ مکہ اور مدینہ ' مہاجرین اور انصار اور نبی کریم کے قبیلۂ قریش میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی باہمی رقابتیں نیز قبیلہ قریش اور دیگر قبائل کی آپس کی رنجشیں جو قریش کے عروج کو کچھ زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ غرضکہ نفاق اور شقاق کے یہ سب اندیشے جو پہلے ہی سے موجود تھے ' نئے خلیفہ کی قوت فیصلہ کی کمی ' کمزوری ' ضد ' اور علانیہ بنو امیہ کی جانبہ داری حتی کہ ایسے لوگوں کی بھی حمایت جن کا اسلام سے تعلق مشتبہ تھا ان سب وجوہات کی بنا پر اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔ آئندہ جو بحث کی جائے گی اسے واضح تر بنانے کے لئے ہم نے سٹینلی لین پول (Stanley Lanepool) کی مفید کتاب مسلمان شاہی خاندان (Mehammadan Dynasties) سے دو شجرے نقل کر دئے ہیں۔ پہلے شجرے سے قبیلۂ قریش کی شاخیں اور خلفاء کے خاندانوں کا تعلق معلوم ہوتا ہے :—

قریش
ابو مناف
عبدالشمس
امیہ
عثمان اور بنو امیہ
ہاشم
عبدالمطلب
عباس
بنو عباس
ابو طالب
عبداللہ
ابو بکر
عمر
حفصہ
عائشہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
الحنفیہ
علی
فاطمہ
رقیہ اور
ام کلثوم
عثمان
محمد ابن الحنفیہ
حسین
حسن
فاطمی خلفا وغیرہ
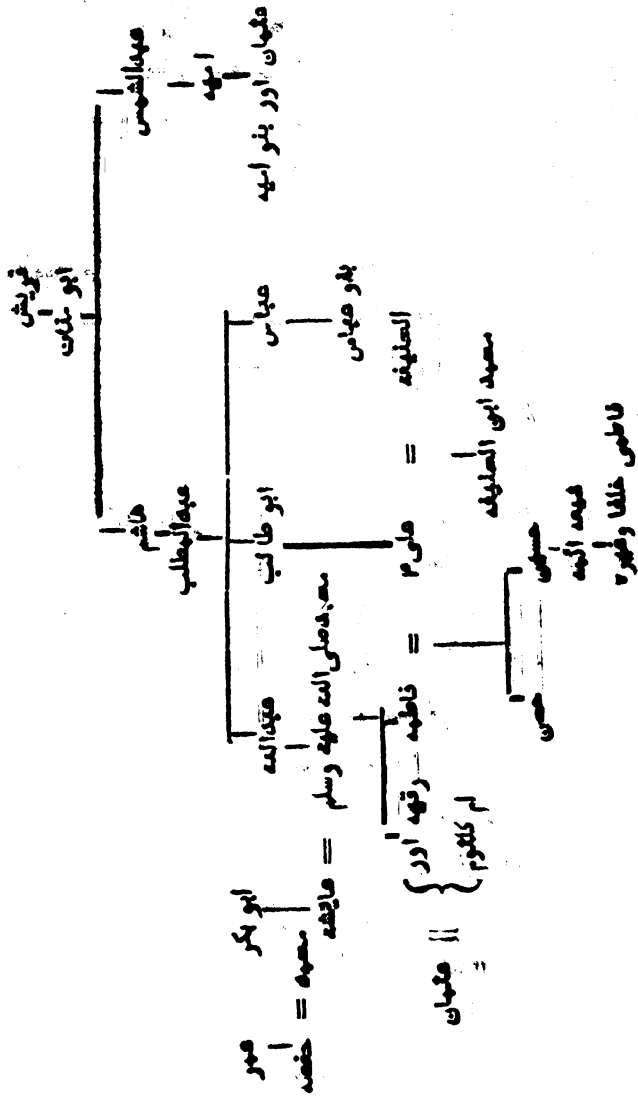
مذکورہ بالا شجرے سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ خلفاے راشدین میں سے پہلے تو ابوبکر (رض) اور عمر (رض) نبی کریم کے خسر تھے اور آخری دو عثمان (رض) اور علی (رض) دونوں ان کے داماد تھے۔ لیکن قرابت قریبہ ان میں سے صرف حضرت علی ہی کے ساتھ تھی اس لئے کہ وہ نہ صرف نبی کریم کے برادر عم زاد تھے، بلکہ شروع ہی سے اسلام کے حامی اور فدائی بھی تھے۔ ہمیں اس شجرے سے ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے (جس کی اہمیت آئندہ باب میں ظاہر ہوگی) کہ لفظ بنو ہاشم میں شیعہ ائمہ (جو حضرت علی اور رسول کریم کی صاحب زادی فاطمہ کی اولاد ہیں) اور خلفاے عباسیہ دونوں شامل ہیں لیکن بنو امیہ اس کے دائرے سے خارج ہیں—

دوسرے شجرے سے خلفاے امیہ کا رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ نیز حضرت عثمان کے ساتھ معلوم ہوتا ہے:—

امیه
حرب
ابوالعاص
ابوسفیان
(۱) معاویہ اول
(۲) یزید اول
(۳) معاویہ ثانی
حاکم
عفان
(۴) مروان اول
عثمان
عبدالعزیز
(۵) عبدالملک
محمد
(۸) عمر ثانی
(۱۱) مروان ثانی
(۱۰) ہشام
(۹) یزید ثانی
(۷) سلیمان
(۸) ولید اول
(۱۱) ولید ثانی
(۱۳) ابراہیم
(۱۲) یزید ثالث
معاویہ
عبدالرحمن
بنو امیہ اندلس

اسلام نے انصاف کا جو سخت اور بے لاگ معیار مقرر کیا تھا، حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آغاز ہی سے اس کی خلاف ورزی کر کے اپنے احباب اور رشتہ داروں کے ساتھ خاص مراعات برتنی شروع کردیں۔ سابق خلیفہ حضرت عمر کے قاتل ایرانی غلام ابو لولوء کو از روے اصول سزاے موت ملنی چاہئیے تھی، لیکن عمر کے بیٹے عبیداللہ نے صرف قاتل ہی کو مارنے پر اکتفاء نہ کی بلکہ ایک اور ایرانی سردار ہرمزان کو بھی جو اسیر جنگ تھا اور مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا، شرکت جرم کے شبہ میں قتل کر دیا۔ لیکن اس کے شریک جرم ہونے کا کوئی ثبوت نہ تھا اور علی (رض) نے جو اسلامی قوانین کی پابندی اور حمایت سختی کے ساتھ کرتے تھے کہا کہ چونکہ عبیداللہ نے ایک مومن کو بے وجہ قتل کیا ہے اس لئے انھیں بھی سزاے موت ملنی چاہئیے۔ لیکن عثمان نے اسے گوارا نہ کیا، بلکہ قصاص کے عوض ایک رقمی خونبہا تجویز کیا اور اپنی جیب سے ادا کیا * اور جب زیاد بن لبید نے جو انصار میں سے تھے ان کی اس بے جا نرم دلی پر اشعار † میں انھیں برا بھلا کہا تو انھوں نے اس جسارت کی پاداش میں شاعر کی زبان بند کردی اور اسے

---

* میور کی تاریخ خلافت (Caliphate) صفحہ ۲۰۵-۱۲- مصنف

† یہ اشعار ناظرین کو (De goeje) کے طبری کے اڈیشن سلسلہ نمبر ۱ جلد ۵، صفحہ ۲۷۹۹ پر ملیں گے ۱۲۰ مصنف

خارج البلد کر دیا ۔

غرض کہ جس وقت سے حضرت عثمان مسلہ خلافت پر بیٹھے ، ان کا ذاتی اغراض سے متاثر ہونا ظاہر ہونے لگا ، اور مرور ایام کے ساتھہ اس میں اور زیادتی ہوتی گئی ۔ عام طور پر عربوں کے دل قبیلۂ قریش کی طرف سے صاف نہ تھے ، اور ان کے عروج پر ان کا رشک و حسد بڑھتا جاتا تھا ۔ اور اب حضرت عثمان کی امیہ کی علانیہ حمایت کی وجہ سے (جنھوں نے تاحد امکان آنحضرت کی مخالفت کی تھی اور بدرجہ مجبوری اور بادل ناخواستہ اسلام اس وقت قبول کیا تھا جب وہ اس کی مخالفت نہ کرسکتے تھے) ہاشمی دماغ کو ان کے ساتھہ بالکل ہمدردی باقی نہ رہی اور قبیلۂ قریش کا آپس کا شیرازۂ اتحاد درہم برہم ہوگیا ۔ آنحضرت کے بعض جانی دشمن مثلاً ابوسرح جو عثمان کے رضاعی بھائی تھے اور جنھیں اگر عثمان سفارش نہ کرتے تو آنحضرت فتح مکہ کے موقع پر سزائے موت دیتے ، اعلیٰ عہدوں پر ممتاز کئے گئے اور بیش قرار تنخواہوں سے ان کی دولت میں اضافہ کیا گیا ۔ ایسے لوگوں کو جن کی فرائض مذہبی ادا کرنے میں کوتاہی عام طور پر مشہور تھی ، ذی ثروت ولایتیں سپرد کی گئیں ؛ مثلاً ولید بن عقبہ جس کے باپ کو آنحضرت نے غزوۂ بدر کے بعد مروا ڈالا تھا ، اور ناری بتایا تھا ، یا سعید بن العاص

جس کا باپ اسی جنگ بدر میں کفار کی طرف سے لڑکر ہلاک ہوا تھا۔ ولید جس کے سپرد کوفہ کی ولایت کی گئی تھی، مسجد میں شراب پئے ہوئے آیا، غلط نماز پڑھائی اور پھر جماعت سے کہا کہ "جی بھر گیا یا کچھ اور لوگے"۔ اس میں شک نہیں کہ اسے خدمت سے برطرف کردیا گیا، لیکن حد شرعی عثمان (رض) کی مرضی کے خلاف محض علی (رض) کے اصرار سے لگائی گئی۔ خلیفہ (عثمان) کا چھوٹا چچا زاد بھائی ابن عامر بصرے کا عامل بنایا گیا جب یہ خبر بوڑھے عامل ابو موسی (جس کی جگہ ابن عامر آیا تھا) نے سنی تو کہا کہ اب تم کو ایسا محصول جمع کرنے والا مل رہا ہے جس سے غالباً تمہارا جی بھر جائے گا، جس کا چچا زاد بھائی، چچا، اور چچیاں بے شمار ہیں اور جو اپنی جونکوں سے تمہارا ناک میں دم کردے گا۔ کوفہ کا نیا عامل سعید بن العاص بھی اتنا ہی بد تھا جتنا اس کا پیش رو۔ یہاں تک کہ رعایا میں شکایت کے طور پر یہ مثل مشہور ہوگئی ایک قریشی دوسرے قریشی کے بعد عامل ہوتا ہے اور جانشین بھی اتنا ہی بد تر ہوتا ہے جتنا کہ پیش رو۔ یہ تو بالکل وہی مثل ہوئی کہ چولہے سے نکلا تو بھاڑ میں گرا"۔

عثمان (رض) کا قتل سنہ ۶۵۶ع	اس روز افزوں بے چینی کے اور لیہاب بھی تھے جن کی وجہ سے نبی کریم کے

اور صحابہ بھی جو اپنے زہد و تقوی کے لئے ممتاز تھے دن بدن بد دل ہوتے گئے - ابن مسعود جو نصوص قرانی کے متعلق حکم کا درجہ رکھتے تھے ' حضرت عثمان کی قران کی نظر ثانی اور خصوصاً غیر مستند نسخ قرانی کے تلف کردئیے جانے کی وجہ سے ان سے ناراض ہوگئے - ابوذر کو ' جو مسلمانوں کی مساوات کے حامی تھے ' اور اس عیش پسندی کے جو روز بروز بڑھتی جاتی تھی سخت مخالف تھے جلا وطن کردیا گیا ' اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا * - نئی نئی بدعتوں نے جن کے جواز کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ خلیفۂ وقت کی مرضی یہی تھی - بددلی اور ناراضی کے اس طوفان کو اور شدید کردیا ' حتی کہ کہ ۱۷ جون سنہ ۶۵۶ ع میں معمر خلیفہ کو اس حالت میں کہ وہ مدینہ میں اپنے زنانہ مکان میں بیٹھے تھے دشمنوں کے ایک گروہ نے بے دردی کے ساتھ قتل کردیا - ان کی بیوی نائلہ (رض) نے آخر وقت تک حق وفاداری ادا کیا ' اور اپنے ہاتھ پر قاتلوں کے ایک وار کو جو عثمان (رض) پر کیا گیا تھا روک لیا ' جس سے ان کی کئی انگلیاں کٹ گئیں - بعد کو امیر معاویہ نے یہ کٹی ہوئی انگلیاں

---

* اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مروج الذہب مرتبہ بار بیرنی ڈی مے نارڈ جلد چہارم صفحہ ۲۶۸ - صفحہ ۲۷۳-۱۲ - مصنف —

اور ان کے ساتھ مقتول خلیفہ کی خون آلودہ قمیص دمشق کی جامع مسجد میں مسلمانوں کو دکھائیں ' مطلب یہ تھا کہ قاتلوں کے خلاف شامیوں کی آتش غیظ و غضب بھڑک اٹھے * —

علی (رض) کا انتخاب خلافت

عثمان (رض) کی وفات سے اسلام کا رہا سہا نمایشی شیرازہ اتحاد و یکا نگہت بھی پراگندہ ہوگیا ' اور ایسی جنگیں شروع ہوگئیں جن میں اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کی شمشیریں مسلمانوں ہی کے خلاف نیام سے نکل پڑیں - بالآخر علی (رض) خلیفہ منتخب ہوے ' جو منصب اکثر لوگوں کی راے میں ' ان کے حقوق کو دیکھتے ہوے انھیں بہت پہلے ملنا چاہئے تھا - طلحہ اور زبیر کو اپنی کوششوں میں مایوسی ہوئی جس پر انھوں نے حضرت عائیشہ (دختر ابوبکر (رض) اور بیوۂ رسول کریم) کے اشارے سے بغاوت کردی ' اور اس کی پاداش میں دسمبر سنہ۶۵۶ع میں جنگ جمل میں کام آے ' اس لڑائی میں دس هزار مسلمان کھیت رہے - علی (رض) نے بہت کوشش کی کہ اس کشت و خون کی نوبت نہ آنے پاے ' لیکن عین اس وقت جب کہ انھیں کامیابی کی کچھ امید ہو چلی تھی ' عثمان (رض) کے قاتلوں نے جو ان کی فوج میں تھے ترکر کہ کہیں صلح ہونے کی صورت میں ان سے مواخذہ

---

* انفنٹری (اڈیشن ایلوارڈت) صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۲ مصنف

نہ کیا جائے ' فوراً ھی لڑائی چھیڑدی —

معاویہ کا علی کو خلیفہ ماننے سے انکار

شام میں جہاں عثمان (رض) کے رشتہ دار معاویہ والی تھے ' اس سے اور زیادہ بے چینی پھیل چکی تھی ' اس لئے کہ وہاں بنو امیہ کا اثر بہت زیادہ تھا - علی کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ وہ اس ذی اثر اور فطرتی والی سے تعارض نہ کریں ' لیکن انھوں نے نہ مانا اور انھیں ان کی خدمت سے واپس بلانے پر مصر رھے - معاویہ نے تعمیل حکم سے انکار کردیا ' اور جواب میں علی کو صریحاً عثمان کے قتل کی سازش کا شریک ٹھیرایا - اس سے پہلے یہی الزام ولید بن عقبہ نے (جس کو جیسا کہ هم بیان کر چکے هیں حضرت علی کے هاتھوں سزا مل چکی تھی) بعض اشعار * میں جو اس نے هاشمیوں کو مخاطب کر کے لکھے تھے علی پر لگایا تھا - ان میں سے آخری شعر یہ هے :-

" تم نے ان (عثمان) کے ساتھ دغا کی
تاکہ ان کی جگھہ لے لو جس طرح سے کہ
کسری کے ساتھ اس کے امیروں نے دغا کی تھی "

غرض کہ معاویہ نے عثمان کے انتقام کا بیڑا اٹھایا ' اور نہ صرف علی کے احکام کی تعمیل ' یا ان کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ خود خلافت کا دعوی کیا ' اس دعوی کی تائید امیر ابن العاص نے کی جنھیں

---

* ملاحظہ ھو مسعودی صفحہ ۲۸۹ - ۱۲ مصنف —

اس کے صلے میں والی مصر بنائے جانے کا واعدہ کر لیا گیا تھا - جب گفت و شنید سے معاملے کے تصفیہ کی امید نہ رہی تو علی نے جو مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا چکے تھے معاویہ اور ان کے شامیوں کے خلاف جنگ شروع کردی' اور پچاس ہزار کی فوج لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے - دونوں فوجیں بمقام صفین

جنگ صفین

جو شام میں حلب اور حمص کے درمیان میں واقع ہے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں اور کئی روز کے شبخوں اور صلح کی بے نتیجہ گفت و شنید کے بعد اواخر جولائی سنہ ۶۵۷ ع میں فیصلہ کن معرکہ ہوا - لڑائی کے تیسرے روز علی کی فتح بہت کچھ یقینی ہوگئی تھی' کہ اتنے میں امیر ابن‌العاص نے جو حربی چالوں کے بڑے ماہر تھے معاویہ کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے سپاہیوں کو حکم دو کہ نیزوں پر اوراق قرآنی بلند کریں اور یہ نعرہ لگائیں' "قانون الہی! قانون الہی!! وہی ہم میں فیصلہ کرے گا" اگرچہ علی نے اپنے ساتھیوں کو اس چال سے متنبہ کیا اور ان سے تاکید کی تھی کہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دو اور بڑھے چلو' لیکن ان کی کسی نے نہ سنی - ان پر جوش اور کٹر مسلمانوں نے جو ان کی فوج کی جان تھے ایسے لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے سے انکار کر دیا جو قران کو درمیان میں لائیں - عارضی طور پر صلح کا اعلان کردیا

گیا ' اور دونوں فریقوں نے ثالثی پر رضامندی ظاہر کی - اس موقع پر بھی علی کو اپنی مرضی کے خلاف کمزور ارادہ اور متلون المزاج ابو موسی الاشعری کو جسے اسی کمزوری کی وجہ سے وہ کوفہ کی ولایت سے ہٹا چکے تھے ' اپنا نمائندہ بنانا پڑا - ادھر معاویہ کی طرف سے زیرک اور پر تدبیر امیر ابن العاص نمائندگی کر رہے تھے اور انھوں نے چال سے * حضرت علی کو ہٹا کر معاویہ کی خلافت کا اعلان کردیا - یہ واقعہ فروری سنہ ۶۵۸ ع میں بمقام دومۃ الجندل جو صحرائے شام میں عرض البلاد ۳۰ کے ٹھیک جواب میں اور دمشق اور بصرہ سے مساوی فاصلہ پر واقع ہے ' پیش آیا -

معاویہ کی خلافت کا اعلان فروری سنہ ۶۵۸

علی کی حالت

حضرت علی اور ان کے شرکا کو اس واقعہ سے جو کچھ مایوسی اور نفرت ہوئی اس کا بیان تحصیل حاصل ہے - معاویہ اور ان کے حلیفوں کے لئے روزانہ عراق کی مسجدوں میں دعاے قنوت کی جانے لگی - واضح رہے کہ یہ صوبہ کم و بیش علی کا وفادار تھا - دوسری طرف سے اس کے جواب میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کے خلاف اس قسم کی دعائیں دمشق کی مساجد میں کرائیں ' اور علی اور ان کے رفیقوں کے خلاف یہ دعاے قنوت عمر ثانی کے زمانے تک

---

* ملاحظہ ہو میور کی " caliphate " صفحہ ۲۸۰ - ۲۸۲ نیز الفخری (ایلوارڈت اڈیشن) صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۴ - ۱۲ مصنف

ہوتی رہی اور ان کے حکم سے ملسوخ ہوئی - سارے خاندان اسمیں میں عمر ثانی ہی ایسے خلیفہ تھے جن کے دل میں خوف خدا تھا - علی (رض) نے بھی صرف تبرا بازی ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنے دشمن سے ایک اور جنگ کی تیاری کرنے لگے ' لیکن اتنے میں قرب و جوار کے دوسرے اہم واقعات نے ان کی توجہ کو ادھر سے ہٹا دیا —

علی (رض) کی فوجوں کی ترکیب

علی (رض) کی فوجوں میں ذاتی اصحاب ' ملازمین ' بساط سیاست کے شاطروں اور بصرہ اور کوفہ کے دورس پسند اور متلون المزاج باشندوں کے علاوہ دو جماعتیں ایسی تھیں جو ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھیں اور اسلام کے دو قدیم ترین فرقوں شیعیوں اور خارجیوں کی نمائندہ تھیں - ان میں سے

شیعیان علی (رض)

اول الذکر یعنی شیعہ علی (رض) اور ان کے خاندان کے جاں نثار اور وفادار تھے اور اس نظریہ کے مؤید تھے جس کی تشریح ہم اس جلد کے صفحہ ۲۱۷ پر کر آئے ہیں ' اور جسے مختصراً ان لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم کی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کو اس بات کا الٰہی حق حاصل ہے کہ وہ دینی اور دنیاوی دونوں حیثیتوں سے اسلام کے پیشوا مقرر ہوں - صفحات آئندہ میں ہم ان لوگوں کا نیز ان عجیب و غریب عقائد و مسائل کا جو ان میں کے غالی افراد نے

پیش کئے ہیں ذکر کریں گے - اس موقع پر صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ حضرت علی کے تقدس بلکہ ان کی الوہیت کے متعلق خود ان کی زندگی میں اور ان کی سخت مخالفت کے باوجود جو عقائد پیدا ہو گئے تھے ان کا ایک پر جوش حامی عبداللہ ابن سبا * نام ایک یہودی تھا جو بعد کو مسلمان ہو گیا تھا اور جس نے عثمان (رض) کی خلافت کے زمانے میں سنہ ۶۵۳ ع میں بمقام مصر اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی تھی —

خوارج

خوارج † (جنھیں میور (Theocratic Separatists) دینی اختلاف پسند کہتا ہے) کا عقیدہ انتہا ئی جمہوریت پسندی کا تھا ، یعنی ان کی رائے میں ہر آزاد عرب منصب خلافت کے لئے منتخب کیا جا سکتا تھا ، اور جو خلیفہ جمہور مسلمین کی تائید حاصل نہ کر سکے

---

* ملاحظہ ہو میور کی (Caliphate) صفحہ ۲۲۵ - صفحہ ۲۲۶ نیز شہر ستانی کی کتاب الملل و النحل (کری تن اڈیشن (Curetan Edition) صفحہ ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۲ - مصنف —

† برونو کی رائے ہے کہ خوارج کا نام ان لوگوں نے خود اختیار کیا تھا ، ان کے دشمنوں کا دیا ہوا نہیں ہے ، نیز یہ کہ اس کے معنی بغاوت یا خراج کے نہیں ہیں ، بلکہ "مہاجروں" کی طرح کا ایک لقب ہے جو ان لوگوں نے اس وجہ سے اختیار کرلیا تھا کہ یہ خدا کی راہ میں گھر سے نکل پڑے تھے - وہ اپنی رائے کی تائید میں قرآن ۴ - ۱۰۱ کو پیش کرتے ہیں - ۱۲ - مصنف —

اسے معزول کیا جا سکتا تھا * ان کی فوجیں ریگستان کے
پکے عربوں (خصوصاً بعض اهم قبائل جیسے تمیم) اور
جنگ قادسیہ اور دوسری معرکے کی لڑائیوں کے سورماؤں
پر مشتمل تھیں - ان کے ساتھ ھی پکے شرعی مسلمان
بھی شریک تھے جنھیں شہرستانی نے " اھل الصیام والصلواۃ "
کہا ھے ' جو افراد کی حوصلہ آزمائیوں کو دین اسلام کے
اتحاد کے لئے مضر سمجھتے تھے ' اور دینی اغراض کا
فرقہ واری اغراض کے تابع ھو جانا پسند نہ کرتے تھے —
یہ لوگ قرآن ۲ - ۲۰۳ کے حوالے سے اپنے آپ کو
' شرات ' کہتے تھے ' یعنی بہشت کی خاطر جان فروشی
کرنے والے - ان شرات کی اتّل ھمت ' ان کا درشت غلو
اور خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت نہ کرنے کا عزم
بالجزم ' یہ سب باتیں ھمیں نہ صرف آخر اٹھارویں اور شروع
انیسویں صدی کے وھابیوں کی یاد دلاتی ھیں بلکہ
اسکاٹ لینڈ کے (Covenanters) اور انگلستان کے (Puritans)

---

* بعد کو غالی خوارج نے اس میں دو اور شرطوں کا اضافہ
کیا - ایک تو انھوں نے " آزاد عرب " کی جگہہ " نیک مسلمان "
رکھا اور دوسرے لفظ " معزول " کے آگے یہ عبارت بڑھائی " بشرط
ضرورت قتل کیا جاسکتا ھے " - خوارج کے متعلق " خاص طور پر
ملاحظہ ھو برونو کا فاضلانہ مضمون (Die charid schiten) (لائڈن
سنہ ۱۸۸۴) نیز Von Kremer کی تصنیف (Herr Schemden
(Idem etc) صفحہ ۳۵۹ - ۳۶۰ : Dozy کی
(Hstoire de l' Islamisive) صفحہ ۲۱۱ تا صفحہ ۲۱۹ - ۱۲ مصنف

کی یاد بھی تازہ کرتی ھیں - اور اکثر خارجی نظمیں *
اس انداز اور ایسے الفاظ میں لکھی گئی ھیں کہ
(Balfour of Burleigh) بھی اگر اپنا مطلب ظاھر کرنا چاھتا
تو ھو بہو انہیں الفاظ میں کرتا —

اس جمہوریت پسند جماعت کو معاویہ اور اُمیہ کی
لا مذھبیت سے جتنی نفرت تھی اس سے کچھ ھی کم
نفرت اس اکابر پرستی سے تھی جس کی نمائندہ علی (رض)
اور قبیلۂ قریش کی ھاشمی شاخ تھی ' اور اگرچہ جنگ
صفین میں یہ لوگ علی کی طرف سے لڑے تھے ' لیکن
جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ھے ان کی شرکت تمام تر
فائدہ ھی کا باعث نہ ھوئی کیونکہ جس ثالثی پر خود
انھوں نے زور دیا تھا ' اس کے بعد جب ان کی جماعت میں
درھمی پیدا ھوئی ' تو یہ علی (رض) کے پاس آے اور

---

* ان نظموں کا بہترین ذخیرہ المبرد کی کامل میں موجود
ھے ' جو نویں صدی عیسوی میں تصنیف ھوی اور جس کا
ایک اڈیشن Wright نے سنہ ۱۸۶۴ - ۱۸۸۲ع میں شایع کیا
ملاحظہ ھو باب نمبر ۴۹ ' ۵۱ و ۵۴ - نولد کی کی کتاب Delectus
vet. Carm. Arab. (برلن سنہ ۱۸۹۰ع) میں بھی ان کا کچھ
انتخاب موجود ھے (صفحہ ۸۸ تا ۹۴) ' نیز ملاحظہ ھو
von Kremer کی culturgeschichte جلد دوم صفحہ ۳۶۰ -
۳۶۲ - ۱۲ - مصنف —

کہنے لگے * " ثالثی صرف خدا ہی کو زیبا ہے - تجھے کیا ہوا تھا کہ تو نے انسانوں کو ثالث قرار دیا - علی (رض) نے جواب دیا میں نے کبھی ثالثی پر رضا مندی ظاہر نہیں کی تھی ' تم ہی نے اس کی آرزو کی تھی - میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ یہ شامیوں کی چال ہے اور تم کو حکم دیا تھا کہ اپنے دشمنوں سے لڑتے رہو لیکن تم ثالثی کے سوا اور کسی بات پر تیار نہیں ہوئے ' اور میرا حکم رد کر دیا - پس جب ثالثی سے مفر نہیں رہا ' تو میں نے یہ شرط کر دی تھی کہ ثالث صرف کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں ' لیکن ان میں اختلاف پیدا ہوا اور انہوں نے احکام الہی کے خلاف ہوائے نفس کے مطابق فیصلہ کیا اس لئے ہم اب بھی اپنی پرانی رائے پر قائم ہیں کہ دشمنوں سے جنگ کی جائے - اس پر خوارج نے جواب دیا اس میں شک نہیں کہ پہلے ہم نے ثالثی منظور کی تھی ' لیکن اب ہم پچھتا رہے ہیں اور ہمیں اعتراف ہے کہ ہم غلطی پر تھے - اب بھی اگر تو اپنے کفر کا اقرار کرے اور خدا سے اپنے اس گناہ کی کہ تو نے انسانوں کی ثالثی قبول کی توبہ کرے تو ہم تیرے ساتھ مل کے تیرے اور اپنے دشمنوں سے جنگ کریں گے ورنہ ہم تجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے " ---

---

* میں اس موقع پر الفخری (ایلوارتث ایڈیشن) صفحہ ۱۱۴ الخ کے الفاظ نقل کر رہا ہوں ۱۲ مصنف ---

جنگ نہروان

علی (رض) کو ان لوگوں کی بے عقلی کی روش پر غصہ آیا ، لیکن ان کی تنبیہہ اور ترغیب کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا ، اور قبل اس کے کہ ان کی واپس جانے والی فوج کوفہ تک پہنچے اس میں سے ۱۲۰۰۰ آدمی ، جیسا کہ انھوں نے دھمکایا تھا ، علیحدہ ہو گئے اور حرورا میں جا کر پڑاؤ کیا - انھوں نے اپنا نعرہ جنگ " لا حکم الاللہ " مقرر کیا اور مدائن کی طرف بڑھے تاکہ اس پر قبضہ کر کے وہاں ایک " مجلس نمائندگان " قائم کریں جو " گرد و پیش کے بے دین شہروں کے لئے نمونہ بنے " * لیکن جب گورنر کی دور اندیشی کی وجہ سے انھیں اپنے اس ارادے میں ناکامی ہوئی تو نہروان کی طرف جو ایرانی سرحد کے نزدیک تھا ، بڑھ گئے - انھوں نے ۲۲ مارچ سنہ ۶۵۸ ع کو قبیلۂ راسب † کے عبداللہ بن وہب کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اور جن مسلمانوں نے ان کے ہم رائے ہونے ، ان کے خلیفہ کو تسلیم کرنے اور عثمان (رض) اور علی (رض) دونوں کو برا کہنے سے انکار کیا ، ان کو انھوں نے کافر قرار دے کر قتل کرنا شروع کیا - ان کے افعال خشونت اور خدا ترسی کا ایک عجیب معجون مرکب تھے - ان میں سے ایک نے ایک کھجور جو درخت سے ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی اٹھا کر اپنے منہ میں رکھی لیکن جب

---

* میور (Caliphate) صفحہ ۲۸۴ - ۱۲ - مصنف

† برونو صفحہ ۱۸ - ۱۲ - مصنف

اس کے ساتھیوں نے ملامت کی " تونے یہ کھجور بغیر حق کے لی ہے تونے اس کی قیمت ادا نہیں کی ہے " تو اس نے اسے منہ سے نکال کر پھینک دیا ' اسی طرح سے کہتے ہیں کہ ایک خارجی نے ایک خنزیر پر جو ادھر سے جارہا تھا اپنی تلوار چلائی اور اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا یہ " فسادفی الارض " میں داخل ہے تو اس نے اس کے مالک کو تلاش کر کے اس کو تاوان ادا کر دیا * لیکن دوسری طرف بے گناہ مسافر قتل کئے جاتے تھے ' حاملہ عورتوں کے پیٹ تلوار سے پھاڑ ڈالے جاتے تھے ' اور ان مظالم پر ان غالیوں کی طرف سے کسی ندامت کا اظہار نہ ہوتا تھا - برخلاف اس کے جب علی (رض) نے ان سے کہا کہ قاتلوں کو حوالے کردو اور بقیہ سب لوگ چپ چاپ چلے جاؤ تو یہ ایک آواز ہو کر پکار اٹھے " ہم سب نے کفار کے قتل میں حصہ لیا ہے "۔ ظاہر ہے کہ جب علی (رض) کی فوجوں کے اہل و عیال اور گھر بار کو ایسے خطرے کا سامنا ہو ' تو وہ لوگ بغیر اس طائفہ باغیہ کا استیصال کئے ہوے کس طرح شام کی طرف پیش قدمی کر سکتے تھے - حضرت علی (رض) نے رحمدلی سے کام لے کر ان خوارج کو جو جانا چاہیں ' بغیر تعارض خوارج کی لشکر گاہ سے چلا جانے دیا - ان میں سے نصف تعداد نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا - بقیہ دو ہزار نے حقارت

---

* المعری - اطوارخت - اتیھنز صفحہ ۱۱۷ -

کے ساتھ اس رعایت کو ٹھکرا دیا، اپنی جگہ پر قائم جمے رہے اور ایک ایک کرکے مارے گئے - دوسری طرف علی (رض) کے ساتھ، ہزار مجاہدین میں سے صرف سات کام آئے - یہ سنہ ۶۵۸ ء کے مئی یا جون کا واقعہ ہے، اور اس کی وجہ سے پس ماندہ خوارج کی عداوت علی (رض) کے ساتھ اور زیادہ سخت ہو گئی، اور اب وہ ان سے معاویہ (رض) سے بھی زیادہ متنفر ہو گئے - علاوہ بریں علی (رض) کی فوجوں نے انکار کر دیا کہ جب تک ہم دم نہ لے لیں اور مزید سپاہ بھرتی نہ کرا لیں، معاویہ (رض) کے خلاف پیش قدمی نہ کریں گے - انہوں نے کہا "ہماری شمشیریں کند ہو گئی ہیں، ہمارے ترکش خالی ہو چکے ہیں اور ہم جنگ سے اکتا گئے ہیں، کچھ دنوں کی ہمیں مہلت دو تاکہ ہم اپنے انتظامات درست کر لیں اور اس کے بعد ہم پیش قدمی کریں گے*" - لیکن جیسے ہی کہ ان لوگوں کو موقعہ ملا، وہ ایک ایک کرکے کھسکنے لگے یہاں تک کہ لشکر گاہ خالی ہو گئی -

مزید مصائب

اپنے مخالف کی یہ روز افزوں مشکلات دیکھ کر معاویہ (رض) دلیر بھی جری ہوتے گئے - انہوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور بصرہ میں بھی بغاوت کرا دی - دوسری طرف خوارج نے جنوبی ایران کے باشندوں کو ورغلایا "کہ ایک لا مذہب خلیفہ کو جزیہ دینا گویا اس کی تائید کرنا

---

* الفخری (اہلوارتھ اتیھی) ص ۱۱۷ - ۱۲ مصنف

ہے اور یہ ناجائز کام ہے * اور سارے جنوبی ایران میں خوارج علی (رض) کے خلاف بغاوت کے لئے کھڑے ہوگئے ' غرض کہ ان حالات نے ' نیز ان کے علاوہ اور کئی مسلسل دردناک اور خلاف امید واقعات نے علی (رض) کو اس حد تک بد دل کردیا کہ وہ سنہ ۶۶۰ م میں معاویہ (رض) کے ساتھ صلح کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے ' جس کی رو سے ان (معاویہ) کا قبضہ مصر اور شام پر بغیر شرکت غیرے تسلیم کر لیا گیا تھا - اس کے دوسرے سال (جنوری سنہ ۶۶۱ م)

علی کا قتل ۲۵ جنوری سنہ ۶۶۱ م

علی (رض) کو ابن ملجم اور دو اور خارجیوں نے کوفہ کی مسجد میں قتل کردیا - غرض کہ اس طرح نبی کریم کے برادر عم زاد اور داماد خلفاے اربعہ میں سے آخری خلیفہ اور شیعہ ائمہ میں سے پہلے امام علی (رض) کا خاتمہ بعمر شصت سالہ ہوگیا - ان کے جانشین حسن (رض) ہوے جو ان تین فرزندوں میں سے †

حسن (رض) کی جانشینی اور خلع

جو حضرت فاطمہ کے بطن مبارک سے ہوے سب سے بڑے تھے ' لیکن ۲۰ اگست سنہ ۶۶۱ م میں ' بلا عذر و مقابلہ خلافت سے دست بردار ہوگئے ' اور اس طرح معاویہ (رض) عظیم الشان سلطنت اسلامی کے مالک کل ہوگئے ' اور خاندان امیہ مستحکم ہوگیا

---

* میور Caliphate ص ۲۹۲ - ۱۲ - مصنف

† دوسرے لڑکے حسین تھے اور تیسرے کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا - ۱۲ - مصنف -

اور دنیا اس کا لوہا ماننے لگی —

ڈوزی (Dozy) نے لکھا ہے کہ بنو امیہ کی فتح در اصل اس گروہ کی فتح تھی جو دل میں اسلام کا دشمن تھا ، نبی کریم کے جانی دشمنوں کی اولاد ، جن کے دلوں میں اب تک ویسی ہی مخالفت تھی ، اب جانشینی اور نیابت رسول کے مدعی ہوئے اور جن لوگوں نے ان کی بدعتوں کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالی ان کی زبان بندی بزور شمشیر کی گئی - خود معاویہ (رض) کے زمانے میں بھی رعایا کو شکوہ و شکایات کی بہت سی وجوہات پیدا ہو چلی تھیں - وہ دمشق میں اپنے پر شکوہ دربار میں بیٹھ کر اور اپنی ادنی درجہ کی رعایا کی داد فریاد سے دور رہکر خلفاے راشدین کی بجاے باز نطینی شہنشاہوں اور ایرانی بادشاہوں کی شان و شوکت کی نقالی کر رہے تھے - ان ہی کی تقلید میں انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور بجز بلاد مقدسہ مکہ و مدینہ کی رعایا سے ان کی خلافت منوالی —

یزید اول سنہ ۶۸۰ سنہ ۶۸۳ ع

جب معاویہ (رض) کی وفات (اپریل سنہ ۶۸۰ ع) کے بعد یزید ان کا جانشین ہوا ، تو صورت حالات اور بدتر ہو گئی - دنیاے اسلام اور خصوصاً ایران میں اس کے نام سے زیادہ اور کوئی نام سب و شتم ، لعنت و ملامت کا مورد نہیں بنایا جاتا - ایک ایرانی کو " کذاب " ، " متغلب " اور " قزاق " کہو تو

سکتی ھے کہ وہ انھیں برداشت کرلے ' لیکن اگر تم اُسے یزید ' شمر ' یا ابن زیاد کہو تو وہ فوراً آپے سے باھر ھو جائے گا - ایک ایرانی شاعر کو کسی نے یزید پر لعنت بھیجنے کے سلسلے میں برا بھلا کہا تھا ' تو اس نے جواب دیا اگر خدا یزید کو معاف کر سکتا ھے ' تو یقیناً وہ اس پر لعنت بھیجنے والوں کی خطا سے بھی در گزر کر سکتا ھے "۔ " حافظ " پر محض اس وجہ سے کہ اس کے دیوان کی پہلی غزل یزید کے حسب ذیل شعر کے دوسرے مصرعے سے شروع ھوتی ھے ' بہت کچھ لعن طعن کی گئی ھے - یزید کا شعر یہ ھے :-

انا المسموم ما عندی بترياقٍ ولا راقی
ادر کاساً و ناولها ' الا یا اَیها الساقی

' اھلی شیرازی ' ' لسان الغیب ' کی معذرت میں کہتا ھے :-

" ایک رات میں نے استاد حافظ کو خواب میں دیکھا - میں نے پوچھا " اے یکتائے روزگار و یگانۂ علوم ' تونے با وصف اپنی خوبیوں اور شہرتوں کے یزید کے اس مصرعہ کو کیوں لیا ' - حافظ نے جواب دیا ' تو اس معاملہ کو نہیں سمجھتا ھے - کافر کا مال مسلم کے لئے مباح ھے "

لیکن اس معذرت سے بھی کام نہیں چلا ' چنانچہ "کتابی تھا پوری " نے اس کا جواب دیا ھے " مجھے استاد حافظ پر بہت تعجب ھے ' عقل اس کے سمجھنے سے قاصر

ہے' اس نے یزید کے مصرع میں کیا خوبی دیکھی کہ اپنے دیوان میں پہلے اس کو رکھا - اس میں شک نہیں کہ موسن کے لئے کافر کا مال حلال ہے' اور اس میں کسی کو اختلاف رائے کا محل نہیں ہے' لیکن شیر کے لئے کس قدر شرم کی بات ہے کہ کتے کے منہ سے نوالہ چھین لے" —

یزید کی سیرت

یہ امر مستلزم بیان نہیں ہے کہ یورپی مورخین میں سے بعضوں نے یزید کی حمایت کی ہے - یہ وہ لوگ ہیں جنہیں مسلمہ فیصلوں کی تردید میں اتنا لطف آتا ہے کہ یہ اس سے باز نہیں رہ سکتے - اس میں شک نہیں کہ یزید کی شخصیت ہرگز نفرت انگیز نہیں ہے - وہ ایک بدوی * ماں کا بیٹا تھا - صحرا کی آزاد فضا میں اس نے پرورش پائی تھی - ماہر اور شوقین شکاری اتھا' بلند پایہ شاعر' بہادر عاشق' شراب' موسیقی اور سیر و شکار کا شوقین تھا - مذہب سے اسے کچھ زیادہ سروکار نہ تھا - ممکن تھا کہ ہم اس کی وجاہت اس کے دلفریب اشعار † اس کی شاہانہ صفات' اور اس کے مسرت آمیز نظریہ حیات سے متاثر ہوکر اس کے متعلق

---

* میور' خلافت' صفحہ ۳۱۲

† النخری صفحہ ۱۷۰ - ۱۲ مصنف

النخری نے اس کے بعض بہت دلفریب اشعار نقل کئے ہیں (اہلوارتھ اتھیس' صفحہ ۱۲۷ - صفحہ ۱۲۸) ۱۲ مصنف

فیصلہ بدل دیتے، لیکن واقعۂ کربلا کی یاد اس کے دامن پر ایک ایسا سیاہ دھبا ہے جو دھوے نہ دھویا جا سکے گا۔ الفخری لکھتا ہے " صحیح تر بیانات کے بموجب اس کی حکومت تین سال اور چھ ماہ تک رہی۔ پہلے سال میں اس نے حسین (رض) فرزند علی" (علیہما السلام و الصلواۃ) کو قتل کیا۔ دوسرے سال مدینہ کو تاراج کیا اور تین دن تک غارت گری کی، اور تیسرے سال کعبہ پر چڑھائی کی "

سانحہ کربلا ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ ع

ان تینوں سیاہ کاریوں میں سے پہلی (واقعۂ کربلا) ایسی تھی جس کی وجہ سے ساری اسلامی دنیا میں نفرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ جس شخص میں ذرا بھی احساس ہے وہ اس درد ناک واقعے کو بغیر متاثر ہوے نہیں پڑھ سکتا۔ یہ نہ صرف ایک جرم تھا، بلکہ ایک بہت بڑی اور ناقابل تلافی غلطی تھی، جس کی وجہ سے یزید اور اس کے قابل نفرت چیلوں ابن زیاد، شمر وغیرہم نے اپنی حرکتوں کی وجہ سے تمام دنیاے اسلام میں محبان رسول اور حامیان دین مبین کے دلوں سے خاندان معاویہ کی طرف سے ہمدردی کے جذبات یک لخت فنا کر دیے۔ ہم نے " ہمدردی " کا لفظ اس وجہ سے استعمال کیا، کہ رعایا کے دلوں میں بنو امیہ کی طرف سے دوسرے جذبات مثلاً محبت یا وفاداری کا تو پہلے سے ہی کہیں نام نہ تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے

کہہ آئے ہیں' اس وقت تک شیعیان علی (رض) کا جوش اور جذبۂ وفا شعاری بہت پھیکا تھا - لیکن اس سانحہ کے بعد سے بالکل کایا پلٹ گئی - اور کربلا کی خون آلودہ زمین کی یاد سے ' جہاں نبیء کریم کا نواسا اس حالت میں شہید ہوا کہ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے ' اور زمین پر گرد و پیش اعزا و اقربا کے بے جان لاشے پھیلے پڑے تھے ' آج بھی سرد مزاج سے سرد مزاج اور لا اُبالی سے لااُبالی شخص کے دل میں انتہائی گہرے اور شدید غم و اندوہ کے جذبات بر انگیختہ ہو جاتے ہیں اور اس میں ایک ایسا روحانی ولولہ پیدا ہوجاتا ہے جس کے سامنے تکلیف ' خطرات اور موت کا خیال بھی ہیچ ہوجاتا ہے - ہر سال عاشورۂ محرم کو ایران ' ہندوستان ' ترکی ' مصر غرض کہ جہاں کہیں بھی شیعہ آبادی ہے اس سانحہ فاجعۂ کی تمثیل دکھائی جاتی ہے ، اور کون شخص ایسا ہے ' خواہ وہ کسی غیر مذہب ہی کا کیوں نہ ہو ' جو یہ کہہ سکے کہ جب میں نے ان " تعزیوں " کو دیکھا تو میرے دل میں ان ماتم گساروں کے جذبات کا مطلق احساس نہ تھا - میں کہتا ہوں کہ کوئی نہیں! - اِس وقت کہ میں یہ سطریں لکھہ رہا ہوں' یہ پورا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے - نوحہ و زاری کی آوازیں' فرط رقت سے سسکیاں بھرنے والے مجمع ' سفید لباس جو اپنے ہاتھہ سے لگائے ہوئے زخموں کے خوں سے سرخ

ہوگیا ہے ' غم و ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہوکر ہجوم خلائق کی بے خودی اور وارفتگی - یہ سب باتیں میری چشم تخیل کے روبرو اس وقت موجود ہیں - الفخری لکھتا ہے •
" یہ ایک سانحہ فاجعہ ہے کہ میں تفصیل سے اس کا ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کرسکتا - میں اس کو نہ صرف بہت " درد ناک " بلکہ دہشت انگیز بھی خیال کرتا ہوں - حق یہ ہے کہ یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس سے زیادہ شرم ناک حادثہ اسلام میں اور نہیں ہوسکتا - قسم ہے اپنی جان کی کہ (علی) امیرالمومنین کا قتل ابتلائے عظیم تھا ' لیکن اس سانحہ میں قتل ' اسیروں کی پابجولانی اور شرم ناک سلوک کی ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ آدمیوں کے رونگٹے دہشت سے کھڑے ہوجاتے ہیں - میں نے اس کی تفصیل دینے سے اس وجہ سے بھی احتراز کیا ہے کہ یہ واقعہ بہت معروف بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ معروف ترین سانحات ہے - لعنت ہو خدا کی ہر اس شخص پر جس کا اس میں کچھ بھی دخل تھا یا جس نے اس کا حکم دیا ' یا جس کو اس کے کسی جز سے بھی کسی طرح کی خوشی ہوی - خدا ایسے لوگوں کی کسی توبہ یا کسی کفارہ کو قبول نہ کرے - خدا ان کا حشر ان لوگوں کے ساتھ کرے جن کے افعال سے دنیا میں نقصانات عظیم ہوتے ہیں ' اور جن کی مساعی اس حیات دنیوی میں بھی ناکام رہتی ہیں حالانکہ

• صفحہ ۱۳۸ الفخری - ۱۲ - مصنف

وہ اس خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہم خوش ہیں "

سر ولیم میور لکھتے ہیں " سانحہ کربلا نے نہ صرف خلافت کی قسمت کا ' بلکہ جو اسلامی حکومتیں خلافت کے مٹ جانے کے بہت دور بعد بھی قائم ہوئیں ان کی قسمتوں کا بھی فیصلہ کر دیا۔

جس شخص نے بھی سال بہ سال محرم کے زمانے میں ہر ملک کے مسلمانوں کو غم کے انتہائی جذبات میں گرفتار ' ساری ساری رات جاگتے ' سینہ کوبی کرتے ' اور حسرت بھری آواز میں " حسن حسین ' حسن حسین ' کا ماتم کرتے ہوئے دیکھا ہے ' وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کربلا کی بلا ٹالکر بنو امیہ نے اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کیسی شمشیر دو دم دیدی تھی "

زبیر اور مختار کی بغاوتیں

عبداللہ ابن زبیر کی بغاوت جو ۹ سال تک (سنہ ۶۸۳ ع - سنہ ۶۹۲ ع) تک خود مختار خلیفہ کی حیثیت سے بلاد مقدسہ پر قابض رہے ' نیز مختار کی زبردست بغاوت (سنہ ۶۸۳ ع - سنہ ۶۸۷ ع) ان دونوں کی کامیابی کی وجہ تھی کہ حسین رض اور ان کے اهل بیت اطہار کے خون کا انتقام لینے کا جذبہ عوام میں پیدا ہوگیا تھا ' اور نہ صرف پوری شیعہ جماعت ' بلکہ اکثر خوارج * بھی اس جذبے سے متاثر ہوچکے تھے - سنہ ۶۸۴ ع میں یزید نے مدینہ میں جو لوٹ مار کی ' اس میں ۸۰ صحابی ' اور کم از کم سات سو قاری '

* میور (تاریخ خلافت صفحہ ۳۳۴) ۱۲ - مصنف

جو حافظ بھی تھے ' شہید ہوے - ان لوگوں کا خون ' نیز حرم مکہ کی بے حرمتی پکار پکار کر ان مظالم کی داد چاہ رہی تھی - بالآخر سنہ ۶۸۶ ع میں مختار نے کربلا کا پورا پورا انتقام لے لیا ' اور ابن زیاد ' شمر ' عمر ابن سعید اور کئی سو دوسرے ادنیٰ درجہ کے افراد جنھوں نے اس سانحہ میں کچھ بھی حصہ لیا تھا ' سخت ترین ایذائیں دیکر قتل کئے گئے - لیکن اس واقعہ کے ایک سال کے اندر ہی اندر خود مختار اور اس کے سات یا آٹھ ہزار ساتھی ابن زبیر کے بھائی مصعب کے ہاتھوں مارے گئے - دنیاے اسلام میں جو نفاق و شقاق عام طور پر پیدا ہو گیا تھا ' اس کی ایک عجیب و غریب مثال یہ ہے کہ جون سنہ ۶۸۸ ع میں اموی خلیفہ عبدالملک ' محمد ابن علی رض (المعروف بہ ابن الحنیفہ ' ابن زبیر ' اور نجدہ خارجی - ان چاروں نے الگ الگ اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حج مکہ کی صدارت کی تھی !

مختار نے جس تحریک کی بنا ڈالی تھی ' وہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ' لازماً شیعی تحریک تھی - سارے ملک میں حسین رض اور ان کے اہل بیت کے خون کا انتقام لینے کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں ، اور ابن الحنفیہ * کے حقوق کی بحالی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا -

---

* ملاحظہ ہو الیعقوبی (اڈیشن ہوتسما - جلد دوم صفحہ ۳۰۸) - ۱۲ مصنف

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ تحریک بعد کی

مختار کی بغاوت کی خصوصیات

دوسری تحریکات سے مختلف تھی، یعنی اس میں منصب خلافت کے لئے اس
کی قید نہ تھی کہ خلیفہ حضرت فاطمہ کے بطن سے (جو حسین اور
اور حسن کی والدہ تھیں لیکن ابن الحنیفہ کی نہ تھیں)
براہ راست اولاد رسول میں سے ہو، یا ایران کے شاہی
ساسانی خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ دہرا استحقاق
ہمیں سب سے پہلے حسین کے فرزند علی الملقب بہ سجاد
میں نظر آتا ہے جنہیں عام طور پر زین العابدین بھی کہا
جاتا ہے اور جن کی والدہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یزد گرد آخری
تاجدار ایران کی دختر تھیں * اثناء عشری اور سبعیہ
نے جن میں بعد میں چلکر شیعہ جماعت منقسم ہو گئی
تھی، اور جو دونوں یکساں طور پر حق ولایت پر زور

---

* ملاحظہ ہو جلد ھذٰا کا صفحہ ۲۰۷ نیز الیعقوبی کی لاجواب
تاریخ (اڈیشن ھوتسما صفحہ ۲۹۳ و صفحہ ۳۶۳ بقول اس
مورخ کے جس کی وفات نویں صدی عیسوی میں ہوئی :- ان
(حضرت سجاد) کی والدہ حرار دختر یزد گرد شاہ ایران
تھیں۔ یہ اس طرح ہوا کہ عمر ابن الخطاب (رض) نے یزد گرد کی
بیٹیوں کو قید کیا تھا جن میں سے ایک حسین (رض)
بن علی (کرم) کے عقد میں دی گئیں جنہوں نے ان کا نام
" غزال " رکھا۔ اور جب علی ابن حسین (رض) (جو انہیں
ایرانی شاہزادی کے بطن سے تھے) کا ذکر آتا تھا تو شریف سے شریف
خاندان کے لوگ پکار اُٹھتے " سب انسانوں کے لئے باعث فخر ہو
اگر ان کی مائیں (ایسی) کنیزیں ہوں ـــ

ہوتے تھے ' انہوں حضرت سجاد (رض) [امام زین العابدین] ہی کو مستحق خلافت سمجھا - جیسا کہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے ' مختار کے ساتھیوں میں غیر عربی موالی (واحد مولی جمع موالی) کی ایک بہت بڑی تعداد تھی ' جن میں سے اکثر غالباً ایرانی النسل تھے - اس کی آٹھ ہزار فوج میں سے جس نے ابن زبیر کے بھائی مصعب کے ہاتھوں شکست کھائی تقریباً صرف دسواں حصہ (یعنی ۷۰۰) عرب تھا جن اسباب کی وجہ سے یہ غیر ملکی مسلمان مختار کی فوجوں میں شریک ہوے ' ان کی تحقیق فان فلوٹن Von Vloten) اپنی لاجواب تصنیف Reser ches Sir la domination Arabe etc) عربی فتوحات کی تحقیق " میں کمال احتیاط کے ساتھ کی ہے اور ذیل کے فقرات میں ہم نے زیادہ تر اسی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے -

---

* میور " خلافت - صفحہ ۳۳۶ " یہ مورخ لکھتا ہے " یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ اس دور میں عربوں کی زندگیوں کو خاص طور پر قیمتی سمجھا جاتا تھا ' مثلاً ایک تجویز یہ کی گئی تھی کہ عرب اسیران جنگ کو رہا کردیا جاے اور غیر ملکی " موالی " کو مار ڈالا جاے " لیکن کسی قدر رد و قدح کے بعد سب تہ تیغ کئے گئے ' دینا وری نے صفحہ (۲۹۶) میں کہا ہے کہ مختار کے پیرووں میں بہت سے ایرانی تھے --- ۱۲ مصنف

عبدالملک کی حکومت سنہ ۶۸۵ء - سنہ ۷۰۵ء

بنو امیہ کی حکومت عبدالملک کے عہد سلطنت (۶۸۵ م - سنہ ۷۰۵ ع) میں اپنے انتہائی نقطہ عروج پر پہنچی اور یہی زمانہ عربوں کی دنیاوی قوت و شوکت کے انتہائی اوج کا بھی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھہ چکے ہیں، اسی زمانے میں پہلی مرتبہ عربی سکّے استعمال ہوے، سرکاری دفاتر فارسی زبان کی بجاے عربی میں منتقل کئے گئے۔ عرب کے قدیم شریف خاندانوں کا اقتدار بڑھا۔ غیر ملکی "موالی" مقہور اور مقہور بنے، اور دین دار مسلمانوں خصوصاً انصار مدینہ کے جذبات اور احساسات کو بے دردی کے ساتھہ پامال کیا گیا۔ عبدالملک کا قابل لیکن خون آشام نائب حجاج ابن یوسف (جس کا نام بھی یزید ابن زیاد اور شمر کے ناموں کی طرح مردود نام ہے) جس پر عبدالملک کی نظر عنایت محض اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے مکہ پر گولہ باری کرنے اور ابن زبیر کی بغاوت کو فرو کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی * ۲۲ سال (سنہ ۶۹۱ م - سنہ ۷۱۳ ع) تک اپنی قسی القلبی اور خونخواری کی وجہ سے دنیاے اسلام کے حق میں لعنت عظیم بنا رہا۔ مقتولین جنگ کے علاوہ صرف ایسے لوگوں کی تعداد جو اس کے حکم سے بے دردی سے قتل کئے گئے ایک لاکھہ

---

* الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۳۱۸، ۱۲۰ مصنف ―

بیس ہزار بتائی جاتی ہے - خود اس نے کوفہ میں رعایا
کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے ' وہ اس کی خون آشام
طبیعت کی سچی تصویریں ہیں " - والدہ میں دیکھ رہا
ہوں کہ نظریں مجھہ پر جمی ہوئی ہیں ' گردنیں آگے
کی طرف جھکی ہوئی ہیں اور سر کاٹے جانے کے لئے
تیار ہیں ' اور میں یہ سب کچھہ کرنے کا اہل ہوں *"
اسی طرح سے عبدالملک کی سیرت کی جھلک دیکھنا ہو
تو اس کے وہ الفاظ سنو جو اس نے اپنے منصب خلافت
پر فائز کئے جانے کی خبر سن کر کہے تھے † کہتے ہیں
کہ جب قاصد یہ خبر لیکر آیا تو وہ تلاوت قرآن کر رہا
تھا - اس خبر کو سنتے ہی اس نے کتاب بند کردی اور
کہا " ہذاالفراق بینی و بینکم " - سیاسی مصالح کے اقتضا
سے اسے مقدس مقامات یا تقدس مآب انسانوں کے برباد
کرنے میں مطلق باک نہ ہوتا تھا ' اور اس کے شامی اس کے
ہر حکم کو بجا لاتے تھے ' بقول الیعقوبی کے ‡ " احترام
مذہبی اور وفاداری کے جذبات میں تصادم ہوا ' اور
وفاداری غالب آئی " —

---

* ملاحظہ ہو مسعودی کی مروج الذہب (اڈیشن
بی ڈ ' مے نارڈ جلد پنجم صفحہ ۲۹۴ - صفحہ ۳۰۰ —
† (الفخری اڈیشن اہلوارڈت) صفحہ ۱۴۶ —
صفحہ ۱۷۴ - ۱۲ - مصنف —
‡ جلد دو صفحہ ۳۰۰ —

بنوامیہ کی حکومت کے متعلق توزی کی رائے

توزی لکھتا ہے *
غرض کہ اسلام کی مخالف
جماعت کو اس وقت تک چین نہ پڑا جب
تک کہ انھوں نے دونوں مقدس شہروں کو
زیر و زبر نہ کرلیا - مکہ کی مسجد کو
اصطبل بنایا گیا ' کعبہ میں آگ لگائی گئی
اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لاے تھے
ان کی اولاد کی ہر طرح سے ذلت کی گئی
عربی قبائل نے جنھوں نے ایک قلیل جماعت
سے شکست کھاکر اسلام قبول کیا تھا ' اب
اس موقع پر اس سے خوب کسر نکالی - غرض
کہ بنو امیہ کا پورا عہد حکومت سواے کفر
و الحاد کے رو عمل اور غلبہ کے اور کچھہ
نہیں کہا جاسکتا - خود خلفاے بنو امیہ بھی
(بجز ایک استثناء کے) یا مذہب کی طرف
سے بے پروا تھے ' یا کافر تھے ' ان میں
سے ایک ' ولید ثانی (سنہ ۷۴۳ ع - سنہ
۷۴۴ ع) تو نماز جماعت میں اپنی جگہ
اپنی داشتہ عورتوں سے امامت کراتا تھا '
اور قران کو اپنی تیر افگنی کی مشق کے

* L' Islamisme (Chauoni styaul) ۲، مصنف

لئے ہدف بنا تا تھا † "

بنو امیہ کی پالیسی نے چار جماعتوں کو ان کی طرف سے بددل کر دیا

عام طور پر ، بنو امیہ کی پالیسی کی وجہ سے ان کی رعایا کی حسب ذیل چار جماعتیں ان سے بالکل بد دل ہوگئیں

(۱) دیندار مسلمان

۱- دیندار مسلمان ، جو اپنے حکمرانوں کے اعمال سئیہ ، بے دینی کی زندگی ، اسلام کی اہانت اور دنیا پرستی کو نفرت اور دہشت سے دیکھتے تھے - ان میں تمام اصحاب وانصار اور ان کی اولاد شامل تھی - ابن زبیر کی بغاوت کو زیادہ تر اسی عنصر کی وجہ سے تقویت پہونچی —

۲ - شیعہ

۲- شیعیان علی ، جنھوں نے خاندان امیہ کے ہاتھوں نا قابل تلافی مصائب برداشت کئے تھے ، خصوصاً کربلا کا سانحہ فاجعہ جس کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہیں - یہ جماعت ، مختار کی بغاوت کا رکن اعظم تھی —

---

†ملاحظہ ہو الحصری صفحہ ۵۹ ا جہاں ولید کے وہ دو اشعار نقل کئے گئے ہیں جو اس نے اس نسخۂ قران کو مخاطب کرکے لکھے تھے - ۱۲ مصنف

۳ - خوارج

۳ - خوارج ' جنهون نے هر قسم کے شورہ پشتوں اور لٹیروں کی مدد سے سنہ ۷۰۰ ع تک اموی حکومت کو سخت پریشان کیا *

۴ - محکوم اقوام

۴ موالی ' یا غیر عرب مسلمان ' جنهیں عربوں کے ساتھ مساوات کا درجہ دینا تو کجا ' ان کے حکمرانوں نے اپنے مظالم اور استحصال ناجائز کا شکار بنائے رکھا ' اور همیشہ نفرت کی نگاهوں سے دیکھا —

اموی سلطنت کے زوال کے اسباب

فان فلوتن (van vloten) کی قابل تعریف تحقیق کو اپنا نمونہ قرار دیکر هم بھی اپنی بحث کی ابتدا اسی آخر الذکر طبقہ سے کریں گے - یہ فاضل مصنف بنوامیہ کے زوال اور عباسیوں کے عروج کے حسب ذیل تین اسباب قرار دیتا ھے :—

(۱) محکوم نسل کے اپنے ظالم حکمرانوں کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات —

(۲) شیعہ تحریک یعنی اهل بیت اطہار کی حمایت —

(*) برونو کی رائے ھے کہ مہلب بن یزید اشیبانی کی وفات کے ساتھ زیادہ پریشان کن بغاوتیں ختم ہوگئیں تھیں —

(۳) ایک نجات دہندہ، مسیح موعود کے ظہور کی اُمید —

شمالی اور جنوبی عرب کے قبائل کی آپس کی رقابت کو (جس کے شعلے ان دور دراز شہروں تک بھی پہنچ گئے تھے جہاں یہ قبائل جا کر آباد ہوے تھے، اور جس کی یاد کو نصر ابن سیار نے اپنے اشعار میں، جن کا ذکر آئندہ کیا جاے گا غیر فانی بنا دیا ہے) بعض لوگوں نے زوال بنو امیہ کا سبب قرار دیا ہے، لیکن فان فلوٹن (Van Vloten) کا خیال ہے کہ اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے لہذا اس کی حیثیت اس نے ثانوی رکھی ہے —

محکوم نسلوں کی حالت زار

محکوم اور مفتوح نسلوں کی حالت - جس میں نہ صرف نو مسلم بلکہ یہودی، عیسائی اور مجوسی بھی شریک تھے - جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، بنو اُمیہ کے زمانے سے پہلے اگر بہت زیادہ اچھی نہیں تھی، تو کم از کم قابل برداشت ضرور تھی - لیکن بنو امیہ کے عہد میں جو شدید نسلی تعصبات میں گرفتار تھے اور بزور و قوت اپنی شہنشاہیت قائم کرنا چاہتے تھے، قدیم زمانے کی تباہ‌کن جنگوں اور جہاد کی بجاے صرف لوٹ مار کرنے اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے حملے اور

---

* فان فلوٹن صفحہ ۳، نیز صفحہ ۱۴ صفحہ ۱۵ - ۱۲ - مصنف —

لڑائیاں ہونے لگیں - لیکن حکمرانوں کی روز افزوں عیش پسندی اور اسراف کے لئے جب یہ ذریعہ بھی کافی نہ ہوا ، تو محکوم اقوام پر روز بروز ٹیکس کا بوجھ زیادہ پڑنے لگا ، اور اب اسلام قبول کرنا بھی کم از کم مالی حیثیت سے ان کے لئے کچھ زیادہ منفعت بخش نہ رہا - والیوں اور ان کے صیغے میں غبن اور تغلب اور تصرف کی عادتیں روز بروز بڑھنے لگیں اور وہ اس کی کوشش کرنے لگے کہ اپنے زمانۂ تقرر میں جس طرح بھی ہو سکے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹیں - غبن کی یہ وارداتیں اس قدر کثرت اور شدت سے ہونے لگیں کہ ہر جانشین والی اپنے پیش رو سے بذریعہ استخراج ہضم کیا ہوا مال اگلوانے لگا ، اور استخراج کی اس کارروائی کا حق اور اختیار دمشق کی مرکزی حکومت سے بعوض زر نقد خریدا جانے لگا - ان ظالم والیوں سے اس طرح سے جو رقمیں اگلوائی گئیں ان کی مقدار بعض وقت بہت زیادہ ہوتی تھی ، مثلاً کہتے ہیں کہ یوسف ابن عمر نے اپنے پیش رو خالد القصری (والی عراق) اور اُس کے چیلوں سے کم سے کم ۷ کروڑ درہم [تقریباً ۲۸ لاکھ پونڈ = ۳ کرور ۷۸ لاکھ روپیہ] وصول کئے - اس قسم کے تمام استحصال ناجائز کا بوجھ آخر چلکر غریب زراعت پیشہ لوگوں کی گردن پر پڑتا تھا ، جن کو داد رسی کا بھی کوئی موقع نہ دیا جاتا تھا ، اور ٹیکس وصول کرنے کے سلسلے میں جو جو ذلتیں برداشت کرنی

پڑتی تھیں وہ مزید براں تھیں * قدیم ایرانی عمائدین
اور مالکان اراضی (دھقان) تو اسلام قبول کر کے اور
اپنی قسمت فاتحین کے ساتھ وابستہ کرکے اپنے قدیم اقتدار
اور ثروت کو کسی قدر بحال رکھ سکتے تھے، اس لئے کہ
فاتحین کے لئے ان کی خدمات بے انتہا ضروری تھیں
اور مقامی حالات اور اثرات سے ان کی واقفیت ان کے لئے
ناگزیر تھی لیکن ادنیٰ تر طبقوں کو پھلنے کا موقع بھی
نہ تھا، اور بقول فان فلوتن کے "عربوں کی حرص و آز
اور ان کا نسلی غرور یہ دو اتل موانع تھے جس سے اس
(ادنیٰ طبقات) کی حالت کی بہتری دشوار ہو گئی تھی۔"
موالیوں کو تو عرب اپنے سے پست بلکہ غلاموں سے کچھ
ہی بہتر سمجھتے تھے۔ مورخ طبری مختار کی بغاوت کے
ذکر کے سلسلے میں (جس کے حامی جیسا کہ ہم اوپر
بیان کر چکے ہیں زیادہ تر غیر عرب مسلمان یعنی
"موالی" تھے) لکھتا ہے "کوفی عربوں کے لئے اگر کوئی
بات انتہائی ناگوار اور اشتعال دینے والی تھی تو
یہ کہ مختار موالی کو بھی مال غنیمت کا حصہ دیتا
تھا۔ وہ خفا ہو کر اس سے کہتے تھے تم نے ہم سے
ہمارے موالی کو چھین لیا ہے، جو خدا کی طرف سے
اس تمام صوبے کے ساتھ ہمارے حصے میں آئے تھے۔ ہم
نے تو انہیں اس لئے آزاد کرایا تھا کہ خدا اس سے خوش

---

* فان فلوتن صفحہ ۹ - ۱۱ - ۱۲ - مصنف

هو کر ہمیں نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا لیکن تم کو اس کا مطلق احساس ہی نہیں ہوتا اور تم انہیں ہمارے مال غنیمت کا حصہ دار بناتے ہو" *

ظالم اور خدا ناترس حجاج ابن یوسف کے زمانے میں نو مسلموں پر بھی کافروں کی طرح جزیہ عائد کیا گیا تھا، حالانکہ انہیں اس سے مستثنیٰ ہونا چاہئے تھا - ان کی بددلی اور بے چینی اتنی بڑھی کہ وہ بڑی تعداد میں عبد الرحمن ابن اشعث کی بغاوت میں شریک ہوگئے، لیکن سخت کشت و خون کے بعد اس بغاوت کو فرو کر دیا گیا اور موالی کو ان کے مواضعات کی طرف بھگا دیا اور ہر شخص کے ہاتھ پر اس کے موضع کا نام گرم لوھے سے داغا گیا † فان کریمر کہتا ہے کہ حجاج کی اس کاروائی سے موالی اور نو مسلموں کی رہی سہی امید کہ وہ فاتح نسل کی مساوات کا دعویٰ کرسکیں گے، ٹوٹ گئی، ان کی بددلی اور ناراضی بڑھتی گئی، اور آخر میں سلطنت امیہ کے زوال کا ایک نہایت اہم سبب بنی —

عمر ابن عبد العزیز	بقول توزی ‡ " تمام خلفائے اُمیہ میں صرف عمر ثانی (سنہ ۷۱۷ - ۷۲۰ م)

---

* فان فلوتن صفحہ ۱۱ - ۱۲ - مصنف —

† ایضاً صفحہ ۲۶ - صفحہ ۲۷ - ۱۲ مصنف

‡ I ' isiamisme[channi 'sLraus Latin] PP 180 - lsr

ہی اصل معنوں میں مومن اور عبادت گزار بادشاہ ہوا ہے —

" مالی فائدے کی غرض کبھی اس پر غالب نہ آئی ' اور اس نے ہمیشہ دین کی اشاعت کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنا یا ۔ چونکہ اس کے اصول سابقہ حکمرانوں کے اصول سے اس قدر مختلف تھے ' اس لیے اس کے ماتحت عہدہ داروں کے لئے خود کو ان کے مطابق بنانا کسی قدر دشوار ثابت ہوا ۔ ایک عہدہ دار نے خلیفہ کو لکھا " اگر مصر میں چاہے یہی حالت رہی جو اب ہے تو اس میں شک نہیں کہ ایک ایک عیسائی مسلمان ہوجائے گا ' لیکن سلطنت کی ساری آمدنی غائب ہوجاے گی " عمر نے اس کے جواب میں لکھا " میں اسے بہترین نعمت الہی سمجھوں گا کہ سارے عیسائی مسلمان ہوجائیں خداوند کریم نے حضرت رسالت مآب کو اشاعت دین کے لئے مبعوث فرمایا تھا نہ کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے " اسی طرح سے والی خراسان نے شکایت کی تھی کہ اس ولایت کے اکثر ایرانی صرف جزیہ سے بچنے کے لئے مسلمان ہوگئے ہیں حالانکہ وہ اب تک مختون نہیں ہوے ہیں ۔

اس کے جواب میں بھی عمر نے لکھا
خداوند کریم نے محمد کو اس لئے بھیجا
تھا کہ وہ لوگوں کو دین مبین کی تلقین
کریں ، نہ اس لئے کہ انھیں مختون بنائیں ٭
غرض کہ احکام شریعت کی تعبیر میں وہ
شدت کو بالکل دخل نہ دیتا تھا - وہ جانتا
تھا کہ اکثر نو مسلم اپنی نیتوں میں سچے
نہیں ہیں ، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھے
ہوا تھا کہ اگر ان کی اولاد اور ان کے پوتوں
پر پوتوں کی پرورش بحیثیت مسلمان کی گئی
تو وہی آگے چل کر عربوں کے برابر ، بلکہ
شاید ان سے بہتر مومن بن جائیں گے "

عمر ثانی کی سیرت اور اس کے عہد حکومت کے اثرات

خاندان اُمیہ کے دوسرے بے دین
طماع اور خود پرست حکمرانوں کے
مقابلے میں عمر ابن عبدالعزیز کی سیرت خاص طور پر
درخشاں اور شریفانہ نظر آتی ہے - اس میں شک نہیں
کہ اس کی حکومت کی بنیاد مفاد دینوی کی بجائے
حصول فلاح آخروی پر تھی اور اس کا اثر مالیہ پر بڑا
پڑا ، اس کے طریقے ، جو اس کے مشہور ہم نام عمر ابن
الخطاب رض کے طریقوں کا ہو بہو چربہ تھے ، بہت پرانی وضع

٭ ملاحظہ ہو فان فلوٹن صفحہ ۲۲ - صفحہ ۲۳ - ۱۲ - مصنف

کے بلکہ اکثر صورتوں میں تو بالکل رجعتی تھی اور اس
وجہ سے زیادہ کامیاب نہ ہوسکتی تھی ' اور اس کے عدل
اور قیام امن وامان سے محکوم اقوام کے دلوں میں امید
کی جو چنگاری پیدا ہوگئی تھی وہ اس کے جانشینوں کی
حرکات سے بالکل بجھ گئی ' اور اس چیز نے عرب شاہنشاہیت
اور اقتدار کے خلاف رعایا کے جذبات کو اور زیادہ مشتعل کردیا
غرض کہ دنیاوی نقطہ نگاہ سے دیکھو تو کہہ سکتے ہو
کہ عمر ثانی نے اپنے ہاتوں اپنے خاندان اور نسل کے
اقتدار پر کاری ضرب لگائی ' لیکن مذہبی حیثیت سے نظر
ڈالو تو تم کو ماننا پڑے گا کہ اس کی ایک ایک کارروائی
بالکل ویسی تھی جیسی پکے مومن اور مسلم کی ہونی
چاہئیے - مساجد میں علی (ع) پر تبرا بازی کی جو رسم اب
تک چلی آرہی تھی اسے روک کر اس نے تمام خدا ترس
اور دیندار مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کی ' اور شاید
کسی قدر شیعہ جماعت کی بڑھتی کو بھی کم کیا - کثیر
شاعر * نے اس کے اس حکم کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں
جن کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے —

تو مسند نشین ہوا ' اور تو نے نہ علی (رض) پر
تبرا بازی کی ' نہ بے گناہوں پر دہشت طاری
کی ' نہ بدکرداروں کے مشوروں پر کان دھرے -
تونے جو کہا ' اپنے عمل سے اس کی تصدیق . . . .

---

* ملاحظہ ہوالفخری (اڈیشن اهوارت) صفحہ ۱۵۴ - صفحہ ۱۵۵

کی اور هر مسلمان کا دل اطمینان
سے لبریز هوگیا —

پہلی صدی هجری کا اختتام اور عباسی تبلیغ کی ابتدا

عمر ابن عبدالعزیز کی وفات پر
پہلی صدی هجری کا خاتمه هوا -
محکوم اقوام کو اپنی روز افزون بدحالی کی وجه سے عام
طور پر یه یقین هو چلا تہا که صدی کے ختم هوتے هی کوئی
انقلاب عظیم ضرور رونما هوگا - دینوری لکھتا هے '—

اس سال (سنه ۱۰۱ھ مطابق سنه ۷۱۹ - ۷۲۰ ء)
شیعون نے امام محمد بن علی بن عبداللہ '
بن عباس بن عبدالمطلب ' بن هاشم * کی
خدمت مین جو سر زمین شام مین بمقام 'حمیمه
سکونت پذیر تهے' اپنے وفد روانه کئے - سب
سے پہلے جو هیئه ان کی خدمت مین حاضر
هوے وہ میسرہ العبدی ' ابو عکرمه سراج '
محمد بن خنیس اور حیان عطار تهے - یه سب
ان کی خدمت مین حاضر هوے اور ان کے هاتھ
پر بیعت کرنے کا اشتیاق ظاهر کیا - انہون نے
کہا " اپنے هاتھ دیجئے تاکه هم ان پر بیعت
کرین اور آپ کے لئے یه بادشاهی حاصل کرنے
کی کوشش کرین شاید آپ هی کے طفیل

---

* ملاحظه هو شجرہ صفحه ۲۱۴ -

میں خداوند کریم انصاف کو زندہ اور ظلم و بے رحمی کا خاتمہ کردے - اس کام کا وقت اور موقع بھی یہی ہے ' جس کی اطلاع ہمیں آپ لوگوں میں سے سب سے بڑے عالموں سے مل چکی ہے -" محمد بن علی نے جواب دیا " بے شک جس چیز کی ہمیں امید اور آرزو ہے اس کا موقع اور وقت یہی ہے اس لئے کہ ایک صدی ختم ہو چکی ہے - تحقیق کہ جب کسی قوم پر پورے سو سال گذر لیتے ہیں ' تو خداوند کریم ان لوگوں کا حق پر ہونا ظاہر کر دیتا ہے جو حق کے لئے لڑتے ہیں اور جرم و خطا کے معاونین کے عجب و غرور کو خاک میں ملا دیتا ہے کیونکہ خدائے عز و جل فرماتا ہے - " یا اس کی طرح جو ایک قریہ کے پاس سے گذرا ' اس وقت جب کہ وہ ویران تھا ' اور اس کی چھتیں سرنگوں تھیں اور کہا اس نے " خدا اس کو فنا کے بعد دوبارہ کیونکر زندہ کرے گا ' اور خدا نے اسے ایک سال تک مرا ہوا رکھا اور پھر اسے جلایا ' پس اے شخص جا ' اور لوگوں کو احتیاط کے ساتھ اور

---

* قران ۲ : ۲۶۱

راز میں طلب کر اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تیرا مقصد
پورا کرے اور تیرے مدعا کے ثمرات ظاہر
کرے ، علی اور سوائے خدا کے کسی دوسرے
میں قدرت نہیں ہے "

یہ تھا عباسیوں کی " دعوت " کا آغاز ، جس نے
خاموشی کے ساتھ ، لیکن یقینی طور پر رعایا کے ان
بے شمار بد دل افراد سے کام لیا جو پہلے ہی سے بکثرت
موجود تھے ، امیہ کی قوت کی بنیادیں تہ ہیلی کردیں
اور ۳۰ سال کے اندر اندر ان کے خاندان کی گرتی ہوئی
عمارت کو بالکل ہی زمین کے برابر کر دیا ۔ اس تبلیغ
و دعوت کے داعی سب کے سب قابل اور مستعد اشخاص تھے ،
جو اگر ایک طرف یہ احتیاط کرتے تھے کہ قبل از وقت
بغاوت نہ پھوٹ پڑے تو دوسری طرف اپنے مقصد کے لئے
اپنی جانیں تک دینے کے لئے تیار تھے - ان لوگوں نے خصوصاً
اس بے چینی اور بد دلی کے مواد سے بہت فائدہ اٹھایا
جو خراسان کے ایرانی صوبے میں اندر ہی اندر پک رہا
تھا ، جہاں بقول دینوری کے (صفحہ ۳۳۵) :—

دینوری کی عبارت کی نقل	انھوں نے لوگوں کو دعوت دی کہ محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت

کریں ، اور امیہ کی بد اعمالیوں اور مظالم سنا
سنا کر انھیں ان کی حکومت سے بیزار کر دیا ۔
خراسان کے اکثر حصہ آبادی نے انکی صدا پر

لبیک کہا ، لیکن ان کی بعض کار روائیوں کا شہرہ ہوگیا اور وہ سعید * (بن عبدالعزیز بن الحکم بن ابو لعاص) والی خراسان کے کانوں تک پہنچیں۔ پس اس نے انہیں طلب کیا اور کہا " تم لوگ کون ہو " انھوں نے جواب دیا " تاجر " - پھر اس نے کہا " کہ تم لوگوں کے متعلق یہ کیا اطلاعیں آج کل میرے کانوں تک آ رہی ہیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ عباسی خاندان کے داعی ہو۔ " انھوں نے جواب دیا ، " یا امیر ہمیں اپنے مفاد کا خود خیال ہے ، اور ہم اپنے کار و بار میں خود اس قدر مصروف ہیں کہ ہم ان باتوں میں نہیں پڑ سکتے - " پس اس نے انھیں چلا جانے دیا ، اور وہ اس کے سامنے سے رخصت ہو گئے ، اور مرو سے روانہ ہو کر خراسان کے صوبے اور اس کے دیہاتوں میں تاجروں کے بھیس میں دورہ کرنے لگے ، اور لوگوں کو امام محمد بن علی کی طرف سے دعوت بیعت دینے لگے - انھوں نے دو سال تک یہی کیا پھر وہ شام میں امام محمد بن علی کے پاس

---

* یہ اپنے زنانے پن کی وجہ سے خزینہ کہلاتا تھا میور ، تاریخ خلافت صفحہ ۳۸۴ - صفحہ ۳۸۶ - ۲ : ۱ - مصنف

واپس گئے اور انھیں مطلع کیا کہ ہم نے خراسان
میں ایک ایسا بیج بویا ہے جو ھمیں امید ہے کہ مناسب
وقت پر پھل پھول دیے گا ' اور انھیں معلوم
ھوا کہ ان کو خدا نے ایک فرزند بھی دیا ہے

ابوالعباس کی ولادت

جس کا نام ابوالعباس * ہے جس
کو انھوں نے ان لوگوں کے سامنے
منگوایا اور ان سے کہا " یہ تمھارا آقا ہے "
اور انھوں نے اس کے ھاتھہ پانو کو
بوسہ دیا " —

عباسی دعوؤں کی تائید ایرانیوں کی طرف سے

مظلوم اور مقہور ایرانیوں کی تائید کا
داعیوں کو خاص طور پر یقین تھا '
کیونکہ وہ ایک عقلمند اور لائق قوم تھی اور قدیم
شاندار روایتوں کی حامل تھی اور اب ایک ایسی قوم
کے ھاتھوں جو بجز ذاتی شجاعت اور حب آزادی کے
اور ھر حیثیت سے ان سے ادنی درجے کی تھی ' ان کی
حقارت اور ذلت ھوتی تھی - مختار اور اس کا سپہ
سالار ابن الاشتر ایرانیوں کے جوھر کا پہلے ھی ثبوت
دے چکے تھے ' اس لئے کہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ھیں
ان کی فوجیں زیادہ تر ایرانی سپاھیوں ھی پر

---

* یہ بعد کو السفاح (خونریز) کے لقب سے مشہور ہوا اور
خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ تھا - ۱۲ مصنف —

مشغول تھیں * —

جب ' فرات ' اور ' عمیر ' نے جو اس شامی فوج کے افسر تھے جو خلیفہ عبدالملک نے مختار کے

مختار اور ابن الاشتر نے ایرانیوں کی جوہر شناسی کی

خلاف بھیجی تھی ' ابن الاشتر سے اس کے کیمپ میں ملاقات کی ' تو انہوں نے شکایت کی کہ جس وقت سے ہم لوگ تمہاری فرودگاہ میں داخل ہوے ہیں اس وقت سے اب تک کہ ہم تمہارے سامنے آئے ہیں ہم نے ایک لفظ عربی کا نہیں سنا ' اور پھر اس سے پوچھا کہ ایک ایسی فوج کے ساتھ تم شام کے منتخب عسا کر کا مقابلہ کرنے کا خواب کیونکر دیکھ سکتے ہو "

ابن الاشتر نے جواب دیا " واللہ ' اگر میرے حلیفوں میں صرف چیونٹیاں بھی ہوں ' تو میں ان کے ساتھ بھی شامیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہوں ' چہ جائیکہ موجودہ صورت میں ' اس لئے کہ جن لوگوں کو تم میرے ہمراہ دیکھتے ہو ان سے زیادہ باریک بین قوم اور کوئی دوسری نہیں ہے اور یہ ایرانی امرا و اعیان کی اولادیں ہیں "

مختار نے بھی ایرانی الاصل لوگوں کو ترقیاں دیں ' اور انہیں اور ان کی اولادوں کو تحائف دئے ' انہیں ممتاز

---

* ملاحظہ ہو ڈیلوری صفحہ ۳۰۰ تا صفحہ ۳۰۲ ' نیز صفحہ ۳۰۹ ' صفحہ ۳۱۰ ' ۳۱۵ ' ۱۲ - مصنف —

عہدوں پر سرفراز کیا ، اور عربوں سے پہلو تہی کی ، اور انہیں ڈورھی دور رکھا اور مایوس کیا - اس پر وہ بہت برہم ہوے اور ان کے اکابر جمع ہوکر اس کے پاس آے اور اسے برا بھلا کہا - لیکن اس نے جواب دیا " خدا تم لوگوں سے الگ ہوجاے - میں نے تمھاری عزت کی اور تم نے ناک بھوں چڑھائی میں نے تمھیں حکومت و اختیار دئے اور تم نے ملک کے محاصل کو غارت کردیا بر خلاف اس کے ، یہ ایرانی تم سے زیادہ میرے مطیع ہیں اور میرے احکام کو تمھاری بہ نسبت زیادہ وفاداری اور مستعدی سے بجا لاتے ہیں —

لیکن ابھی ایک جماعت ایسی اور تھی جس کی مدد کی عباسی دعوت کے لئے ضرورت تھی - یعنی شیعہ - اگرچہ حقوق اہل بیت اطہار کے متعلق ان کے عقائد تقریبا مشترک تھے لیکن اس بارے میں اختلاف تھا کہ اہل بیت میں سے خلافت کا زیادہ مستحق کون تھا - عام طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امام حسین کی وفات کے بعد ان میں دو جماعتیں پیدا ہوگئیں جن میں سے ایک نے ان کے برادر رضاعی محمد ابن الحنیفہ کی تائید کی ، اور دوسری نے ان کے فرزند علی الموسوم بہ امام زین العابدین کی —

ہاشمیہ | ابن الحنیفہ کی وفات کے بعد اول الذکر جماعت نے ان کے فرزند ابو ہاشم کے ہاتھ پر بیعت کی ، اور اسی وجہ سے ہاشمیہ کہلاے ، بقول فان فلوٹن

کے * یہ ابو ہاشم ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے منتظم طور پر دعوت کا کام کیا اور شیعیوں میں حضرات ائمہ کی طرف سے احترام کے جو جذبات پہلے سے موجود تھے انھیں قوی تر بنایا، اور ان باطنی عقائد کو زیادہ مضبوط بنایا، جن کا حل امام ہی کے پاس ہوا کرتا تھا۔ ان ابو ہاشم کا انتقال سنہ ۹۸ ھ (سنہ ۷۱۶ ع - سنہ ۷۱۷ ع) میں ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اموی خلیفہ سلیمان نے انھیں زہر دیا † اور انھوں نے محمد ابن علی، خاندان بنو عباس کے سردار کو اپنی امامت تفویض کی اس کے بعد سے ہاشمیہ اور ان کی دعوت عباسیوں کے لئے ہونے لگی —

امامیہ

شیعوں کی دوسری جماعت یعنی امامیہ عباسی دعوت کی اتنی زیادہ معین نہ تھی، اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ امام کو اولاد علی و فاطمہ میں سے ہونا چاہئے چنانچہ ان کے امام حضرت زین العابدین خلف حضرت حسین تھے، جن کا انتقال سنہ ۹۹ ھ یا سنہ ۱۰۰ ھ (سنہ ۷۱۸ ع) میں ہوا ‡ اس جماعت کو اعانت حاصل کرنے کے لئے عباسیوں کی دعوت ہاشم کے نام سے کی گئی، جو عباسیوں اور علویوں دونوں کے مشترکہ طور پر صورت اعلان

---

* Recherehes Sur la Dominatio n Arabe (تحقیق در باب تسلط عرب) صفحہ ۴۴ - صفحہ ۴۵ ۱۲ مصنف

† (مرتبہ ہرتسما) جلد دوم صفحہ ۳۵۶ - ۱۲ مصنف

‡ الیعقوبی صفحہ ۳۶۳ ۱۲ مصنف

تھے ' اور جب کامیابی ہوگئی اس وقت علویوں کی آنکھیں کھلیں ' اور انہیں یہ دیکھکر سخت مایوسی ہوئی کہ ان کی جانفشانیوں سے صرف عباسیوں ہی نے فائدہ اٹھایا اور علوی اس سے محروم رہے —

غرض کہ خاموشی کے ساتھہ ' لیکن تیزی سے ' دعوت کا کام ہو تا رہا - کبھی کبھی سلطنت داعیوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیتی تھی ' جیسا کہ ابو عکرمہ اور حیان کے ساتھہ ہوا لیکن فوراً ہی ان کی جگہ پانچ داعی خراسان روانہ کئے گئے اور انہیں کمال حزم و احتیاط سے کام کرنے کی ہدایت کی گئی اور منع کر دیا گیا کہ جب تک رازداری کا حلف نہ اٹھوالیں اس وقت تک کسی پر اپنا بھید ظاہر نہ کریں * ہشام کے عہد حکومت میں جب کہ خالد عراق کا والی تھا خوارج اور شیعیوں نے کئی عجیب و غریب اور سخت شورشیں کیں جن کے سرغنہ اکثر صورتوں میں زندہ جلا دئے گئے † برخلاف اس کے خراسان میں خلیفہ نے ان لوگوں کے ساتھہ مصلحت نرمی برتی گرچہ اس کا والی برابر اسے ہوشیار کرتا رہتا تھا ‡ خراسان میں عباسی دعوت کی منتظم اور نگران ۱۲ نقیبوں کی ایک مجلس تھی جس کے نیچے ۷۰ ماتحت سرداروں کی ایک مجلس

---

* الیعقوبی صفحہ ۲۹۳ - ۱۲ - مصنف

† ویلوری صفحہ ۳۳۶ - صفحہ ۱۲ - مصنف

‡ میسور - صفحہ ۳۹۱ - صفحہ ۳۹۲ ۱۲ مصنف

شورش بھی تھی (*) کبھی کبھی یہ ہوتا تھا کہ کوئی داعی منتظمین کی نگرانی کے باوجود آپے سے باہر ہو کر غلاۃ کے شدید ترین عقائد کی برملا تبلیغ کرنے لگتا تھا ، جیسا کہ اخداش نے کیا ، جو سنہ ۷۳۶ ع میں قتل کیا گیا ۔ اس شخص کے ، نیز راوندیوں اور خرمیوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ہم ناظرین کو فان فلوٹن کی محققانہ تصنیف (صفحہ ۴۷ - صفحہ ۵۱) اور اپنی اس کتاب کے باب (۹) کے پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں —

محمد بن علی کی وفات

تقریباً سنہ ۷۴۳ ع میں محمد بن علی عباس کا انتقال ہو گیا انھوں نے اپنا جانشین اپنے بیٹے ابراهیم کو اور ان کے بعد دوسرے بیٹوں ابوالعباس اور ابو جعفر کو نامزد کیا ۔ ان میں سے ابراهیم کو آخری اموی خلیفہ مروان ثانی نے تقریباً سنہ ۷۴۷ ع - سنہ ۷۴۸ ع میں قتل کر دیا اور بقیہ دو بہت دنوں تک زندہ رہے اور عباسی دعوت اور خلافت عباسیہ کے سلسلے میں زمانہ دراز تک جو جانفشانیاں کی گئی تھیں اس کے اثرات سے بہرہ اندوز ہوے ۔ تقریباً اسی زمانے میں وہ عجیب و غریب شخص عرصہ

ابو مسلم

شہود پر آیا جسے دنیا ابو مسلم کے نام سے جانتی ہے اور جس نے سب سے زیادہ امیہ کے قلع قمع

* † دینوری - صفحہ ۳۳۸ - ۱۲ - مصنف

‡ فان فلوٹن - ۴۷ - ۱۲ - مصنف

اور عباسیہ کی فتح میں حصہ لیا تھا اور آخر انہیں لوگوں کے حسد کا شکار ہوا جو اس کے بہت زیر بار احسان تھے —

اس زمانے کے ہر واقعہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اب فیصلہ کی آخری گھڑی قریب آن پہنچی ہے - مروان ثانی جسے میدان جنگ میں برابر جمے ہوئے رہنے کی وجہ سے "الحمار" کی کنیت دی گئی تھی، سنہ ۷۴۵ء میں تخت پر بیٹھا، اور لوگوں کو یہ پیشین گوئی یاد آگئی کہ "الحمار میں ان کی نجات ہو گی اور عین ابن عین ابن عین (عبداللہ بن علی بن عبداللہ یعنی ابو العباس جو بعد کو السفاح کے نام سے مشہور ہوا) میم ابن میم ابن میم (مروان، ابن محمد ابن مروان آخری اموی خلیفہ) کو مار ڈالے گا (*) اس قسم کی مندوس پیشین گوئیاں عام طور پر مشہور تھیں اور لوگ انہیں شوق سے سنتے اور قبول کرتے تھے، اور یہودیوں اور عیسائیوں کی پراسرار کتابوں، ملاحم وغیرہ کو وہ محکوم اقوام بہت شوق سے پڑھتی تھیں جو مدت دراز سے ظلم سہتی رہی تھیں اور جنہیں اس کا یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کی نجات کا دن قریب آگیا ہے اور مسیح موعود کا ظہور قریب آگیا ہے جس کی وجہ سے فساد کے دور دورہ کے بعد انصاف و عدل کا دور دورہ شروع

(*) ملاحظہ ہو فان فلوتن صفحہ ۵۷ - ۱۲ - مصنف

ہوگا - اس آنے والے طوفان کے آثار اور علامتوں سے اگر کوئی بے خبر اور غافل تھا تو خلیفہ مروان اور اس کے اہل دربار- حالانکہ مروان کو اس کے مشرق کے سرداروں اور عاملوں کی طرف سے متعدد اطلاعیں پہونچ چکی تھیں ' خصوصاً خراسان کا گورنر نصر ابن سیار اس کو متنبہ کر چکا تھا کہ ۲ لاکھ آدمی ابو مسلم کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہیں ' اپنے اس خط کے خاتمہ پر نصر ابن سیار نے عربی اشعار لکھے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے (†) —

نصر بن سیار نے بنو امیہ کو متنبہ کیا

خاکستر میں مجھے آگ کی چمک نظر آتی ہے '
اس کے بھڑک اٹھنے میں بس ذرا ہی سی کسر ہے —
اور اگر اکابر قوم نے اسے نہ بجھایا تو لاشیں
اور کھوپڑیاں اس آگ کا ایندھن بنیں گی —
تحقیق آگ دو لکڑیوں سے نکلتی ہے اور تحقیق
کہ الفاظ لڑائی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں —
اور میں تعجب سے پکار اٹھتا ہوں " کاش
مجھے اس کا علم ہوجاتا کہ بنو امیہ جاگ رہے
ہیں یا سو رہے ہیں" —

(†) ملاحظہ ہو الفخری صفحہ ۱۷۰ ' دینوری صفحہ ۳۵۶ ' الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۴۰۸ ' نولد کی Delectus carminum Arabi corum صفحہ ۸۷ - صفحہ ۸۸ - ۱۲ مصنف —

اس نے عرب فوج کو بھی جو قبیلوں کی لڑائیوں کی وجہ پراگندہ ہوگئی تھی اور آنیوالے خطرے کی طرف سے بالکل غافل تھی حسب ذیل اشعار لکھے تھے (*) —

مرو کے ربیعہ اور اس کے بھائیوں (†) کے
رہنے والوں سے کہدوکہ غضب ناک ہوکر اٹھہ کھڑے
ہوں قبل اس کے کہ غضب بے سود ہوجاے —

اورجنگ شروع کردیں ' اس لئےکہ تحقیق رعایا
نے ایک ایسی جنگ شروع کی ہے جس کے دامن
پر جنگل جل اٹھے ہیں —

تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم آپس میں لڑتے
جھگڑتے ہو گویا کہ تم میں کوئی سمجھہ دار
شخص باقی ہی نہیں رہا —

اور ایک ایسے دشمن کی طرف سے غافل ہو
جو ابھی سے تم پر چھایا ہوا ہے ' یعنی ایک
مختلف العناصر انبوہ جس میں نہ کوئی مذہب
ہے اور نہ شرافت —

وہ ہمارے عرب نہیں ہیں جن کو ہم
جانتے ہوں ' نہ مہذب موالی ہیں اگر ان کا
شجرہ بیان کیا جاے —

وہ ایسی قوم ہے جس کا عقیدہ ایسا ہے کہ

(*) نولد کی - صفحہ ۸۸ - ۱۲ - مصنف —

(†) یعنی خراسان کے دوسرے شہر —

جس کے متعلق میں نے آنحضرت صلعم سے ایک
لفظ بھی نہیں سنا تھا ' اور جس کا صحف
سماوی میں کوی ذکر نہیں آیا ہے —
اور اگر کوئی مجھہ سے ان کے مذہب کی اصل
پوچھے تو تحقیق کہ ان کا مذہب صرف یہی
ہے کہ عربوں کو مار ڈالا جاے

لیکن یہ اور اس قسم کی دوسری تنبیہیں بے اثر ثابت ہوئیں * خراسان میں بے امنی اور بغاوت کے شعلے ہر طرف بھڑک رہے تھے اور جب ابو مسلم نے یہ اطمینان کرلیا کہ اب سواد بالکل تیار ہے تو اس نے سرو کے پاس قصبہ سقلندنج میں ۹ جون سنہ ۷۴۷ ع کو معنی عباسیہ کا سیاہ علم بلند کیا + اس علم پر قرآن کی حسب ذیل معنی خیز آیات منقش تہیں "ہتھیار اٹھانے والوں کو اجازت دی جاتی ہے اس

عباسیوں نے سیاہ علم بلند کیا - ۹ - جون سنہ ۷۴۷ ع

---

* مثلاً حارث بن عبدالله الجعدی اور اموی شہزادے عباس بن الولید کے وہ پاسوہ اشعار ملاحظہ ہوں جو فان فلوٹن (صفحہ ۶۲ صفحہ ۶۳) اور دینوری (صفحہ ۳۵۸ - صفحہ ۳۵۹) نے نقل کئے ہیں ۱۲ مصنف —

+ عباسیوں کے سیاہ علم اور سیاہ لباس کی (جس کی وجہ سے وہ المسودہ کہلاے) وجہ معلوم کرنا ہو تو ملاحظہ ہو فان فلوٹن صفحہ ۶۳ - صفحہ ۶۵ اور اس کے حوالہ جات ۱۲ مصنف —

لئے کہ ان کے ساتھہ ناانصافی کی گئی ہے " اُذن للذین یقاتلون
بانهم ظلموا و ان الله علی نصرهم لقدیر ۱۷ پارہ - سورہ حج
پانچواں رکوع لیکن کچھہ دنوں تک بغاوت کے شعلے خراسان کے
انتہائی شمالی مغربی حصوں، مثلاً نسا، ابیورد، ہرات،
مروروذ اور آس پاس کے علاقوں سے آگے نہ پھیلے - نصر بن سیار
نے خلیفہ سے جواستمداد کی تھی، اس کے جواب میں
خلیفہ مروان نے لکھا ‡ —

تحقیق کہ وہ شخص جو موقع پر موجود
ہے وہ دیکھہ سکتا ہے جو ایک ایسا شخص
جو موجود نہیں ہے نہیں دیکھہ سکتا - پس
تو اس بیماری کا علاج کر جو تم لوگوں کے
درمیان پھیل گئی ہے —

نصر بن سیار کو اس وقت صرف ایک ہی عملی کارروائی
مناسب نظر آئی، اور وہ یہ تھی کہ اس نے ابراہیم
عباس کو پکڑ کر قید کردیا اور اسے زہر دلوادیا، جس
پر اس کے دونوں بھائی ابوالعباس اور ابو جعفر اپنے خاندان
والوں کو لیکر الحمیمہ نے (جو شام میں ان کا مسکن تھا)
بھاگ کھڑے ہوے اور کوفہ پہنچے جہاں ابو سلمہ اور دوسرے
اکابر شیعہ نے انہیں پناہ دی اور ان کی خبرگیری کی —
الفخری لکھتا ہے :—

---

‡ الفخری صفحہ ۱۷۰ - صفحہ ۱۷۱ —

اقتباس از الفخری

اس کے بعد ابو مسلم میں اور نصر بن سیار اور خراسان کے دیگر امرا میں لڑائیاں ہوئیں جن میں مسودہ کو یعنی ابو مسلم کی فوجوں کو فتح ہوی - ان لوگوں کو مسودہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ انہوں نے بنو عباس کے لئے جو لباس تجویز کیا تھا وہ سیاہ رنگ کا تھا - اب ذرا خداوند تعالی جلشانہ کی قدرت کو دیکھو کہ جب وہ کچھہ کرنا چاھتا ھے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا ھے ' اور جب اسکی مشیت ہوتی ھے تو کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی - پس جب کہ اس کا حکم ہو گیا کہ اب حکومت بنو عباس میں منتقل ہو تو اس نے ان کے لئے اس کے جملہ ذرائع فراہم کردئے - کیونکہ امام ابراھیم بن محمد بن عبداللہ بن العباس شام یا حجاز میں اپنے مصلے پر بیٹھے ہوے اپنے اذکار اور اشغال میں لگے ہوے تھے اور ان کے پاس کوئی زبردست دنیوی وسیلہ نہ تھا ' اور خراسان کے لوگ ان کی طرف سے لڑے ' اور ان کی خاطر اپنی جانیں اور مال خطرے میں ڈالا ' حالانکہ ان میں سے بہت سے انہیں جانتے تک نہ تھے اور ان کے نام ان کی شخصیت میں تمیز نہ

کرسکتے تھے ۔ نہ انھوں نے ان پر کوئی دولت
صرف کی نہ ان میں سے کسی کو گھوڑے
یا اسلحہ دئے ' بلکہ صحیح یہ ہے کہ خود
ان لوگوں نے امام موصوف کو دولت دی اور
ان کے لئے ہر سال ھدایا لاتے تھے - اور چونکہ
خداوند تعالی کا حکم ہو چکا تھا کہ مروان نا اہل
ہو اور امیہ کی سلطنت پراگندہ ہو حالانکہ
مروان ' مسلم خلیفہ تھا اور اس کے پاس فوجیں
دولت اسلحہ اور دنیاوی ساز و سامان بہت
کچھ موجود تھا لیکن ہر طرف سے لوگ اس
سے منحرف ہو نے لگے اور اس کی قوت کمزور
پڑتی گئی اور اس کے قیام میں تزلزل آگیا
اور وہ برابر تباہ ہوتا گیا یہاں تک کہ اس کو
شکست ہوی اور وہ مار ڈالا گیا —

مسودہ کا جوش و خروش اور ابو مسلم " ایک سنجیدہ
اور خشک مزاج آدمی جس کی نظر میں دنیا کی ساری
لذتیں ہیچ تھیں " — کے ساتھہ ان کی وفاداری
بے پایاں تھی اور ان کی اطاعت شعاری یہاں
تک بڑھی ہوی تھی کہ اگر دشمن ان کے قدموں کے نیچے
پڑا ہو ، تو بھی وہ بغیر اپنے سرداروں کے حکم کے نہ اس
کے لئے زرفدیہ قبول کرتے تھے اور نہ اسکو قتل کرتے
تھے ؟ برخلاف اس کے ' عربوں میں جوش و خروش ، حب

وطن اور وفاداری کی بہت کمی تھی — ہر شخص کو اپنے ذاتی فائدے کی یا کم سے کم اپنے قبیلے کے فائدے کی فکر تھی - بنی امیہ کے ساتھ خلوص و عقیدت کا یہ قول یعقدلی کے کسی کے دل میں نام و نشان بھی نہ تھا اور مراؤ کے عین تو سرا سر شیعی عقائد رکھتے تھے تاہم ابو مسلم نے بہت حزم و احتیاط اور غور و فکر کے ساتھ کام کیا ' سات مہینے تک وہ اپنی فوجوں کو لئے ہوئے مرو کے مضافات میں پڑا رہا اور کسی باقاعدہ جارحانہ کارروائی کی کوشش تک اس نے نہ کی ' لیکن جب اسے یمنی عربوں کی تائید اور حمایت کا یقین ہو گیا تو اس نے بالآخر خراسان کے دارالخلافت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا - اب البتہ شورش اور بغاوت ہر طرف سے پھوٹ پڑی —

هرات ' بوشنج ، مروروذ ' طالقان مرو '
نیشاپور ' سرخس ' بلخ ' صغانیان ' طخارستان یعنی
حظل کا ملک ' کش * اور نسف (نخشب) *
غرض کہ ہر طرف سے لوگ کثیر تعداد میں آ آ
کر ابو مسلم کی جمعیت میں شریک ہونے لگے
یہ سب کے سب سیاہ پوش تھے اور ان کے ہاتھوں
میں ڈنڈے تھے جو آدھے سیاہ رنگ کے تھے اور

---

* فان فلوتن صفحہ ۹۷ ' دینوری صفحہ ۳۶۰ (۱۲ - مصنف)

جنھیں یہ لوگ کافر کوب کہتے تھے † وہ لوگ گھوڑوں پر ، گدھوں پر ، یا پا پیادہ برابر آتے رہے ، وہ لوگ اپنے گدھوں کو آگے بڑھاتے تھے تو کہتے تھے "ہر مروان" کیوں کہ مروان ثانی کا نام الحمار پڑ گیا تھا - ان کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی —

اس وقت سے ابومسلم اور دوسرے عباسی سرداروں کی رفتار ترقی برابر جاری رہی تا آں کہ ابوالعباس عبداللہ السفاح (نیز الملقب بہ المہدی) خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہوا ، اور اس نے ۳۰ - اکتوبر سنہ ۷۴۹ م کو خطبہ پڑھ کر ، جس کا ایسے موقعوں پر دستور ہے ، اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا - نصر ابن سیار "اکیلا وفادار آدمی جسے اس غداری اور خود غرضی کے زمانے میں دیکھہ کو خوشی ہوتی ہے "بھاگ کھڑا ہوا اور نومبر سنہ ۷۴۸ ع میں بمقام ساوا قتل کر دیا گیا - قحطبہ نے اگست سنہ ۷۴۹ م میں کوفہ پر قبضہ کر لیا ، اس مہینے میں مروان کے بیٹے عبداللہ کو زاب صغیر کے کنارے ابوعون کے ہاتھوں شکست فاش نصیب ہوی - خود مروان کو ۲۵ - جنوری سنہ ۷۵۰ ع میں دریائے زاب کے کنارے ایسی بڑی شکست ہوی کہ وہ پھر نہ

---

‡ یہ امر قابل غور ہے کہ دینوری نے کافرکوب کی جگہ کافر کوبات لکھا ہے ، اگرچہ صحیح لفظ کافر بکسرہ ف ہے ، لیکن صحیح ایرانی تلفظ کافر بفتح ف ہے چنانچہ قدیم سے قدیم زمانے کے فارسی اشعار میں بھی سر ، بر وغیرہ کا قافیہ کافر آتا ہے

۱۲ - مصنف

سنبھل سکا اور اس کے تین ماہ بعد امیہ کے دارالخلافت دمشق پر بھی دشمنوں کا قبضہ ہو گیا ، اور بنو امیہ کا آخری خلیفہ مروان جو بھاگ کر مصر چلا گیا تھا اخر کو اس سال ۵ - اگست کو گرفتار اور قتل کر دیا گیا ارر اس کا سر ابوالعباس کے پاس بھیج دیا گیا - دوسرے سال یعنی سنہ ۷۵۱ ع میں فلسطین بصرہ اور خود بلاد مقدسہ یعنی مکہ اور مدینہ میں خاندان امیہ کے افراد کا قتل عام کیا گیا جس میں اکثر سخت قساوت اور نفرت انگیز دغا بازی کا بھی اظہار کیا گیا - ایک شخص مسمی عبدالرحمن نے جو ہشام کا پوتا تھا کئی مرتبہ دشمنوں کے ہاتھوں سے بال بال بچ جانے کے بعد اخر اندلس کا راستہ اختیار کیا وہاں کے عربوں نے اس کا اچھی طرح استقبال کیا اور وہ وہیں رہ پڑا ' اور اخر کار قرطبہ کے اموی خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً تین صدی تک یعنی سنہ ۷۵۶ ع سے سنہ ۱۰۳۱ ع تک برسر اقتدار رہا - عباسیوں پر یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے دمشق میں خلفاے امویہ کے مقابر کی بے حرمتی کی اور ان کی لاشیں کھود ڈالیں * لیکن جس صورت میں کہ ابھی حال ہی میں ایک انگریزی جنرل نے اس رسم کی تجدید کی ہے (†) اور

* ملاحظہ ہو میور تاریخ خلافت صفحہ ۴۳۵ - صفحہ ۴۳۶

۱۲ - مصنف

† پروفیسر براؤن کا اشارہ لارڈ کچنر کی طرف ہے جس نے مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا کر ان کی لاش کی بےحرمتی کی تھی - ۱۲ مترجم

اس کے ابائی وطن میں سے ایک کثیر جماعت نے اگر علانیہ اس حرکت کی تعریف نہیں کی تو بھی کم از کم اسے قابل در گزر ضرور سمجھا ہے ' ہمارے لئے عباسیوں پر زبان تشدیع دراز کرنا کچھ زیادہ زیب نہیں دیتا

اکثر حامیان انقلاب کی امیدیں غلط ثابت ہوئیں

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جب عباسیوں نے خون کی ندیاں بہاکر بالآخر خلافت پر قبضہ کر لیا اور مشرقی سلطنت اسلامی کے مالک کل بن بیٹھے اس وقت بھی انہوں نے خلیفہ کو عدل و انصاف سے نہیں بھرا ' چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے —

" کاش مروان کی اولاد پھر ہمارے پاس آجائے
اور خدا کرے آل عباس کا عدل جہنم میں جائے *

اکثر افراد کو ' جنھوں نے جان و مال سے انقلاب کی حمایت کی تھی جب یہ انقلاب کامیاب ہو گیا ' تو بہت مایوسی ہوی - خصوصاً شیعیوں کو تو سخت دھوکا ہوا ' وہ اس غلط فہمی میں رہے کہ " ما شیعہ " سے جس کے نام سے دعوت دی گئی تھی ' مراد اہل بیت علی ہوں ' اور جب کچھ کرنے دھرنے کا موقع باقی نہ رہا اس وقت انکو محسوس ہوا کہ امیہ بھی اہل بیت رسول کے اتنے جانی دشمن نہ تھے جتنے کہ اب بنی عباس کے ہاتھوں ثابت ہورہے تھے - عباسیہ نے ان لوگوں کے ساتھ بھی رعایت نہ کی جنہیں انہوں نے خود

---

* آغانی جلد ۱۶ صفحہ ۸۴ ملتبس از فان فلوتن صفحہ ۱۹ ۱۲ - مصنف —

اپنا آلہ کار بنا یا تھا ' سنہ ۷۴۹ ع - سنہ ۷۵۰ ع میں ابوسلمہ

ابوسلمہ اور ابومسلم کو قتل کیا گیا

دغا سے مارا گیا ' اور خود ابو مسلم
کا ' جس کے استقلال ' جوش ، اعلی
قابلیت ، اور جان توڑ کوششوں نے عباسیوں کو کامیاب
کیا تھا ' چار پانچ سال بعد (سنہ ۷۵۵ع) میں یہی حشر ہوا *
اس میں شک نہیں کہ ابومسلم بے نظیر قابلیت کا شخص
تھا ' لیکن اس کے با وجود ہمیں اس کے انجام بد پر افسوس
نہیں ہوتا اس لئے کہ خود اس کے قول کے مطابق جن
لوگوں کو اس نے جنگ کے علاوہ قتل کیا ' ان کی تعداد
ایک لاکھ تھی ' اور دوسروں نے اس کا اندازہ ۶ لاکھ کہا ہے †
لیکن اس نے اپنے پیرووں میں ' جس میں غیر مسلم بھی
شریک تھے ' اطاعت شعاری اور خدا کاری کا ایک غیر معمولی
جذبہ پیدا کردیا تھا، بقول مورخ کے ‡" اس کے زمانے میں دھقانوں

* اثناء عشریون کا خیال ہے کہ ان کے جتنے ائمہ عباسیہ کے دور میں گزرے ' وہ سب کے سب ان خلفاء کے ہاتھوں خفیہ طور پر زہر دیکر ہلاک کئے گئے صرف امام مہدی بچ گئے جن کے متعلق اثناء عشریوں کا اعتقاد ہے کہ وہ آج تک شہر جبلقہ میں زندہ و سلامت ہیں اور آخری وقتوں کے ابتلاء میں دوبارہ ظاہر ہوں گے ۱۲ مصنف

† الیعقوبی ' جلد دوم صفحہ ۴۳۹ ۱۲ مصنف —

‡ میور صفحہ ۴۴۶ الخ ۱۲ - مصنف —

ابو مسلم کا زبردست اثر

(یعنی ایران کے مالکان اراضی) نے مجوس مذہب ترک کر کے اسلام اختیار کر لیا تھا"

فان فلوتن خرمیوں ' غلات شیعہ اور دوسرے ' اہل دل ' فرقوں کے ذکر کے سلسلے میں لکھتا ہے §—

اکثر تو صرف اس کو سچا اور واحد امام مانتے تھے ' نیز یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مجوس اس کو اوسط دربامی یا اوسط درمہ مانتے تھے جو زرتشت کی اولاد میں سے ہے اور جس کے متعلق مجوسیوں کا اعتقاد ہے کہ وہ بھی امام مہدی کی طرح آخر میں ظاہر ہوگا - ان فرقوں کو ابومسلم کی موت کا یقین ہی نہ آتا تھا ، وہ منتظر تھے کہ وہ آکر دنیا کو عدل و انصاف سے مالا مال کردے گا - دوسروں کا عقیدہ یہ تھا کہ اب امامت اس کی بیٹی فاطمہ میں منتقل ہو گئی ہے - ایک شخص مسمی اسحاق ترک $ ابومسلم کی موت کے بعد بھاگ کر ماوراءالنہر کی طرف جا نکلا وہ خود کو ابومسلم

---

§ ابن ابی طاہر منقولہ فان فلوتن صفحہ ۶۷ اور حاشیہ ۴ ۱۲ مصنف

$ (حواشی) جیساکہ فہرست میں تصریح کردی گئی ہے یہ شخص ترک اس وجہ سے کہلاتا تھا کہ وہ اپنا تبلیغی کام حدود ترکی میں کرتا تھا - ۱۲ - مصنف

Oshederbami or Oshederma

کا داعی کہتا تھا اور یہ کہتا پھرتا تھا کہ میرا
آقا شہر رے میں روپوش ہے - پھر اس نے دعویٰ
کیا کہ میں نبی ہوں ، اور زرتشت کا فرستادہ
ہوں جو ہنوز زندہ ہے "—

خرم دینیہ | خرمیوں ، یا خرم دینیہ کا تذکرہ جن کے خاص عقائد وہی تھے جو مزدکیہ کے (ملاحظہ ہو تصنیف ہذا کا صفحہ ۱۹۸ - ضمیمہ ۱۷۲) ہمیں ایک صدی کے بعد تک بھی کچھ ملتا رہتا ہے ، اور ایران میں اس زمانے میں جو چھوٹی یا بڑی بغاوتیں ہوئیں اور جن کے سرغنہ نبوت کے بعض جھوٹے مدعی مثلاً سنباد مجوسی (سنہ ۷۵۴ ع سنہ ۷۵۵ ع) استاذسیس (سنہ ۷۶۶ ع - سنہ ۷۶۸ ع) یوسف البرم اور المقنع (خراسان کا نقاب پوش نبی) (سنہ ۷۷۷ - سنہ ۷۸۰) علی مزدک (سنہ ۸۳۳ ع) اور بابک (سنہ ۸۱۶ - سنہ ۸۳۸ ع) تھے وغیرہم تھے — وہ سب کے سب اکثر ابو مسلم ہی کی یاد اور اسی کے سلسلے میں ہوئیں تھیں۔

اسی انقلاب سے ، جس نے عباسیہ کو تخت سلطنت پر بٹھایا ، اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہوا کہ ایرانیوں کی حیثیت اور ان کا رتبہ بہت کچھ بڑھ گیا ، پہلے وہ ایک حقیر اور محکوم قوم سمجھے جاتے تھے تو اب سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدے اور اعلیٰ ذمہ داری کی خدمتیں ان کے سپرد ہونے لگیں - آل عباس کو جو فتح حاصل ہوی وہ انہیں

کی تلواروں کے طفیل سے ہوئی ' یہی وجہ ہے کہ البیرونی عباسیہ کو " خراسانی ' مشرقی خاندان " کہتا ہے * اور اس قول میں کوئی شبہ نہیں ہے کے قادسیہ اور نہاوند کا انتقام دریائے زاب کے کنارے لیا گیا - بنوامیہ کا زوال گویا خالص عربی دور کا خاتمہ تھا † —

---

* تاریخ ملل قدیمہ مترجمہ سخاؤ صفحہ ۱۹۷ - ۱۲ - مصنف

† ملاحظہ ہو وہ نظم جو فان کریمرنے اپنی Streifzuge میں نقل کی ہے ' اصل کے صفحہ ۶۹ - صفحہ ۷۰ اور ترجمہ (صفحہ ۳۱ - صفحہ ۳۲) اس نظم میں عربی شاعر نے بہت غم و غصہ کے ساتھہ اس کی شکایت کی ہے کہ ایرانی اور نبطی موالی جو پہلے اتنے عاجز اور دبے ہوے تھے اب بہت مغرور اور گستاخ ہوگئے ہیں - ۱۲ مصنف — .